روزانہ درسِ قرآن کریم

تفسیر

سورۃ لقمان ـــ (مکمل)

سورۃ السجدۃ ـــ (مکمل)

سورۃ الاحزاب ـــ (مکمل)

سورۃ سبا ـــ (مکمل)

سورۃ فاطر ـــ (مکمل)

سورۃ یٰسٓ ـــ (مکمل)

سورۃ الصّٰفّٰت ـــ (مکمل)

(جلد ۱۵)

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دامت برکاتہم
خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ، پاکستان

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب ..... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ لقمان تا سورہ الصّٰفّٰت) جلد ۱۵

افادات ..... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب ..... الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت ..... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق ..... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

کتابت ..... محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

ناشر ..... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت ..... ۲۸۰/- (دو سو اسی روپے)

تاریخ طبع گیارہ ..... جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق جون ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ

(۲) مکتبہ حامد و اقرام سفید اردو بازار لاہور

(۳) مکتبہ قاسمیہ مالفضل مارکیٹ لاہور

(۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

(۵) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

(۶) کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۷) مکتبہ علمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) اسلامیہ کتب خانہ آگاہی، ایبٹ آباد

(۹) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

(۱۰) مکتبہ العلم ۱۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۵

مضامین سورہ	صفحہ	مضامین سورہ	صفحہ
پیش لفظ ۔ اکابر اہل علم دین سے استفادہ	۲۱	جواز اور دلیل	۵
انتساب گلشن از محمد یونس نادان مرحوم	۲۵	ترجمہ و تفسیر	۵۱
سورۃ لقمان (مکی)	۲۹	درس پنجم (آیت ۱۰)	۵۲
درس پہلا (آیت ۱ تا ۷)	۳۰	ربط آیات	۵۲
ربط آیات	۳۰	نعمت لقمان کی گفتگو	۵۳
شان نزول	۳۱	فلسفہ کا مفہوم	۵۸
حروف مقطعات	۳۲	حضرت لقمان کا بیٹے کو نصیحت	۵۹
کتاب حکیم کی آیتیں	۳۳	بیٹے کو نصیحت	۶۰
ہدایت اور رحمت	۳۳	شرک اصل ظلم	۶۲
نماز اور زکوٰۃ	۳۴	درس ششم (آیت ۱۳ تا ۱۵)	۶۳
زکوٰۃ کے مصارف	۳۶	ربط آیات	۶۵
آخرت پر یقین	۳۷	شرک کی ممانعت	۶۵
درس دوم (آیت ۸ تا ۹)	۳۸	شرک کی تعریف	۶۶
ربط آیات	۳۸	والدین کے حقوق	۶۹
شان نزول	۳۹	دین کا خصوصی حق	۷۰
قرآن سے روگردانی	۴۲	بلاعلم کا مسئلہ	۷۱
درس ہفتم (آیت ۱۶ تا ۱۹)	۴۵	شرک کا انجام	۷۲
ربط آیات	۴۶	والدین سے حسن سلوک	۷۲
اقوال بیان	۴۶	غلط اور صحیح اتباع	۷۳
آسمان و زمین کی تخلیق	۴۹	درس ہشتم (آیت ۱۷ تا ۱۹)	۷۵

ربط آیات ۷۶
اعمال کی پیشی ۷۶
نماز کی تاکید ۷۷
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۷۹
صبر کی ترغیب ۸۰
تکبر کی ممانعت ۸۱
چال میں میانہ روی ۸۱
آواز کی پستی ۸۲
درس ہفتم ۷ (آیت ۲۰ تا ۲۴) ۸۴
ربطِ آیات ۸۵
تسخیرِ ارض وسما ۸۶
تکمیلِ نعمت ۸۷
دلائلِ توحید ۸۸
آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ۸۹
ایمان کا مضبوط کڑا ۹۱
کفر کا انجام ۹۲
درس ہشتم ۸ (آیت ۲۵ تا ۳۰) ۹۴
ربطِ آیات ۹۵
دلائلِ توحید ۹۶
توحید کے چار درجے ۹۷
اللہ کی صفاتِ کمال ۹۹
بعث بعد الموت ۱۰۰
درس نہم ۹ (آیت ۳۱ تا ۳۲) ۱۰۲
ربطِ آیات ۱۰۴
کشتی رانی بطورِ نشانی ۱۰۵
صبر وشکر کی منزل ۱۰۷
توحید کی دلیل ۱۰۸
قیامت کا طوفان ۱۰۹
دنیا اور شیطان کا دھوکہ ۱۱۰
درس دہم ۱۰ (آیت ۳۴) ۱۱۲
ربطِ آیات ۱۱۲
مفاتح الغیب ۱۱۲
شانِ نزول ۱۱۳
وقوعِ قیامت کا علم ۱۱۳
نزولِ بارش کا علم ۱۱۴
حمل کا علم ۱۱۵
آمدہ کل کا علم ۱۱۵
جائے موت کا علم ۱۱۶
ارکان اور احکام کا علم ۱۱۸
علمِ غیب پر اصولی بحث ۱۱۸
سورۃ السجدۃ (مکمل) ۱۲۱
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۵) ۱۲۲
نام اور حروف ۱۲۳
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط ۱۲۳
فضائل سورۃ ۱۲۴
مضامین سورۃ ۱۲۵

	۱۷		
	۲۱		
	۲۲		
	۲۵		
	۲۸		
	۳۰		
	۳۱		
	۳۲		
	۳۲		
	۳۳		
	۳۴		
	۳۵		
	۳۶		
	۳۷		
	۳۸		
	۳۹		
	۴۰		
	۴۱		
	۴۲		
	۴۳		
	۴۴		
	۴۵		
	۴۶		
	۴۷		
	۴۸		
	۴۹		
	۵۰		
	۵۱		
	۵۲		
	۵۳		
	۵۴		
	۵۵		
	۵۶		
	۵۷		
	۵۸		
	۵۹		
	۶۰		
	۶۱		
	۶۲		
	۶۳		
	۶۴		
	۶۵		
	۶۶		
	۶۷		
	۶۸		
	۶۹		
	۷۰		
	۷۱		
	۷۲		
	۷۳		
	۷۴		
	۷۵		
	۷۶		
	۷۷		
	۷۸		
	۷۹		
	۸۰		
	۸۱		
	۸۲		
	۸۳		
	۸۴		
	۸۵		
	۸۶		
	۸۷		
	۸۸		
	۸۹		
	۹۰		
	۹۱		
	۹۲		
	۹۳		
	۹۴		
	۹۵		
	۹۶		
	۹۷		
	۹۸		
	۹۹		
	۱۰۰		
	۱۰۱		
	۱۰۲		
	۱۰۳		
	۱۰۴		
	۱۰۵		
	۱۰۶		
	۱۰۷		
	۱۰۸		
	۱۰۹		
	۱۱۰		
	۱۱۱		
	۱۱۲		
	۱۱۳		
	۱۱۴		
	۱۱۵		
	۱۱۶		
	۱۱۷		
	۱۱۸		
	۱۱۹		
	۱۲۰		
	۱۲۱		
	۱۲۲		
	۱۲۳		
	۱۲۴		
	۱۲۵		
	۱۲۶		
	۱۲۷		
	۱۲۸		
	۱۲۹		
	۱۳۰		
	۱۳۱		
	۱۳۲		
	۱۳۳		
	۱۳۴		
	۱۳۵		
	۱۳۶		
	۱۳۷		
	۱۳۸		
	۱۳۹		
	۱۴۰		
	۱۴۱		
	۱۴۲		
	۱۴۳		
	۱۴۴		
	۱۴۵		
	۱۴۶		
	۱۴۷		
	۱۴۸		
	۱۴۹		
	۱۵۰		
	۱۵۱		
	۱۵۲		
	۱۵۳		
	۱۵۴		
	۱۵۵		
	۱۵۶		
	۱۵۷		
	۱۵۸		
	۱۵۹		
	۱۶۰		
	۱۶۱		
	۱۶۲		
	۱۶۳		
	۱۶۴		
	۱۶۵		
	۱۶۶		
	۱۶۷		
	۱۶۸		
	۱۶۹		
	۱۷۰		
	۱۷۱		
	۱۷۲		
	۱۷۳		
	۱۷۴		
	۱۷۵		
	۱۷۶		
	۱۷۷		
	۱۷۸		
	۱۷۹		
	۱۸۰		
	۱۸۱		
	۱۸۲		
	۱۸۳		
	۱۸۴		
	۱۸۵		
	۱۸۶		
	۱۸۷		
	۱۸۸		
	۱۸۹		
	۱۹۰		
	۱۹۱		
	۱۹۲		
	۱۹۳		
	۱۹۴		
	۱۹۵		
	۱۹۶		
	۱۹۷		
	۱۹۸		
	۱۹۹		
	۲۰۰		
	۲۰۱		
	۲۰۲		
	۲۰۳		
	۲۰۴		
	۲۰۵		
	۲۰۶		
	۲۰۷		
	۲۰۸		
	۲۰۹		
	۲۱۰		
	۲۱۱		
	۲۱۲		
	۲۱۳		
	۲۱۴		
	۲۱۵		
	۲۱۶		
	۲۱۷		
	۲۱۸		
	۲۱۹		
	۲۲۰		
	۲۲۱		
	۲۲۲		
	۲۲۳		
	۲۲۴		
	۲۲۵		
	۲۲۶		
	۲۲۷		
	۲۲۸		
	۲۲۹		
	۲۳۰		
	۲۳۱		
	۲۳۲		
	۲۳۳		
	۲۳۴		
	۲۳۵		
	۲۳۶		
	۲۳۷		
	۲۳۸		
	۲۳۹		
	۲۴۰		
	۲۴۱		
	۲۴۲		
	۲۴۳		
	۲۴۴		
	۲۴۵		
	۲۴۶		
	۲۴۷		
	۲۴۸		
	۲۴۹		
	۲۵۰		
	۲۵۱		
	۲۵۲		
	۲۵۳		
	۲۵۴		
	۲۵۵		
	۲۵۶		
	۲۵۷		
	۲۵۸		
	۲۵۹		
	۲۶۰		
	۲۶۱		
	۲۶۲		
	۲۶۳		
	۲۶۴		
	۲۶۵		
	۲۶۶		
	۲۶۷		
	۲۶۸		
	۲۶۹		
	۲۷۰		
	۲۷۱		
	۲۷۲		
	۲۷۳		
	۲۷۴		
	۲۷۵		
	۲۷۶		
	۲۷۷		
	۲۷۸		
	۲۷۹		
	۲۸۰		
	۲۸۱		
	۲۸۲		
	۲۸۳		
	۲۸۴		
	۲۸۵		
	۲۸۶		
	۲۸۷		
	۲۸۸		
	۲۸۹		
	۲۹۰		
	۲۹۱		
	۲۹۲		
	۲۹۳		
	۲۹۴		
	۲۹۵		
	۲۹۶		
	۲۹۷		
	۲۹۸		
	۲۹۹		
	۳۰۰		
	۳۰۱		
	۳۰۲		
	۳۰۳		
	۳۰۴		
	۳۰۵		
	۳۰۶		
	۳۰۷		
	۳۰۸		
	۳۰۹		
	۳۱۰		
	۳۱۱		
	۳۱۲		
	۳۱۳		
	۳۱۴		
	۳۱۵		
	۳۱۶		
	۳۱۷		
	۳۱۸		
	۳۱۹		
	۳۲۰		
	۳۲۱		
	۳۲۲		
	۳۲۳		
	۳۲۴		
	۳۲۵		
	۳۲۶		
	۳۲۷		
	۳۲۸		
	۳۲۹		
	۳۳۰		
	۳۳۱		
	۳۳۲		
	۳۳۳		
	۳۳۴		
	۳۳۵		
	۳۳۶		
	۳۳۷		
	۳۳۸		
	۳۳۹		
	۳۴۰		
	۳۴۱		
	۳۴۲		
	۳۴۳		
	۳۴۴		
	۳۴۵		
	۳۴۶		
	۳۴۷		
	۳۴۸		
	۳۴۹		
	۳۵۰		
	۳۵۱		
	۳۵۲		
	۳۵۳		
	۳۵۴		
	۳۵۵		
	۳۵۶		
	۳۵۷		
	۳۵۸		
	۳۵۹		
	۳۶۰		
	۳۶۱		
	۳۶۲		
	۳۶۳		
	۳۶۴		
	۳۶۵		
	۳۶۶		
	۳۶۷		
	۳۶۸		
	۳۶۹		
	۳۷۰		
	۳۷۱		
	۳۷۲		
	۳۷۳		
	۳۷۴		
	۳۷۵		
	۳۷۶		
	۳۷۷		
	۳۷۸		
	۳۷۹		
	۳۸۰		
	۳۸۱		
	۳۸۲		
	۳۸۳		
	۳۸۴		
	۳۸۵		
	۳۸۶		
	۳۸۷		
	۳۸۸		
	۳۸۹		
	۳۹۰		
	۳۹۱		
	۳۹۲		
	۳۹۳		
	۳۹۴		
	۳۹۵		
	۳۹۶		
	۳۹۷		
	۳۹۸		
	۳۹۹		
	۴۰۰		
	۴۰۱		
	۴۰۲		
	۴۰۳		
	۴۰۴		
	۴۰۵		
	۴۰۶		
	۴۰۷		
	۴۰۸		
	۴۰۹		
	۴۱۰		
	۴۱۱		
	۴۱۲		
	۴۱۳		
	۴۱۴		
	۴۱۵		
	۴۱۶		
	۴۱۷		
	۴۱۸		
	۴۱۹		
	۴۲۰		
	۴۲۱		
	۴۲۲		
	۴۲۳		
	۴۲۴		
	۴۲۵		
	۴۲۶		
	۴۲۷		
	۴۲۸		
	۴۲۹		
	۴۳۰		
	۴۳۱		
	۴۳۲		
	۴۳۳		
	۴۳۴		
	۴۳۵		
	۴۳۶		
	۴۳۷		
	۴۳۸		
	۴۳۹		
	۴۴۰		
	۴۴۱		
	۴۴۲		
	۴۴۳		
	۴۴۴		
	۴۴۵		
	۴۴۶		
	۴۴۷		
	۴۴۸		
	۴۴۹		
	۴۵۰		
	۴۵۱		
	۴۵۲		
	۴۵۳		
	۴۵۴		
	۴۵۵		
	۴۵۶		
	۴۵۷		
	۴۵۸		
	۴۵۹		
	۴۶۰		
	۴۶۱		
	۴۶۲		
	۴۶۳		
	۴۶۴		
	۴۶۵		
	۴۶۶		
	۴۶۷		
	۴۶۸		
	۴۶۹		
	۴۷۰		
	۴۷۱		
	۴۷۲		
	۴۷۳		
	۴۷۴		
	۴۷۵		
	۴۷۶		
	۴۷۷		
	۴۷۸		
	۴۷۹		
	۴۸۰		
	۴۸۱		
	۴۸۲		
	۴۸۳		
	۴۸۴		
	۴۸۵		
	۴۸۶		
	۴۸۷		
	۴۸۸		
	۴۸۹		
	۴۹۰		
	۴۹۱		
	۴۹۲		
	۴۹۳		
	۴۹۴		
	۴۹۵		
	۴۹۶		
	۴۹۷		
	۴۹۸		
	۴۹۹		
	۵۰۰		
	۵۰۱		
	۵۰۲		
	۵۰۳		
	۵۰۴		
	۵۰۵		
	۵۰۶		
	۵۰۷		
	۵۰۸		
	۵۰۹		
	۵۱۰		
	۵۱۱		
	۵۱۲		
	۵۱۳		
	۵۱۴		
	۵۱۵		
	۵۱۶		
	۵۱۷		
	۵۱۸		
	۵۱۹		
	۵۲۰		
	۵۲۱		
	۵۲۲		
	۵۲۳		
	۵۲۴		
	۵۲۵		
	۵۲۶		
	۵۲۷		
	۵۲۸		
	۵۲۹		
	۵۳۰		
	۵۳۱		
	۵۳۲		
	۵۳۳		
	۵۳۴		
	۵۳۵		
	۵۳۶		
	۵۳۷		
	۵۳۸		
	۵۳۹		
	۵۴۰		
	۵۴۱		
	۵۴۲		
	۵۴۳		
	۵۴۴		
	۵۴۵		
	۵۴۶		
	۵۴۷		
	۵۴۸		
	۵۴۹		
	۵۵۰		
	۵۵۱		
	۵۵۲		
	۵۵۳		
	۵۵۴		
	۵۵۵		
	۵۵۶		
	۵۵۷		
	۵۵۸		
	۵۵۹		
	۵۶۰		
	۵۶۱		
	۵۶۲		
	۵۶۳		
	۵۶۴		
	۵۶۵		
	۵۶۶		
	۵۶۷		
	۵۶۸		
	۵۶۹		
	۵۷۰		
	۵۷۱		
	۵۷۲		
	۵۷۳		
	۵۷۴		
	۵۷۵		
	۵۷۶		
	۵۷۷		
	۵۷۸		
	۵۷۹		
	۵۸۰		
	۵۸۱		
	۵۸۲		
	۵۸۳		
	۵۸۴		
	۵۸۵		
	۵۸۶		
	۵۸۷		
	۵۸۸		
	۵۸۹		
	۵۹۰		
	۵۹۱		
	۵۹۲		
	۵۹۳		
	۵۹۴		
	۵۹۵		
	۵۹۶		
	۵۹۷		
	۵۹۸		
	۵۹۹		
	۶۰۰		
	۶۰۱		
	۶۰۲		
	۶۰۳		
	۶۰۴		
	۶۰۵		
	۶۰۶		
	۶۰۷		
	۶۰۸		
	۶۰۹		
	۶۱۰		
	۶۱۱		
	۶۱۲		
	۶۱۳		
	۶۱۴		
	۶۱۵		
	۶۱۶		
	۶۱۷		
	۶۱۸		
	۶۱۹		
	۶۲۰		
	۶۲۱		
	۶۲۲		
	۶۲۳		
	۶۲۴		
	۶۲۵		
	۶۲۶		
	۶۲۷		
	۶۲۸		
	۶۲۹		
	۶۳۰		
	۶۳۱		
	۶۳۲		
	۶۳۳		
	۶۳۴		
	۶۳۵		
	۶۳۶		
	۶۳۷		
	۶۳۸		
	۶۳۹		
	۶۴۰		
	۶۴۱		
	۶۴۲		
	۶۴۳		
	۶۴۴		
	۶۴۵		
	۶۴۶		
	۶۴۷		
	۶۴۸		
	۶۴۹		
	۶۵۰		
	۶۵۱		
	۶۵۲		
	۶۵۳		
	۶۵۴		
	۶۵۵		
	۶۵۶		
	۶۵۷		
	۶۵۸		
	۶۵۹		
	۶۶۰		
	۶۶۱		
	۶۶۲		
	۶۶۳		
	۶۶۴		
	۶۶۵		
	۶۶۶		
	۶۶۷		
	۶۶۸		
	۶۶۹		
	۶۷۰		
	۶۷۱		
	۶۷۲		
	۶۷۳		
	۶۷۴		
	۶۷۵		
	۶۷۶		
	۶۷۷		
	۶۷۸		
	۶۷۹		
	۶۸۰		
	۶۸۱		
	۶۸۲		
	۶۸۳		
	۶۸۴		
	۶۸۵		
	۶۸۶		
	۶۸۷		
	۶۸۸		
	۶۸۹		
	۶۹۰		
	۶۹۱		
	۶۹۲		
	۶۹۳		
	۶۹۴		
	۶۹۵		
	۶۹۶		
	۶۹۷		
	۶۹۸		
	۶۹۹		
	۷۰۰		
	۷۰۱		
	۷۰۲		
	۷۰۳		
	۷۰۴		
	۷۰۵		
	۷۰۶		
	۷۰۷		
	۷۰۸		
	۷۰۹		
	۷۱۰		
	۷۱۱		
	۷۱۲		
	۷۱۳		
	۷۱۴		
	۷۱۵		
	۷۱۶		
	۷۱۷		
	۷۱۸		
	۷۱۹		
	۷۲۰		
	۷۲۱		
	۷۲۲		
	۷۲۳		
	۷۲۴		
	۷۲۵		
	۷۲۶		
	۷۲۷		
	۷۲۸		
	۷۲۹		
	۷۳۰		
	۷۳۱		
	۷۳۲		
	۷۳۳		
	۷۳۴		
	۷۳۵		
	۷۳۶		
	۷۳۷		
	۷۳۸		
	۷۳۹		
	۷۴۰		
	۷۴۱		
	۷۴۲		
	۷۴۳		
	۷۴۴		
	۷۴۵		
	۷۴۶		
	۷۴۷		
	۷۴۸		
	۷۴۹		
	۷۵۰		
	۷۵۱		
	۷۵۲		
	۷۵۳		
	۷۵۴		
	۷۵۵		
	۷۵۶		
	۷۵۷		
	۷۵۸		
	۷۵۹		
	۷۶۰		
	۷۶۱		
	۷۶۲		
	۷۶۳		
	۷۶۴		
	۷۶۵		
	۷۶۶		
	۷۶۷		
	۷۶۸		
	۷۶۹		
	۷۷۰		
	۷۷۱		
	۷۷۲		
	۷۷۳		
	۷۷۴		
	۷۷۵		
	۷۷۶		
	۷۷۷		
	۷۷۸		
	۷۷۹		
	۷۸۰		
	۷۸۱		
	۷۸۲		
	۷۸۳		
	۷۸۴		
	۷۸۵		
	۷۸۶		
	۷۸۷		
	۷۸۸		
	۷۸۹		
	۷۹۰		
	۷۹۱		
	۷۹۲		
	۷۹۳		
	۷۹۴		
	۷۹۵		
	۷۹۶		
	۷۹۷		
	۷۹۸		
	۷۹۹		
	۸۰۰		
	۸۰۱		
	۸۰۲		
	۸۰۳		
	۸۰۴		
	۸۰۵		
	۸۰۶		
	۸۰۷		
	۸۰۸		
	۸۰۹		
	۸۱۰		
	۸۱۱		
	۸۱۲		
	۸۱۳		
	۸۱۴		
	۸۱۵		
	۸۱۶		
	۸۱۷		
	۸۱۸		
	۸۱۹		
	۸۲۰		
	۸۲۱		
	۸۲۲		
	۸۲۳		
	۸۲۴		
	۸۲۵		
	۸۲۶		
	۸۲۷		
	۸۲۸		
	۸۲۹		
	۸۳۰		
	۸۳۱		
	۸۳۲		
	۸۳۳		
	۸۳۴		
	۸۳۵		
	۸۳۶		
	۸۳۷		
	۸۳۸		
	۸۳۹		
	۸۴۰		
	۸۴۱		
	۸۴۲		
	۸۴۳		
	۸۴۴		
	۸۴۵		
	۸۴۶		
	۸۴۷		
	۸۴۸		
	۸۴۹		
	۸۵۰		
	۸۵۱		
	۸۵۲		
	۸۵۳		
	۸۵۴		
	۸۵۵		
	۸۵۶		
	۸۵۷		
	۸۵۸		
	۸۵۹		
	۸۶۰		
	۸۶۱		
	۸۶۲		
	۸۶۳		
	۸۶۴		
	۸۶۵		
	۸۶۶		
	۸۶۷		
	۸۶۸		
	۸۶۹		
	۸۷۰		
	۸۷۱		
	۸۷۲		
	۸۷۳		
	۸۷۴		
	۸۷۵		
	۸۷۶		
	۸۷۷		
	۸۷۸		
	۸۷۹		
	۸۸۰		
	۸۸۱		
	۸۸۲		
	۸۸۳		
	۸۸۴		
	۸۸۵		
	۸۸۶		
	۸۸۷		
	۸۸۸		
	۸۸۹		
	۸۹۰		
	۸۹۱		
	۸۹۲		
	۸۹۳		
	۸۹۴		
	۸۹۵		
	۸۹۶		
	۸۹۷		
	۸۹۸		
	۸۹۹		
	۹۰۰		
	۹۰۱		
	۹۰۲		
	۹۰۳		
	۹۰۴		
	۹۰۵		
	۹۰۶		
	۹۰۷		
	۹۰۸		
	۹۰۹		
	۹۱۰		
	۹۱۱		
	۹۱۲		
	۹۱۳		
	۹۱۴		
	۹۱۵		
	۹۱۶		
	۹۱۷		
	۹۱۸		
	۹۱۹		
	۹۲۰		
	۹۲۱		
	۹۲۲		
	۹۲۳		
	۹۲۴		
	۹۲۵		
	۹۲۶		
	۹۲۷		
	۹۲۸		
	۹۲۹		
	۹۳۰		
	۹۳۱		
	۹۳۲		
	۹۳۳		
	۹۳۴		
	۹۳۵		
	۹۳۶		
	۹۳۷		
	۹۳۸		
	۹۳۹		
	۹۴۰		
	۹۴۱		
	۹۴۲		
	۹۴۳		
	۹۴۴		
	۹۴۵		
	۹۴۶		
	۹۴۷		
	۹۴۸		
	۹۴۹		
	۹۵۰		
	۹۵۱		
	۹۵۲		
	۹۵۳		
	۹۵۴		
	۹۵۵		
	۹۵۶		
	۹۵۷		
	۹۵۸		
	۹۵۹		
	۹۶۰		
	۹۶۱		
	۹۶۲		
	۹۶۳		
	۹۶۴		
	۹۶۵		
	۹۶۶		
	۹۶۷		
	۹۶۸		
	۹۶۹		
	۹۷۰		
	۹۷۱		
	۹۷۲		
	۹۷۳		
	۹۷۴		
	۹۷۵		
	۹۷۶		
	۹۷۷		
	۹۷۸		
	۹۷۹		
	۹۸۰		
	۹۸۱		
	۹۸۲		
	۹۸۳		
	۹۸۴		
	۹۸۵		
	۹۸۶		
	۹۸۷		
	۹۸۸		
	۹۸۹		
	۹۹۰		
	۹۹۱		
	۹۹۲		
	۹۹۳		
	۹۹۴		
	۹۹۵		
	۹۹۶		
	۹۹۷		
	۹۹۸		
	۹۹۹		
	۱۰۰۰		

درگذر اور انتظار	۱۷۶
فضائل سورۃ	۱۷۶
سورۃ الاحزاب (مکمل)	۱۷۹
درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۳)	۱۸۰
نام اور کوائف	۱۸۱
زمانہ نزول	۱۸۱
مضامین سورۃ	۱۸۱
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۱۸۲
شرف خاتم النبیینؐ	۱۸۳
خوبیٔ غلو	۱۸۴
مداہنت کی ممانعت	۱۸۴
چار اصولی دین	۱۸۶
اتباع وحی	۱۸۷
گمراہ کن لیڈر	۱۸۸
اسلاف کی قربانیاں	۱۸۹
توکل علی اللہ	۱۸۹
درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۵)	۱۹۱
ربط آیات	۱۹۲
ظہار کا مسئلہ	۱۹۳
منہ بولے بیٹے کا مسئلہ	۱۹۵
حضرت زیدؓ کا واقعہ	۱۹۵
متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ	۱۹۷
حقیقی باپ کی طرف نسبت	۱۹۸
درس سوم ۳ (آیت ۶)	۲۰۰
ربط آیات	۲۰۰
نبی اور مومن کا تعلق	۲۰۱
نبی بمنزلہ باپ	۲۰۲
نبی کو تصرف کا حق	۲۰۳
ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں	۲۰۴
قرابتداروں کا حق	۲۰۵
ساتھیوں کے ساتھ احسان	۲۰۶
درس چہارم ۴ (آیت ۷ تا ۸)	۲۰۸
ربط آیات	۲۰۸
میثاق انبیاء	۲۰۹
حضور علیہ السلام کی خصوصیت	۲۱۲
میثاق کی غایت	۲۱۳
درس پنجم ۵ (آیت ۹ تا ۱۲)	۲۱۵
ربط آیات	۲۱۶
جنگ احزاب	۲۱۷
انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ	۲۱۸
منافقوں کی بکواس	۲۲۰
درس ششم ۶ (آیت ۱۳ تا ۲۰)	۲۲۲
ربط آیات	۲۲۵
منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی	۲۲۶
منافقوں کے جھوٹے بہانے	۲۲۷
دشمن کی مدد	۲۲۷

حرمت سے فرار نہیں	۱۴۲	عورت کے لیے پردہ	۲۵۸
سیاحتی کی دگرگونی	۱۴۴	اہل بیت کی فضیلت	۲۵۹
جہنم کے غار	۲۳۱	ہزار اہل بیت	۲۶۰
درس ہفتم ۷ (آیت ۲۰ تا ۲۷)	۲۳۳	کتاب یکشف کی تعلیم	۲۶۸
ربط آیات	۲۳۵	درس دہم ۱۰ (آیت ۲۵)	۲۷۱
اسرار حج	۲۳۶	ربط آیات	۲۷۲
ابلیس و اطاعت میں اضطرار	۲۳۷	اصطفاء ۳ ارکان	۲۹۲
ابلیس کا علم	۲۳۸	اہل عباء مدار ارکان	۲۹۴
کفر کی ذہنیت	۲۴۰	اطاعت گزار مرد و زن	۲۹۳
بنی آدم کی سرکشی	۲۴۱	سچے مرد و زن	۲۹۲
فتح نامہ	۲۴۲	صابر مرد و زن	۲۹۵
درس ہشتم ۸ (آیت ۲۸ تا ۳۱)	۲۴۳	خاشع مرد و زن	۲۹۹
ربط آیات	۲۴۵	متصدق مرد و زن	۳۰۱
ارباب حضرت و مقام	۲۴۶	صائم مرد و زن	۳۰۲
ارباب بیت حق کے	۲۴۰	حافظین اعراض مرد و زن	۳۰۳
عدالت نبوت کی قیامت پر دلیل	۲۴۷	ذاکرین مرد و زن	۳۰۴
ارباب آفت میں سے انتخاب	۲۴۸	بخشش اور اجر عظیم	۳۰۶
حضرت عزا صاحب	۲۴۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۶ تا ۴۰)	۳۰۸
نبی کو ڈانٹ	۲۵۰	ربط آیات	۳۰۹
درس نہم ۹ (آیت ۳۲ تا ۳۴)	۲۵۲	حضرت زید و خلیفہ	۳۱۰
ربط آیات	۲۵۳	شان نزول	۳۱۲
حرمت عورتیں کے لیے جیل کی طرح	۲۵۳	ربط آیات ازواج رسول سے	۳۱۴
تبنیٰ حرمت	۲۵۴	زینب رضی اللہ عنہا سے مراسلت	۳۱۴

حضور علیہ السلام کے دل میں خلش	۲۷۵
زیدؓ سے طلاق اور حضورؐ سے نکاح	۲۷۶
درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳۸ تا ۴۰)	۲۷۸
ربط آیات	۲۷۹
نبی علیہ السلام کے لیے تسلی	۲۷۹
مردوں کے باپ ہونے کی نفی	۲۸۱
ختم نبوۃ کا مسئلہ	۲۸۱
جھوٹے مدعیانِ نبوت	۲۸۴
قادیانی فتنہ	۲۸۵
درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۲۸۷
ربط آیات	۲۸۷
ذکر الٰہی کی فضیلت	۲۸۸
تسبیح کی تاکید	۲۹۰
رحمتِ خداوندی کا نزول	۲۹۱
ظلمت سے نور کی طرف	۲۹۱
دعا بطور سلام	۲۹۲
درس چہاردہم ۱۴ (آیت ۴۵ تا ۴۸)	۲۹۳
ربط آیات	۲۹۴
حضور علیہ السلام بطور شاہد	۲۹۵
شاہد کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی	۲۹۵
اللہ کی وحدانیت کی گواہی	۲۹۶
تبلیغ دین کی گواہی	۲۹۷
اعمالِ امت کی گواہی	۲۹۷
صفائی کی گواہی	۲۹۸
نبی بطور مبشر و منذر	۲۹۹
داعی الی اللہ	۳۰۰
سراج منیر	۳۰۰
آپ علیہ السلام کا تذکرہ تورات میں	۳۰۱
شعیاؑ نبی کی شہادت	۳۰۲
اہلِ ایمان کے لیے بشارت	۳۰۴
مشن پر استقامت	۳۰۴
درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۹)	۳۰۶
ربطِ آیات	۳۰۶
عدت کے مسائل	۳۰۶
طلاق قبل از مساس	۳۰۷
دورانِ عدت کے احکام	۳۰۸
عائلی قوانین کی خرابیاں	۳۰۹
اچھے طریقے سے رخصتی	۳۱۰
انسانی ہمدردی کا اصول	۳۱۰
اسلام اور غیر مذاہب کا تقابلی جائزہ	۳۱۱
درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۰)	۳۱۳
ربطِ آیات	۳۱۳
تعددِ ازدواج کی اجازت	۳۱۴
کثرتِ ازواج پر اعتراض	۳۱۵
لونڈیوں کی حلت	۳۱۶
خاندانی و ماجر عورتوں سے نکاح	۳۱۷

جنازے کے ساتھ جانے کی ممانعت	۲۳۰
جنازہ کی سنت	۲۳۱
درس نمبر ۴۸ (آیت ۵۰ تا ۵۱)	۲۳۱
بقیہ آیات	۲۳۲
مرنے کے بعد اجر ملنے کی شرط	۲۳۲
مصیبت کے وقت جلدی	۲۳۳
مرنے والے کو نصیحت	۲۳۴
نیکی کی دعوت	۲۳۵
دعوت دینے کا طریقہ	۲۳۵
اسلام کی دعوت	۲۳۶
دعوت میں پہلے کیا ہے	۲۳۷
درس نمبر ۴۹ (آیت ۵۲ تا ۵۳)	۲۳۷
بقیہ آیات	۲۳۸
اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا	۲۳۸
ذکر کرنے والے	۲۳۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۳۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۱
درس نمبر ۵۰ (آیت ۵۴ تا ۵۹)	۲۴۱
بقیہ آیات	۲۴۲
بقیہ آیات	۲۴۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۳
درس نمبر ۵۱ (آیت ۶۰ تا ۶۱)	۲۴۴
بقیہ آیات	۲۴۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۷
درس نمبر ۵۲ (آیت ۶۲ تا ۶۳)	۲۴۷
بقیہ آیات	۲۴۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۴۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۰
درس نمبر ۵۳ (آیت ۶۴ تا ۶۵)	۲۵۰
بقیہ آیات	۲۵۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۳
درس نمبر ۵۴ (آیت ۶۶ تا ۶۷)	۲۵۳
بقیہ آیات	۲۵۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۶
درس نمبر ۵۵ (آیت ۶۸ تا ۶۹)	۲۵۶
بقیہ آیات	۲۵۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۵۹
درس نمبر ۵۶ (آیت ۷۰ تا ۷۱)	۲۵۹
بقیہ آیات	۲۶۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۲
درس نمبر ۵۷ (آیت ۷۲ تا ۷۳)	۲۶۲
بقیہ آیات	۲۶۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۵
درس نمبر ۵۸ (آیت ۷۴ تا ۷۵)	۲۶۵
بقیہ آیات	۲۶۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۸
درس نمبر ۵۹ (آیت ۷۶ تا ۷۷)	۲۶۸
بقیہ آیات	۲۶۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۶۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۱
درس نمبر ۶۰ (آیت ۷۸ تا ۷۹)	۲۷۱
بقیہ آیات	۲۷۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۴
درس نمبر ۶۱ (آیت ۸۰ تا ۸۱)	۲۷۴
بقیہ آیات	۲۷۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۷
درس نمبر ۶۲ (آیت ۸۲ تا ۸۳)	۲۷۷
بقیہ آیات	۲۷۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۷۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۰
درس نمبر ۶۳ (آیت ۸۴ تا ۸۵)	۲۸۰
بقیہ آیات	۲۸۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۳
درس نمبر ۶۴ (آیت ۸۶ تا ۸۷)	۲۸۳
بقیہ آیات	۲۸۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۶
درس نمبر ۶۵ (آیت ۸۸ تا ۸۹)	۲۸۶
بقیہ آیات	۲۸۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۸۹
درس نمبر ۶۶ (آیت ۹۰ تا ۹۱)	۲۸۹
بقیہ آیات	۲۹۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۲
درس نمبر ۶۷ (آیت ۹۲ تا ۹۳)	۲۹۲
بقیہ آیات	۲۹۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۵
درس نمبر ۶۸ (آیت ۹۴ تا ۹۵)	۲۹۵
بقیہ آیات	۲۹۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۸
درس نمبر ۶۹ (آیت ۹۶ تا ۹۷)	۲۹۸
بقیہ آیات	۲۹۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۲۹۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۱
درس نمبر ۷۰ (آیت ۹۸ تا ۹۹)	۳۰۱
بقیہ آیات	۳۰۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۴
درس نمبر ۷۱ (آیت ۱۰۰ تا ۱۰۱)	۳۰۴
بقیہ آیات	۳۰۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۷
درس نمبر ۷۲ (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳)	۳۰۷
بقیہ آیات	۳۰۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۰۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۰
درس نمبر ۷۳ (آیت ۱۰۴ تا ۱۰۵)	۳۱۰
بقیہ آیات	۳۱۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۳
درس نمبر ۷۴ (آیت ۱۰۶ تا ۱۰۷)	۳۱۳
بقیہ آیات	۳۱۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۶
درس نمبر ۷۵ (آیت ۱۰۸ تا ۱۰۹)	۳۱۶
بقیہ آیات	۳۱۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۱۹
درس نمبر ۷۶ (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱)	۳۱۹
بقیہ آیات	۳۲۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۲
درس نمبر ۷۷ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۳)	۳۲۲
بقیہ آیات	۳۲۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۵
درس نمبر ۷۸ (آیت ۱۱۴ تا ۱۱۵)	۳۲۵
بقیہ آیات	۳۲۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۸
درس نمبر ۷۹ (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)	۳۲۸
بقیہ آیات	۳۲۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۲۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۱
درس نمبر ۸۰ (آیت ۱۱۸ تا ۱۱۹)	۳۳۱
بقیہ آیات	۳۳۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۴
درس نمبر ۸۱ (آیت ۱۲۰ تا ۱۲۱)	۳۳۴
بقیہ آیات	۳۳۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۷
درس نمبر ۸۲ (آیت ۱۲۲ تا ۱۲۳)	۳۳۷
بقیہ آیات	۳۳۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۳۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۰
درس نمبر ۸۳ (آیت ۱۲۴ تا ۱۲۵)	۳۴۰
بقیہ آیات	۳۴۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۳
درس نمبر ۸۴ (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۷)	۳۴۳
بقیہ آیات	۳۴۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۶
درس نمبر ۸۵ (آیت ۱۲۸ تا ۱۲۹)	۳۴۶
بقیہ آیات	۳۴۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۴۹
درس نمبر ۸۶ (آیت ۱۳۰ تا ۱۳۱)	۳۴۹
بقیہ آیات	۳۵۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۲
درس نمبر ۸۷ (آیت ۱۳۲ تا ۱۳۳)	۳۵۲
بقیہ آیات	۳۵۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۵
درس نمبر ۸۸ (آیت ۱۳۴ تا ۱۳۵)	۳۵۵
بقیہ آیات	۳۵۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۸
درس نمبر ۸۹ (آیت ۱۳۶ تا ۱۳۷)	۳۵۸
بقیہ آیات	۳۵۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۵۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۱
درس نمبر ۹۰ (آیت ۱۳۸ تا ۱۳۹)	۳۶۱
بقیہ آیات	۳۶۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۴
درس نمبر ۹۱ (آیت ۱۴۰ تا ۱۴۱)	۳۶۴
بقیہ آیات	۳۶۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۷
درس نمبر ۹۲ (آیت ۱۴۲ تا ۱۴۳)	۳۶۷
بقیہ آیات	۳۶۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۶۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۰
درس نمبر ۹۳ (آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵)	۳۷۰
بقیہ آیات	۳۷۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۳
درس نمبر ۹۴ (آیت ۱۴۶ تا ۱۴۷)	۳۷۳
بقیہ آیات	۳۷۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۶
درس نمبر ۹۵ (آیت ۱۴۸ تا ۱۴۹)	۳۷۶
بقیہ آیات	۳۷۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۷۹
درس نمبر ۹۶ (آیت ۱۵۰ تا ۱۵۱)	۳۷۹
بقیہ آیات	۳۸۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۲
درس نمبر ۹۷ (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳)	۳۸۲
بقیہ آیات	۳۸۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۵
درس نمبر ۹۸ (آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵)	۳۸۵
بقیہ آیات	۳۸۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۸
درس نمبر ۹۹ (آیت ۱۵۶ تا ۱۵۷)	۳۸۸
بقیہ آیات	۳۸۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۸۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۱
درس نمبر ۱۰۰ (آیت ۱۵۸ تا ۱۵۹)	۳۹۱
بقیہ آیات	۳۹۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۴
درس نمبر ۱۰۱ (آیت ۱۶۰ تا ۱۶۱)	۳۹۴
بقیہ آیات	۳۹۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۷
درس نمبر ۱۰۲ (آیت ۱۶۲ تا ۱۶۳)	۳۹۷
بقیہ آیات	۳۹۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۳۹۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۰
درس نمبر ۱۰۳ (آیت ۱۶۴ تا ۱۶۵)	۴۰۰
بقیہ آیات	۴۰۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۳
درس نمبر ۱۰۴ (آیت ۱۶۶ تا ۱۶۷)	۴۰۳
بقیہ آیات	۴۰۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۶
درس نمبر ۱۰۵ (آیت ۱۶۸ تا ۱۶۹)	۴۰۶
بقیہ آیات	۴۰۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۰۹
درس نمبر ۱۰۶ (آیت ۱۷۰ تا ۱۷۱)	۴۰۹
بقیہ آیات	۴۱۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۲
درس نمبر ۱۰۷ (آیت ۱۷۲ تا ۱۷۳)	۴۱۲
بقیہ آیات	۴۱۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۵
درس نمبر ۱۰۸ (آیت ۱۷۴ تا ۱۷۵)	۴۱۵
بقیہ آیات	۴۱۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۸
درس نمبر ۱۰۹ (آیت ۱۷۶ تا ۱۷۷)	۴۱۸
بقیہ آیات	۴۱۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۱۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۱
درس نمبر ۱۱۰ (آیت ۱۷۸ تا ۱۷۹)	۴۲۱
بقیہ آیات	۴۲۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۴
درس نمبر ۱۱۱ (آیت ۱۸۰ تا ۱۸۱)	۴۲۴
بقیہ آیات	۴۲۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۷
درس نمبر ۱۱۲ (آیت ۱۸۲ تا ۱۸۳)	۴۲۷
بقیہ آیات	۴۲۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۲۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۰
درس نمبر ۱۱۳ (آیت ۱۸۴ تا ۱۸۵)	۴۳۰
بقیہ آیات	۴۳۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۳
درس نمبر ۱۱۴ (آیت ۱۸۶ تا ۱۸۷)	۴۳۳
بقیہ آیات	۴۳۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۶
درس نمبر ۱۱۵ (آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹)	۴۳۶
بقیہ آیات	۴۳۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۳۹
درس نمبر ۱۱۶ (آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱)	۴۳۹
بقیہ آیات	۴۴۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۲
درس نمبر ۱۱۷ (آیت ۱۹۲ تا ۱۹۳)	۴۴۲
بقیہ آیات	۴۴۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۵
درس نمبر ۱۱۸ (آیت ۱۹۴ تا ۱۹۵)	۴۴۵
بقیہ آیات	۴۴۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۸
درس نمبر ۱۱۹ (آیت ۱۹۶ تا ۱۹۷)	۴۴۸
بقیہ آیات	۴۴۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۴۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۱
درس نمبر ۱۲۰ (آیت ۱۹۸ تا ۱۹۹)	۴۵۱
بقیہ آیات	۴۵۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۴
درس نمبر ۱۲۱ (آیت ۲۰۰ تا ۲۰۱)	۴۵۴
بقیہ آیات	۴۵۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۷
درس نمبر ۱۲۲ (آیت ۲۰۲ تا ۲۰۳)	۴۵۷
بقیہ آیات	۴۵۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۵۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۰
درس نمبر ۱۲۳ (آیت ۲۰۴ تا ۲۰۵)	۴۶۰
بقیہ آیات	۴۶۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۳
درس نمبر ۱۲۴ (آیت ۲۰۶ تا ۲۰۷)	۴۶۳
بقیہ آیات	۴۶۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۶
درس نمبر ۱۲۵ (آیت ۲۰۸ تا ۲۰۹)	۴۶۶
بقیہ آیات	۴۶۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۶۹
درس نمبر ۱۲۶ (آیت ۲۱۰ تا ۲۱۱)	۴۶۹
بقیہ آیات	۴۷۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۲
درس نمبر ۱۲۷ (آیت ۲۱۲ تا ۲۱۳)	۴۷۲
بقیہ آیات	۴۷۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۵
درس نمبر ۱۲۸ (آیت ۲۱۴ تا ۲۱۵)	۴۷۵
بقیہ آیات	۴۷۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۸
درس نمبر ۱۲۹ (آیت ۲۱۶ تا ۲۱۷)	۴۷۸
بقیہ آیات	۴۷۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۷۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۱
درس نمبر ۱۳۰ (آیت ۲۱۸ تا ۲۱۹)	۴۸۱
بقیہ آیات	۴۸۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۴
درس نمبر ۱۳۱ (آیت ۲۲۰ تا ۲۲۱)	۴۸۴
بقیہ آیات	۴۸۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۷
درس نمبر ۱۳۲ (آیت ۲۲۲ تا ۲۲۳)	۴۸۷
بقیہ آیات	۴۸۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۸۹
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۰
درس نمبر ۱۳۳ (آیت ۲۲۴ تا ۲۲۵)	۴۹۰
بقیہ آیات	۴۹۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۲
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۳
درس نمبر ۱۳۴ (آیت ۲۲۶ تا ۲۲۷)	۴۹۳
بقیہ آیات	۴۹۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۵
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۶
درس نمبر ۱۳۵ (آیت ۲۲۸ تا ۲۲۹)	۴۹۶
بقیہ آیات	۴۹۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۸
ذکر کرنے والے کی مثال	۴۹۹
درس نمبر ۱۳۶ (آیت ۲۳۰ تا ۲۳۱)	۴۹۹
بقیہ آیات	۵۰۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۰
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۱
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۲
درس نمبر ۱۳۷ (آیت ۲۳۲ تا ۲۳۳)	۵۰۲
بقیہ آیات	۵۰۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۳
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۴
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۵
درس نمبر ۱۳۸ (آیت ۲۳۴ تا ۲۳۵)	۵۰۵
بقیہ آیات	۵۰۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۶
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۷
ذکر کرنے والے کی مثال	۵۰۷
ذکر کرنے والے کی مثال

وقوعِ قیامت کا علم	۳۶۹
کفار پر لعنت	۳۷۲
افسوس کا اظہار	۳۷۳
پیشواؤں کے خلاف شکایت	۳۷۳
درس نہم پارہ ۲۴ (آیت ۶۴ تا ۷۵)	۳۷۵
ربطِ آیات	۳۷۵
موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی	۳۷۶
جادو سے گریز	۳۷۷
جسمانی عیب کا شاخسانہ	۳۷۸
بدکاری کا الزام	۳۷۸
اہلِ ایمان کو تلقین	۳۷۹
قولِ سدید کی ترغیب	۳۸۰
سچائی کا فائدہ	۳۸۰
اطاعت کا اصول	۳۸۱
درس نہم پارہ ۲۵ (آیت ۷۱ تا ۷۳)	۳۸۲
ربطِ آیات	۳۸۲
انسان کا حملِ امانت	۳۸۳
عرض اور ابیٰ کا مفہوم	۳۸۴
حملِ امانت کی علت	۳۸۵
عہدِ تکلیف	۳۸۵
مفید بعد الرد کی ترجیح	۳۸۶
مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ	۳۸۷
امانت بصورت امر و نواہی	۳۸۷
شاہ عبد القادرؒ کی تفسیر	۳۸۸
مولانا عثمانیؒ کی تشریح	۳۸۹
سزا اور جزاء	۳۹۱
سورۃ سبا (مکی)	۳۹۳
درس اول (آیت ۱ تا ۶)	۳۹۴
نام اور کوائف	۳۹۶
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۹۶
مضامین سورۃ	۳۹۷
حمد باری تعالیٰ	۳۹۷
خدا تعالیٰ کا علمِ محیط	۳۹۹
وقوعِ قیامت	۴۰۰
جزائے عمل کی منزل	۴۰۱
قرآن کی حقانیت	۴۰۳
درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۹)	۴۰۴
ربطِ آیات	۴۰۵
بعث بعد الموت	۴۰۵
کفار کا انکار	۴۰۷
دیوانگی کا اتہام	۴۰۷
توحید کے دو رجحان	۴۰۸
مشرک کے لیے سزا	۴۰۹
درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۱)	۴۱۱
ربطِ آیات	۴۱۱
داؤد علیہ السلام کے فضائل	۴۱۲

روزی بذریعہ آسمان وزمین	۴۶۳	درس دوازدہم ۱۲ آیت ۴۰ تا ۴۵،	۴۸۸
رزق بدست خدا	۴۶۴	ربط آیات	۴۸۹
دلیلِ توحید	۴۶۵	فرشتوں کی عبادت	۴۹۰
ذمہ داری اپنی اپنی	۴۶۶	جنات کی پرستش	۴۹۲
شرک کی تردید	۴۶۷	ظالموں کے لیے عذاب	۴۹۳
عالمی نبی	۴۶۸	رسالت کا انکار	۴۹۳
وقوع قیامت	۴۶۹	عربوں کی ذہنی	۴۹۴
درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۳)	۴۷۰	سابقہ اقوام کا حشر	۴۹۵
ربطِ آیات	۴۷۱	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۶ تا ۵۴،	۴۹۷
قرآن پاک کی حقانیت	۴۷۲	ربط آیات	۴۹۹
تابع اور متبوع کی کشمکش	۴۷۳	غور وفکر کی دعوت	۴۹۹
عیسائیت کا جال	۴۷۵	ذاتی مفاد کی نفی	۵۰۱
شرک کا وبال	۴۷۷	حق وباطل کی کشمکش	۵۰۲
قبر پرستی	۴۷۸	آخرت میں لازمی گرفت	۵۰۳
درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۴ تا ۲۹)	۴۷۹	سورۃ فاطر (مکمل)	۵۰۷
ربطِ آیات۔	۴۸۰	درس اوّل ۱ (آیت ۱)	۵۰۸
مترفین کا انکارِ رسالت	۴۸۱	نام اور کوائف	۵۰۸
مال واولاد پر فخر	۴۸۱	مضامین سورۃ	۵۰۹
شانِ نزول	۴۸۲	فاطر یا بدیع	۵۱۰
رزق کی کشادگی اور تنگی	۴۸۳	چار صفاتِ خداوندی	۵۱۱
خوشحالی ذریعہ قرب نہیں	۴۸۵	فرشتوں کی تخلیق	۵۱۴
مجرمین کے لیے سزا	۴۸۶	فرشتوں کی صلاحیت	۵۱۴
انفاق فی سبیل اللہ	۴۸۶	تخلیق میں اضافہ	۵۱۶

۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

نفع بخش تجارت	۵۷۷
قرآن کی حقانیت	۵۷۸
درس ششم ۶ (آیت ۳۲ تا ۳۷)	۵۷۹
ربطِ آیات	۵۸۱
دعائے کتاب	۵۸۱
اہلِ جنت کے لیے انعامات	۵۸۲
اہلِ جہنم کے لیے سزا	۵۸۳
عمر کا استعمال	۵۸۵
منذرین کی آمد	۵۸۶
درس دہم ۱۰ (آیت ۳۸ تا ۴۱)	۵۸۹
ربطِ آیات	۵۹۰
عالم الغیب ذات	۵۹۱
خلافتِ ارضی	۵۹۱
ناشکر گزاری کا انجام	۵۹۳
شرک کی تردید	۵۹۴
شفاعت کا غلط تصور	۵۹۶
نظامِ کائنات کا استحکام	۵۹۷
درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۲ تا ۴۵)	۵۹۹
ربطِ آیات	۶۰۰
مشرکینِ مکہ کا عذر لنگ	۶۰۱
مشرکین کی بُری تدبیر	۶۰۲
تین لازمی وقوعات	۶۰۳
سابقہ لوگوں کے نقشِ قدم پر	۶۰۴
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت	۶۰۵
سورۃ یٰسٓ (مکمل)	۶۰۷
درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۷)	۶۰۸
نام اور کوائف	۶۰۹
مضامین سورۃ	۶۰۹
فضائل سورۃ	۶۱۰
حروفِ مقطعات	۶۱۱
قرآن پاک کی حقانیت	۶۱۳
تصدیقِ رسالت	۶۱۳
مقصدِ نزولِ قرآن	۶۱۵
درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۲)	۶۱۷
ربطِ آیات	۶۱۸
گلے کے طوق	۶۱۸
آگے پیچھے دیواریں	۶۱۹
شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	۶۱۹
ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۲۰
صراطِ مستقیم کی تلاش	۶۲۲
جزائے عمل کی منزل	۶۲۳
آثار کی توضیح	۶۲۳
درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۹)	۶۲۶
ربطِ آیات	۶۲۷
بستی میں مرسلین کی آمد	۶۲۷
اہلِ بستی کی طرف سے تکذیب	۶۳۱

۱۲۰			
۱۲۱			
۱۲۲			
۱۲۳			
۱۲۴			
۱۲۵			
۱۲۶			
۱۲۷			
۱۲۸			
۱۲۹			
۱۳۰			
۱۳۱			
۱۳۲			
۱۳۳			
۱۳۴			
۱۳۵			
۱۳۶			
۱۳۷			
۱۳۸			
۱۳۹			
۱۴۰			
۱۴۱			
۱۴۲			
۱۴۳			
۱۴۴			
۱۴۵			
۱۴۶			
۱۴۷			
۱۴۸			
۱۴۹			
۱۵۰			
۱۵۱			
۱۵۲			
۱۵۳			
۱۵۴			
۱۵۵			
۱۵۶			
۱۵۷			
۱۵۸			
۱۵۹			
۱۶۰			
۱۶۱			
۱۶۲			
۱۶۳			
۱۶۴			
۱۶۵			
۱۶۶			
۱۶۷			
۱۶۸			
۱۶۹			
۱۷۰			
۱۷۱			
۱۷۲			
۱۷۳			
۱۷۴			
۱۷۵			
۱۷۶			
۱۷۷			
۱۷۸			
۱۷۹			
۱۸۰			
۱۸۱			
۱۸۲			
۱۸۳			
۱۸۴			
۱۸۵			
۱۸۶			
۱۸۷			
۱۸۸			
۱۸۹			
۱۹۰			
۱۹۱			
۱۹۲			
۱۹۳			
۱۹۴			
۱۹۵			
۱۹۶			
۱۹۷			
۱۹۸			
۱۹۹			
۲۰۰			
۲۰۱			
۲۰۲			
۲۰۳			
۲۰۴			
۲۰۵			
۲۰۶			
۲۰۷			
۲۰۸			
۲۰۹			
۲۱۰			
۲۱۱			
۲۱۲			
۲۱۳			
۲۱۴			
۲۱۵			
۲۱۶			
۲۱۷			
۲۱۸			
۲۱۹			
۲۲۰			
۲۲۱			
۲۲۲			
۲۲۳			
۲۲۴			
۲۲۵			
۲۲۶			
۲۲۷			
۲۲۸			
۲۲۹			
۲۳۰			
۲۳۱			
۲۳۲			
۲۳۳			
۲۳۴			
۲۳۵			
۲۳۶			
۲۳۷			
۲۳۸			
۲۳۹			
۲۴۰			
۲۴۱			
۲۴۲			
۲۴۳			
۲۴۴			
۲۴۵			
۲۴۶			
۲۴۷			
۲۴۸			
۲۴۹			
۲۵۰			
۲۵۱			
۲۵۲			
۲۵۳			
۲۵۴			
۲۵۵			
۲۵۶			
۲۵۷			
۲۵۸			
۲۵۹			
۲۶۰			
۲۶۱			
۲۶۲			
۲۶۳			
۲۶۴			
۲۶۵			
۲۶۶			
۲۶۷			
۲۶۸			
۲۶۹			
۲۷۰			
۲۷۱			
۲۷۲			
۲۷۳			
۲۷۴			
۲۷۵			
۲۷۶			
۲۷۷			
۲۷۸			
۲۷۹			
۲۸۰			
۲۸۱			
۲۸۲			
۲۸۳			
۲۸۴			
۲۸۵			
۲۸۶			
۲۸۷			
۲۸۸			
۲۸۹			
۲۹۰			
۲۹۱			
۲۹۲			
۲۹۳			
۲۹۴			
۲۹۵			
۲۹۶			
۲۹۷			
۲۹۸			
۲۹۹			
۳۰۰			
۳۰۱			
۳۰۲			
۳۰۳			
۳۰۴			
۳۰۵			
۳۰۶			
۳۰۷			
۳۰۸			
۳۰۹			
۳۱۰			
۳۱۱			
۳۱۲			
۳۱۳			
۳۱۴			
۳۱۵			
۳۱۶			
۳۱۷			
۳۱۸			
۳۱۹			
۳۲۰			
۳۲۱			
۳۲۲			
۳۲۳			
۳۲۴			
۳۲۵			
۳۲۶			
۳۲۷			
۳۲۸			
۳۲۹			
۳۳۰			
۳۳۱			
۳۳۲			
۳۳۳			
۳۳۴			
۳۳۵			
۳۳۶			
۳۳۷			
۳۳۸			
۳۳۹			
۳۴۰			
۳۴۱			
۳۴۲			
۳۴۳			
۳۴۴			
۳۴۵			
۳۴۶			
۳۴۷			
۳۴۸			
۳۴۹			
۳۵۰			
۳۵۱			
۳۵۲			
۳۵۳			
۳۵۴			
۳۵۵			
۳۵۶			
۳۵۷			
۳۵۸			
۳۵۹			
۳۶۰			
۳۶۱			
۳۶۲			
۳۶۳			
۳۶۴			
۳۶۵			
۳۶۶			
۳۶۷			
۳۶۸			
۳۶۹			
۳۷۰			
۳۷۱			
۳۷۲			
۳۷۳			
۳۷۴			
۳۷۵			
۳۷۶			
۳۷۷			
۳۷۸			
۳۷۹			
۳۸۰			
۳۸۱			
۳۸۲			
۳۸۳			
۳۸۴			
۳۸۵			
۳۸۶			
۳۸۷			
۳۸۸			
۳۸۹			
۳۹۰			
۳۹۱			
۳۹۲			
۳۹۳			
۳۹۴			
۳۹۵			
۳۹۶			
۳۹۷			
۳۹۸			
۳۹۹			
۴۰۰			
۴۰۱			
۴۰۲			
۴۰۳			
۴۰۴			
۴۰۵			
۴۰۶			
۴۰۷			
۴۰۸			
۴۰۹			
۴۱۰			
۴۱۱			
۴۱۲			
۴۱۳			
۴۱۴			
۴۱۵			
۴۱۶			
۴۱۷			
۴۱۸			
۴۱۹			
۴۲۰			
۴۲۱			
۴۲۲			
۴۲۳			
۴۲۴			
۴۲۵			
۴۲۶			
۴۲۷			
۴۲۸			
۴۲۹			
۴۳۰			
۴۳۱			
۴۳۲			
۴۳۳			
۴۳۴			
۴۳۵			
۴۳۶			
۴۳۷			
۴۳۸			
۴۳۹			
۴۴۰			
۴۴۱			
۴۴۲			
۴۴۳			
۴۴۴			
۴۴۵			
۴۴۶			
۴۴۷			
۴۴۸			
۴۴۹			
۴۵۰			
۴۵۱			
۴۵۲			
۴۵۳			
۴۵۴			
۴۵۵			
۴۵۶			
۴۵۷			
۴۵۸			
۴۵۹			
۴۶۰			
۴۶۱			
۴۶۲			
۴۶۳			
۴۶۴			
۴۶۵			
۴۶۶			
۴۶۷			
۴۶۸			
۴۶۹			
۴۷۰			
۴۷۱			
۴۷۲			
۴۷۳			
۴۷۴			
۴۷۵			
۴۷۶			
۴۷۷			
۴۷۸			
۴۷۹			
۴۸۰			
۴۸۱			
۴۸۲			
۴۸۳			
۴۸۴			
۴۸۵			
۴۸۶			
۴۸۷			
۴۸۸			
۴۸۹			
۴۹۰			
۴۹۱			
۴۹۲			
۴۹۳			
۴۹۴			
۴۹۵			
۴۹۶			
۴۹۷			
۴۹۸			
۴۹۹			
۵۰۰			
۵۰۱			
۵۰۲			
۵۰۳			
۵۰۴			
۵۰۵			
۵۰۶			
۵۰۷			
۵۰۸			
۵۰۹			
۵۱۰			
۵۱۱			
۵۱۲			
۵۱۳			
۵۱۴			
۵۱۵			
۵۱۶			
۵۱۷			
۵۱۸			
۵۱۹			
۵۲۰			
۵۲۱			
۵۲۲			
۵۲۳			
۵۲۴			
۵۲۵			
۵۲۶			
۵۲۷			
۵۲۸			
۵۲۹			
۵۳۰			
۵۳۱			
۵۳۲			
۵۳۳			
۵۳۴			
۵۳۵			
۵۳۶			
۵۳۷			
۵۳۸			
۵۳۹			
۵۴۰			
۵۴۱			
۵۴۲			
۵۴۳			
۵۴۴			
۵۴۵			
۵۴۶			
۵۴۷			
۵۴۸			
۵۴۹			
۵۵۰			
۵۵۱			
۵۵۲			
۵۵۳			
۵۵۴			
۵۵۵			
۵۵۶			
۵۵۷			
۵۵۸			
۵۵۹			
۵۶۰			
۵۶۱			
۵۶۲			
۵۶۳			
۵۶۴			
۵۶۵			
۵۶۶			
۵۶۷			
۵۶۸			
۵۶۹			
۵۷۰			
۵۷۱			
۵۷۲			
۵۷۳			
۵۷۴			
۵۷۵			
۵۷۶			
۵۷۷			
۵۷۸			
۵۷۹			
۵۸۰			
۵۸۱			
۵۸۲			
۵۸۳			
۵۸۴			
۵۸۵			
۵۸۶			
۵۸۷			
۵۸۸			
۵۸۹			
۵۹۰			
۵۹۱			
۵۹۲			
۵۹۳			
۵۹۴			
۵۹۵			
۵۹۶			
۵۹۷			
۵۹۸			
۵۹۹			
۶۰۰			
۶۰۱			
۶۰۲			
۶۰۳			
۶۰۴			
۶۰۵			
۶۰۶			
۶۰۷			
۶۰۸			
۶۰۹			
۶۱۰			
۶۱۱			
۶۱۲			
۶۱۳			
۶۱۴			
۶۱۵			
۶۱۶			
۶۱۷			
۶۱۸			
۶۱۹			
۶۲۰			
۶۲۱			
۶۲۲			
۶۲۳			
۶۲۴			
۶۲۵			
۶۲۶			
۶۲۷			
۶۲۸			
۶۲۹			
۶۳۰			
۶۳۱			
۶۳۲			
۶۳۳			
۶۳۴			
۶۳۵			
۶۳۶			
۶۳۷			
۶۳۸			
۶۳۹			
۶۴۰			
۶۴۱			
۶۴۲			
۶۴۳			
۶۴۴			
۶۴۵			
۶۴۶			
۶۴۷			
۶۴۸			
۶۴۹			
۶۵۰			
۶۵۱			
۶۵۲			
۶۵۳			
۶۵۴			
۶۵۵			
۶۵۶			
۶۵۷			
۶۵۸			
۶۵۹			
۶۶۰			
۶۶۱			
۶۶۲			
۶۶۳			
۶۶۴			
۶۶۵			
۶۶۶			
۶۶۷			
۶۶۸			
۶۶۹			
۶۷۰			
۶۷۱			
۶۷۲			
۶۷۳			
۶۷۴			
۶۷۵			
۶۷۶			
۶۷۷			
۶۷۸			
۶۷۹			
۶۸۰			
۶۸۱			
۶۸۲			
۶۸۳			
۶۸۴			
۶۸۵			
۶۸۶			
۶۸۷			
۶۸۸			
۶۸۹			
۶۹۰			
۶۹۱			
۶۹۲			
۶۹۳			
۶۹۴			
۶۹۵			
۶۹۶			
۶۹۷			
۶۹۸			
۶۹۹			
۷۰۰			
۷۰۱			
۷۰۲			
۷۰۳			
۷۰۴			
۷۰۵			
۷۰۶			
۷۰۷			
۷۰۸			
۷۰۹			
۷۱۰			
۷۱۱			
۷۱۲			
۷۱۳			
۷۱۴			
۷۱۵			
۷۱۶			
۷۱۷			
۷۱۸			
۷۱۹			
۷۲۰			
۷۲۱			
۷۲۲			
۷۲۳			
۷۲۴			
۷۲۵			
۷۲۶			
۷۲۷			
۷۲۸			
۷۲۹			
۷۳۰			
۷۳۱			
۷۳۲			
۷۳۳			
۷۳۴			
۷۳۵			
۷۳۶			
۷۳۷			
۷۳۸			
۷۳۹			
۷۴۰			
۷۴۱			
۷۴۲			
۷۴۳			
۷۴۴			
۷۴۵			
۷۴۶			
۷۴۷			
۷۴۸			
۷۴۹			
۷۵۰			
۷۵۱			
۷۵۲			
۷۵۳			
۷۵۴			
۷۵۵			
۷۵۶			
۷۵۷			
۷۵۸			
۷۵۹			
۷۶۰			
۷۶۱			
۷۶۲			
۷۶۳			
۷۶۴			
۷۶۵			
۷۶۶			
۷۶۷			
۷۶۸			
۷۶۹			
۷۷۰			
۷۷۱			
۷۷۲			
۷۷۳			
۷۷۴			
۷۷۵			
۷۷۶			
۷۷۷			
۷۷۸			
۷۷۹			
۷۸۰			
۷۸۱			
۷۸۲			
۷۸۳			
۷۸۴			
۷۸۵			
۷۸۶			
۷۸۷			
۷۸۸			
۷۸۹			
۷۹۰			
۷۹۱			
۷۹۲			
۷۹۳			
۷۹۴			
۷۹۵			
۷۹۶			
۷۹۷			
۷۹۸			
۷۹۹			
۸۰۰			
۸۰۱			
۸۰۲			
۸۰۳			
۸۰۴			
۸۰۵			
۸۰۶			
۸۰۷			
۸۰۸			
۸۰۹			
۸۱۰			
۸۱۱			
۸۱۲			
۸۱۳			
۸۱۴			
۸۱۵			
۸۱۶			
۸۱۷			
۸۱۸			
۸۱۹			
۸۲۰			
۸۲۱			
۸۲۲			
۸۲۳			
۸۲۴			
۸۲۵			
۸۲۶			
۸۲۷			
۸۲۸			
۸۲۹			
۸۳۰			
۸۳۱			
۸۳۲			
۸۳۳			
۸۳۴			
۸۳۵			
۸۳۶			
۸۳۷			
۸۳۸			
۸۳۹			
۸۴۰			
۸۴۱			
۸۴۲			
۸۴۳			
۸۴۴			
۸۴۵			
۸۴۶			
۸۴۷			
۸۴۸			
۸۴۹			
۸۵۰			
۸۵۱			
۸۵۲			
۸۵۳			
۸۵۴			
۸۵۵			
۸۵۶			
۸۵۷			
۸۵۸			
۸۵۹			
۸۶۰			
۸۶۱			
۸۶۲			
۸۶۳			
۸۶۴			
۸۶۵			
۸۶۶			
۸۶۷			
۸۶۸			
۸۶۹			
۸۷۰			
۸۷۱			
۸۷۲			
۸۷۳			
۸۷۴			
۸۷۵			
۸۷۶			
۸۷۷			
۸۷۸			
۸۷۹			
۸۸۰			
۸۸۱			
۸۸۲			
۸۸۳			
۸۸۴			
۸۸۵			
۸۸۶			
۸۸۷			
۸۸۸			
۸۸۹			
۸۹۰			
۸۹۱			
۸۹۲			
۸۹۳			
۸۹۴			
۸۹۵			
۸۹۶			
۸۹۷			
۸۹۸			
۸۹۹			
۹۰۰			
۹۰۱			
۹۰۲			
۹۰۳			
۹۰۴			
۹۰۵			
۹۰۶			
۹۰۷			
۹۰۸			
۹۰۹			
۹۱۰			
۹۱۱			
۹۱۲			
۹۱۳			
۹۱۴			
۹۱۵			
۹۱۶			
۹۱۷			
۹۱۸			
۹۱۹			
۹۲۰			
۹۲۱			
۹۲۲			
۹۲۳			
۹۲۴			
۹۲۵			
۹۲۶			
۹۲۷			
۹۲۸			
۹۲۹			
۹۳۰			
۹۳۱			
۹۳۲			
۹۳۳			
۹۳۴			
۹۳۵			
۹۳۶			
۹۳۷			
۹۳۸			
۹۳۹			
۹۴۰			
۹۴۱			
۹۴۲			
۹۴۳			
۹۴۴			
۹۴۵			
۹۴۶			
۹۴۷			
۹۴۸			
۹۴۹			
۹۵۰			
۹۵۱			
۹۵۲			
۹۵۳			
۹۵۴			
۹۵۵			
۹۵۶			
۹۵۷			
۹۵۸			
۹۵۹			
۹۶۰			
۹۶۱			
۹۶۲			
۹۶۳			
۹۶۴			
۹۶۵			
۹۶۶			
۹۶۷			
۹۶۸			
۹۶۹			
۹۷۰			
۹۷۱			
۹۷۲			
۹۷۳			
۹۷۴			
۹۷۵			
۹۷۶			
۹۷۷			
۹۷۸			
۹۷۹			
۹۸۰			
۹۸۱			
۹۸۲			
۹۸۳			
۹۸۴			
۹۸۵			
۹۸۶			
۹۸۷			
۹۸۸			
۹۸۹			
۹۹۰			
۹۹۱			
۹۹۲			
۹۹۳			
۹۹۴			
۹۹۵			
۹۹۶			
۹۹۷			
۹۹۸			
۹۹۹			
۱۰۰۰			

شعر گوئی میں استثنا	۶۸۱
قرآن بمقابلہ اشعار	۶۸۳
موحد شعراء کی پیدائش	۶۸۴
مومن بطور تعارف	۶۸۶
شرک کی تردید	۶۸۷
تسلی کا مضمون	۶۸۷
درس دہم ۱۰ (آیت ۷۷ تا ۸۳)	۶۸۹
ربط آیات	۶۹۰
انسان کی پیدائش	۶۹۱
دوبارہ زندگی پر جھگڑا	۶۹۱
درختوں سے آگ کی مثال	۶۹۲
آسمان و زمین کی مثال	۶۹۴
اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ	۶۹۵
سورۃ الصّٰفّٰت (مکی)	۶۹۷
درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۱۰)	۶۹۸
نام اور کوائف	۶۹۹
مضامین سورۃ	۶۹۹
فرشتوں کی صف بندی	۷۰۰
صف بندی کی اہمیت	۷۰۰
ذکر کی ضرورت	۷۰۱
ذکر الٰہی	۷۰۲
وحدانیت کی گواہی	۷۰۳
رب المشارق	۷۰۴
آسمانِ دنیا کی زینت	۷۰۵
درس دوم ۲ (آیت ۱۱ تا ۳۵)	۷۰۸
ربط آیات	۷۰۹
تعمیل انذار بطور دلیل	۷۱۰
منکرین کی عجب ادا	۷۱۱
دوزخ کی طرف روانگی	۷۱۲
اتباع اور متبوع کا مکالمہ	۷۱۳
عذاب میں اشتراک	۷۱۵
درس سوم ۳ (آیت ۳۶ تا ۶۱)	۷۱۶
ربط آیات	۷۱۸
شرک پر اصرار	۷۱۸
شرک کا وبال	۷۱۹
مخلصین کے لیے انعامات	۷۲۰
خوب سیرت و خوبصورت حوریں	۷۲۱
جنتی اور دوزخی کی ملاقات	۷۲۳
جنت بڑی کامیابی	۷۲۵
درس چہارم ۴ (آیت ۶۲ تا ۷۴)	۷۲۷
ربط آیات	۷۲۸
تقدیر کا درخت	۷۲۹
دوزخیوں کی خوراک	۷۳۱
اندھی تقلید	۷۳۲
منذرین کی آمد	۷۳۴
درس پنجم ۵ (آیت ۷۵ تا ۹۸)	۷۳۵

	۴۳۷		۴۸۵
	۴۳۸		
	۴۳۹		۴۹۸
	۴۰		۵۰۰
	۴۴۰		۵۰۱
	۴۴۳		۵۱۲
	۴۴۵		۵۱
	۴۴۶		۵۲
	۴۴۸		۵۳
	۴۵۰		۵۴
	۴۵۱		۵۵۸
	۴۵۲		۵۵۹
	۴۵۳		۵۶۰
	۴۵۴		۵۶۳
	۴۵۵		۵۶۴
	۴۵۶		۵۶۸
	۴۵۷		۵۷۰
	۴۵۸		۵۷۳
	۴۵۹		۵۷۴
	۴۶۰		۵۷۸
	۴۶۲		۵۸۰
	۴۶۳		۵۸۱
	۴۶۴		۵۸۲
	۴۶۵		۵۸۳
	۴۶۶		۵۸۴
	۴۶۷		۵۸۵
	۴۶۸		۵۸۶
	۴۶۹		۵۸۷
	۴۷۰		۵۸۸
	۴۷۲		۵۸۹
	۴۷۳		۵۹۰
	۴۷۴		۵۹۱
	۴۷۵		۵۹۲

درس دہم ۱۰ (آیت ۱۶۷ تا ۱۸۲)	۷۹۳	عذاب کا مطالبہ	۷۹۹
ربط آیات	۷۹۴	خلاصہ مضامین	۸۰۰
ہدایت یا گمراہی کے لیے مشرکین کا انداز فکر	۷۹۵	رسولوں پر سلام	۸۰۰
انبیاء کی مدد کا معاملہ	۷۹۶	حمد باری تعالیٰ	۸۰۱
جند اللہ کا غلبہ	۷۹۸		

عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے
خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام عمرہ
مع
زیارات مکۃ المکرمۃ و مدینۃ المنورۃ

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

صفحات ۹۶

قیمت ۱۸ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سمندر میں پھنس جاتے ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں اللہ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اگلی سورۃ الٓمٓ سجدہ ہے۔ اس میں اہلِ عرب کو اُن کے بُرے اعمال سے ڈرایا گیا۔ پھر تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ انسان کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کر کے اللہ کی وحدانیت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعث بعد الموت کا خصوصی تذکرہ ہے اور حساب کتاب کی منزل کا بھی۔ مجرم لوگ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔

اللہ نے تہجد گزار بندوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خوف و اُمید کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ کفار کی طرف قیامت کے روز خدا پر ایمان لانے کے متعلق فرمایا کہ اس دن ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ہی انسان ایمان سے مشرف ہو کر کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدنی سورۃ الاحزاب آتی ہے جس میں ۵ھ میں پیش آنے والے غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ مشرکین، یہود اور منافقین نے ملی بھگت کر کے مدینہ طیبہ پر زبردست حملہ کیا تھا، جس کے جواب میں مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا اور اس طرح مخالفین کا یہ گٹھ جوڑ ناکام ہو گیا تھا۔ البتہ اس غزوہ کے بعد اہلِ اسلام نے یہودیوں کے گڑھ بنی قریظہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، تمام بالغ مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ اُس زمانہ کے عرب متبنّیٰ کو حقیقی بیٹے والے حقوق دیتے تھے جس کی تردید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زینبؓ کے حضرت زیدؓ سے نکاح اور طلاق اور پھر حضور علیہ السلام سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں نبی علیہ السلام کے بعض خانگی معاملات کا ذکر بھی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ نے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال چاہتی ہو

اور عزت کا سرچشمہ صرف ذاتِ خداوندی ہے شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے کفر اور ایمان کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔ ہر قوم میں منذر بھیجنے کا ذکر ہے اور نافرمانوں کو دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر کوئی منذر آگیا تو ہم زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو یہی لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم سے پہلے لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے جن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر تم انہی کے نقشِ قدم پر چل کر بہتری کی توقع کیسے کر سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا، ورنہ زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ بچتا۔

سورۃ یٰسین ایک اہم سورۃ ہے جس کو قرآن پاک کے دل سے تعبیر کیا گیا ہے اس سورۃ کریمہ کے وقت تلاوت کرنے سے اللہ کی طرف سے مغفرت کا اعلان ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے وہ اس سورۃ کی تلاوت کیا کرے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سورۃ میری امت کے ہر فرد کے سینے میں محفوظ ہونی چاہیئے۔ مرض الموت میں مریض کے سرہانے یہ سورۃ پڑھنے سے اس کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور اس کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ویسے بھی زندگی کے اہم مواقع پر اس کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں توحید، وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ منکرین کی بدبختی اور ان کی سزا کا ذکر ہے جب کہ اہلِ ایمان کے لیے انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے

اس سورۃ مبارکہ میں ایک بستی کا ذکر بھی ہے جس میں رسول یا مبلغین آئے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ شہر کے دور کے کنارے سے آکر ایک شخص نے بستی والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اور مرسلین کو بھی نہ چھوڑا پھر ایک چیخ آئی اور سارے بستی والے نابود ہو گئے۔ وقوعِ قیامت کے سلسلہ میں صورِ ثانی، مردوں کے زندہ ہونے اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے اور دوبارہ بعث پر لوگوں کی حیرت کا ذکر ہے۔ پھر اہلِ جنت کے انعامات کا ذکر ہے۔ مجرموں کو علیحدہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سخنہائے گفتنی

از ۔۔۔ خلیفہ سید علی الدین حسن صاحب

کا مفید اور مقبول عام پروگرام کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن مجید کے صحیح ترجمہ اور تفسیر سے باخبر ہو سکیں۔ معارف القرآن کی چودھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ سات سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ لقمان، سورۃ السجدہ، سورۃ الاحزاب سورۃ سبا۔ سورۃ فاطر، سورۃ یٰسین اور سورۃ الصّٰفّٰت کی مکمل تشریح اس کے اندر مندرج ہے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی انتہائی سادہ، رواں دواں، دلکش اور دلنشیں انداز میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث صحیحہ، خلفاء راشدینؓ کے تعامل، صحابہ کرامؓ کے آثار، ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال، سلف صالحینؒ کے ارشادات بالخصوص امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حکمت و فقہ اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک و مشرب کے مطابق تفسیری نکات کے خزانوں کو عوام الناس کے سامنے کھول دیا گیا ہے۔ ہر طبقے کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ عوامی اردو خوان ہو یا متوسط پڑھا لکھا یا، جو تعلیم یافتہ ہو قرآن کریم کو سمجھنے میں مکمل تعاون حاصل کر سکتا ہے چونکہ اس جلد میں سورتوں کی نسبت سے مختلف موضوعات ہیں جن کے مطالعہ سے ذہن میں کسی قسم کا کوئی خلجان یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی اس جلد میں جملہ انسانی زندگی پر بحث کی گئی ہے خواہ وہ معاشیات سے متعلق ہوں یا اقتصادیات و سیاسیات سے جمہوری نظام ہو یا ملوکیت، ڈکٹیٹر شپ ہو یا مارشل لاء سرمایہ داری ہو یا جاگیرداری تمام نظاموں کی خوبیوں کو فہرست وار بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کو بطور نظام زندگی پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جملہ باطل نظاموں کا رد کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی پروگرام سے روگردانی اور اس کے بھیانک نتائج کا ذکر ہے اور مسلمانوں میں پائے جانے والے جملہ رذائل از قسم لہو و لعب اسراف و تبذیر، تعیش و آرام طلبی، شراب نوشی و حرام کاری، نشہ خوری و بدکاری، سرقہ زنی و زنا کاری، جنگ بازی، سینما بینی اور جملہ مشاغل باطلہ جیسے بیہودہ کاموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے، مسلمانوں کے تنزل کے جملہ اسباب اور ان کا انکار کے ہاتھوں کشتہ بننا اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام میں مسلم قوم کا امریکہ و روس چین و برطانیہ فرانس، جرمن اور دیگر سپر پاورز سے پرلے درجہ ضعف ایمان مرعوب و مغلوب ہونا، خدا نے

اپنے غیب کے خزانے سے ان کی اشاعت کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

خطباتِ سوانی:۔ قارئین کرام کے لیے ایک مژدہ جان فزا یہ بھی ہے کہ دروس القرآن اور دروس الحدیث کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے جمعہ کے خطبات کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک اہم کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خطبات بڑے بڑے علمی و تحقیقی موضوعات پر مشتمل و محوی ہیں۔ محترم دوست جناب انجم لطیف صاحب کے عرصہ پندرہ سال قبل سے بڑی محنت لگن اور شوق و ذوق سے تسلسل کے ساتھ تمام خطبات کو کیسٹوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ اُن کا بڑا قابلِ قدر کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ ان خطبات کے شائع ہونے کے بعد جو لوگ ان سے استفادہ کریں گے انہیں ان خطبات سے بے حد بیشمار دینی، علمی، تحقیقی اور سیاسی معلومات حاصل ہوں گی سنہ ۱۹۸۲ء کے سال کو منتخب کر کے اس کے خطبات کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام محترم جناب الحاج محمد دین صاحب نے شروع کر دیا ہے[1]۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس کام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا فرمائے اور صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مدظلہ اور جملہ اراکین انجمن اور جو جو حضرات اس مشن میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت علی الخیر نصیب فرمائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے۔ احقر کے ساتھ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کارِ خیر میں تعاون پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر

محمد فیاض خان سوانی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۱ر محرم ۱۴۱۵ھ ۔ ۲۷ر جون ۱۹۹۴ء

---

[1] خطباتِ سوانی کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (ناشر)

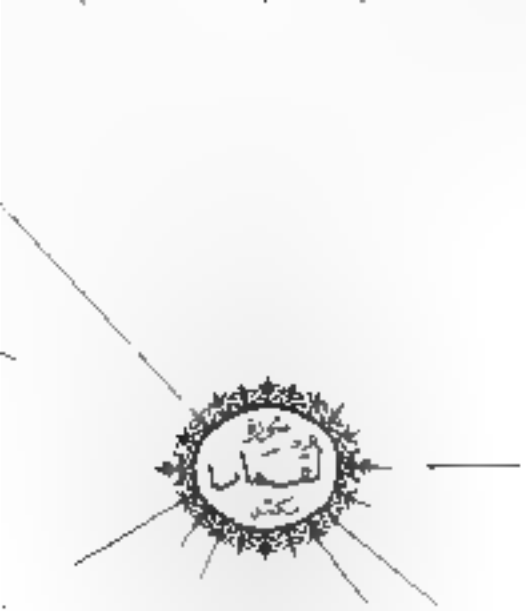
سورة
لقمان
مكية

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ لقمان مکی ہے۔ یہ چونتیس آیت اور چار رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّ
رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

ترجمہ:۔ الٓمّٓ ① یہ آیات ہیں حکمت والی کتاب
کی ② ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے
لیے ③ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ
کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ ہیں
ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح
پانے والے ⑤

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ لقمان ہے۔ یہ نام اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں آمدہ لفظ لقمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت لقمانؑ ایک نیک، صالح اور دانا انسان تھے۔ قرآن نے ان کے حال میں ان کے حال اور ان کی نصیحت آموز

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حروفِ مقطعات

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروفِ مقطعات الٓمٓ سے ہوا ہے۔ قرآن پاک کی کل انتیس[۲۹] سورتوں کا آغاز مختلف حروفِ مقطعات سے ہوا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ، سورۃ بقرہ، سورۃ عنکبوت، سورۃ روم، سورۃ لقمان اور سورۃ آلِ عمران کا آغاز بھی انہی حروف سے ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول[۱] ہے کہ الٓمٓ سے اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام اور مجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ بعض فرماتے ہیں[۲] کہ اس مقام پر الٓمٓ سے مراد آلاء یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص طور پر انسان پر بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں۔ اس لیے فرمایا فَاذْكُرُوٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ (اعراف ۷۴) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر ادا کرو، مگر قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا ۱۳) اللہ کے بہت کم بندے شکر گزار ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ الٓمٓ سے الٰہی اور میم سے تجلی اور ملک مراد ہے اور اس طرح مکمل مفہوم یہ بنتا ہے کہ تمام نعمتیں خدائی کی جانب سے ہیں اور ساری بزرگی اور عظمت اسی کے لیے ہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں یعنی مادی اور روحانی۔ مادی نعمتیں تو سرزمین، کافر، گورے، کالے، چرند، پرند اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں، البتہ روحانی نعمتوں سے خاص لوگ ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم روحانی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔ اسی لیے آگے اسی کا ذکر آرہا ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی نعمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ الٓ سے انوار، ل سے لامع یعنی چمکدار اور میم سے متوالی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل چمکنے والے انوار کا نظارہ کرنا ہے تو اس سورۃ کو پڑھ

---

[۱] تفسیر کبیر ص۲۰۶ ج۱ و تحریر المقیاس ص۳ [۲] تنویر المقیاس ص۳ ابن کثیر ص۳۶ ج۱
[۳] الاتقان اردو ص۲۶ ج۱ (فیاض)

[illegible]

حکمت اور دانائی عطا کرے۔ اور جسے اس نے حکمت عطا کر دی، اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مکمل نصاب قرآن کریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پیغمبر کی زبان سے جو شرح بیان ہوئی ہے وہ سنت کہلاتی ہے اور وہ بھی حکمت میں داخل ہے۔

ہدایت اور رحمت

فرمایا، یہ ایسی کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن کریم میں بینات اور ہدیٰ دو الفاظ آتے ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى (البقرہ۔ ۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات اور ہدیٰ کو چھپاتے ہیں۔ محققین فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ واضح دلائل باتیں ہیں جو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ان میں خدا تعالیٰ کی توحید، ذکر صبر وغیرہ چیزیں شامل ہیں اور ہدایت میں وہ چیزیں شامل ہیں جو استاد سے سیکھے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ اسی لیے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ کوئی شخص کتابیں پڑھ کر خود بخود عالم نہیں بن سکتا۔ اس قسم کی باریک باتوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے تو فرمایا، قرآن کریم ایک تو ہدایت ہے اور دوسری چیز رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر چلنے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف۔ ۵۶) بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جس شخص کا عقیدہ درست ہوگا، ایمان صحیح ہوگا۔ توحید پر استقامت ہوگی، اعمال و اخلاق ٹھیک ہوں گے۔ وہ شخص نیکی والا ہوگا۔ اور اللہ کی رحمت اس کے قریب ہوگی۔ بہرحال رحمت

لے بخاری ص۱۶ (فیاض)

اعمال۔ عالمگیرؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، ناصر الدین التمشؒ اور محمود غزنویؒ جیسے حکمران اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے واقف تھے۔ اور ان کا عمل بھی صحیح تھا۔ آج کے احکام تو نماز کا تمسخر اڑاتے ہیں اور نمازیوں کی تحقیر کرتے ہیں، بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت کے امام کیا جانیں افسوس کہ انہوں نے نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ورنہ نماز کا یوں مذاق نہ اڑاتے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

فرمایا نیکی والے لوگوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور دوسری یہ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا ذکر اس مکی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئی تھی امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں[1] کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ابتدا میں ہی فرض ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا تذکرہ سورۃ مزمل میں بھی ہے حالانکہ یہ سورۃ نبوت کے بعد پہلے سال ہی نازل ہو گئی تھی، البتہ زکوٰۃ کا نصاب ۲ھ میں مقرر ہوا، جو کہ صاحب نصاب آدمی کے لیے چالیسواں حصہ ہے۔ نقد مال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ، پانچ اونٹوں میں ایک بکری تیس گائے بھینسوں میں ایک بچھڑا، چالیس بکریوں میں ایک بکری، زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ، اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ الغرض مکی زندگی میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا۔ پھر جب مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہو گئی۔

ایمان بالآخرت

فرمایا نیکی والوں کی تیسری علامت یہ ہے وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وقوع قیامت، محاسبہ اعمال اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمان کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جو شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کی نماز و زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں۔ نیکی والے لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اس دن

---

[1] ابن کثیر ص ۴۴۱ ج ۳ (فیاض)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ
وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

ترجمہ:- اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر علم کے۔ اور بناتے ہیں اس چیزوں کو ہنسی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ۝ اور جب پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں تو پشت پھیرتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے کانوں میں بوجھ ہے۔ پس اے شخص کو خوشخبری دے دردناک عذاب کی ۝

ربط آیت

سورۃ کی ابتدائی آیت میں حکمت والی کتاب قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان فرمایا۔ نیز فرمایا کہ قرآن حکیم سراسر ہدایت ہے جس کو اختیار کرنے والے نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سرافرازی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیکی والے لوگوں کے اوصاف بھی بیان کیے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ فرمایا ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

خوش طبعی والی چیزیں بتلاؤ، جن سے کم از کم تین تفریح تو حاصل ہو۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ لغویات میں مصروف رہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اس شخص کی باتوں میں آکر اسلام کی دعوت سے منہ پھیر لیتے

اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی، احکام شرعیہ سے باز رکھنے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو لہو الحدیث میں شامل ہے جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں بعض چیزیں مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ شکار میں اس قدر انہماک نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز ہی ضائع ہو جائے۔ ایسی صورت میں شکار حرام کے درجے میں آجائیگا۔ البتہ بعض کھیل جائز بھی ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیاوی مقصد حاصل ہو۔ یا تفریح طبع ہی حاصل ہوتی ہو، اگرچہ ایسی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا مگر ان سے منع بھی نہیں کیا گیا لہذا یہ مباح کے درجے میں آتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے سوائے تین چیزوں کے یعنی گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بیوی کے ساتھ دل لگی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسابقت یعنی دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی مباح ہے، یہ دوڑ خواہ پیدل ہو گھوڑے، سائیکل یا گاڑی وغیرہ پر ہو مگر ایسی دوڑ شرط سے خالی ہونی چاہیئے۔ اگر ساتھ شرط بھی ہوگی تو پھر یہ جوئے میں شمار ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اس قسم کے کھیل تفریح کے لیے ہوں یا صحت کے قیام کے لیے یا کسی فائدہ کی خاطر ہوں تو پھر بھی جائز ہے، ان میں آکی، فٹ بال، تیر اندازی، نشانہ بازی، کشتی اور تیراکی وغیرہ بھی شامل کیے جا سکتے ہیں آلات حرب و ضرب کے استعمال میں مہارت پیدا کرنا بھی مباحات میں شامل ہے۔

لہ ابن کثیر ص۴۳۱ روح المعانی ص۱۱۶ ومظہری ص۲۵۱

۲ لہ ۳ لہ ۴ لہ (فیاض)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، امام حسن بصریؒ وغیرہم المعروف سے گانا بجانا منع کرتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رقص و سرود کے لیے لونڈیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور آزاد عورتیں یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لونڈیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور وہ محفلوں میں تفریح کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ صرف آزاد بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے ناچ گانے کو آرٹ کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس کے لیے تربیت گاہیں قائم ہو چکی ہیں جہاں سے اس نام نہاد فن کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ حضور کا فرمان تو یہ ہے کہ گانے بجانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فحاشی پھیلانے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی لونڈیوں کی کمائی کو بھی حرام قرار دیا ہے مگر دیکھ لیں آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ دور کی ایکٹریسیں امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک ایک فلم سے لاکھوں روپے کماتی ہیں اور ایک ایک گانے کی ریکارڈنگ کے لیے ہزاروں روپے وصول کرتی ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہ سب لہو لعب کا حصہ ہیں۔

گانے کے لیے استعمال ہونے والے آلات موسیقی بھی حرام ہیں۔ اسی لیے قوالی بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف غزل یا نعت کی صورت میں کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ آلات موسیقی استعمال نہ ہوں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات[3] میں ہے کہ ان سے قوالی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ قوالی جائز ہے۔ مگر اس کی بعض شرائط بھی ہیں کہ اس میں آلات موسیقی کا استعمال نہ ہو، گانے والی

---

[1] منکری ص ۲۵۹ و قرطبی ص ۵۱ [2] طبری ص ۲۱۲ [3] ایضاً

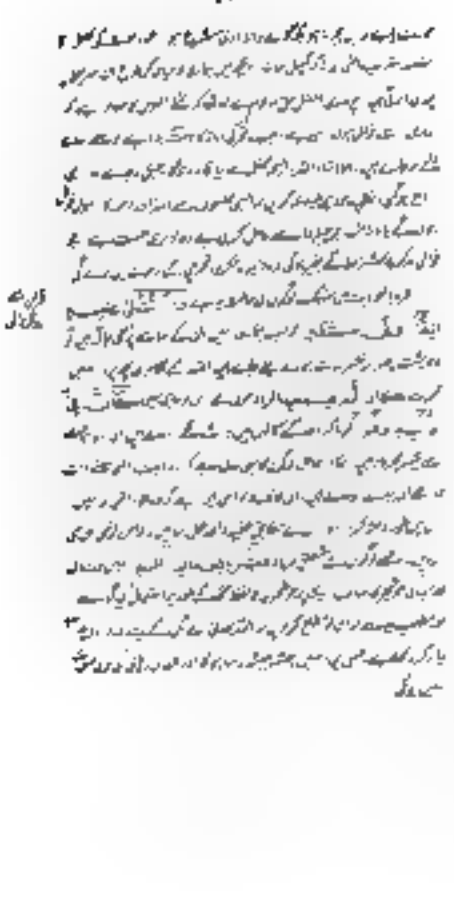

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ
النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ
رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ
كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ
اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ
الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱

ترجمہ:- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، ان کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے ۝۸ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں، وعدہ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ کا سچا۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ۝۹ پیدا کیا ہے اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو۔ اور ڈال دیے ہیں اس نے زمین میں بوجھل پہاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمہارے ساتھ۔ اور پھیلا دیے ہیں اس نے زمین میں طرح طرح کے جانور، اور

ارادے سے اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، وہ واجب الوجود، خالق کل، مدبر، معبود برحق اور غیر مرئی ہے۔ غرضیکہ اس کی ذات اور تمام صفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کسی چیز کے بارے میں دل میں خلل پیدا ہو تو ایمان ضائع ہو جائے گا۔ بعض اوقات ایمان کا معنی یقین بھی کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یقین تو کبھی اضطراری حالت میں بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آگیا تو کسی چیز کا یقین آگیا۔ یہ مستقل یقین نہیں ہوتا حقیقت میں ایمان تصدیق کا نام ہے اپنے دل سے اپنے اختیار اور ارادے سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہٗ لاشریک ہے۔

ایمان کا ایک جزو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق ہو گیا اور دوسرا یہ کہ انسان فرشتوں پر بھی یقین رکھے کہ وہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے انسانوں کی پیدائش سے لاکھوں سال پہلے تخلیق کیا۔ فرشتے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۶) وہ خدا کے معزز بندے ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۷) وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں فرشتے ہماری طرح جسم اور اس میں روح رکھتے ہیں۔ اس سے علامہ مشرقی والا ایمان مراد نہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے کوئی مخلوق نہیں بلکہ انسان کی ایک اچھی قوت کا نام ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں وضاحت کی ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں اور ان کے جسم میں بھی روح ہے البتہ ان کے اجسام بہت لطیف ہیں۔ ملاء اعلیٰ سے لیکر ملاء سفلیٰ تک فرشتوں کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے ہر ایک طبقے کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ فرشتوں کے علاوہ اللہ کی مخلوق جنات بھی وجود رکھتے ہیں۔ البتہ

لہ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۶ و الخیر الکثیر ص۴۷ (فاضل)

جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی، اگر ایمان کی بجائے کفر اور شرک بھرا ہوا ہے تو اس کے پہاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے اور ان مجرموں کو دائمی جہنم کا مستحق ٹھہرائیں گے۔ ایمان ہر نیکی کی جڑ اور بنیاد ہے اسی لیے تمام انبیاء اور ان کے متبعین اولیاء اور بندگانِ دین سب سے پہلے ایمان کی درستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ کسی بزرگ کی کوئی کتاب یا ملفوظات اٹھا کر دیکھ لیں، انہوں نے پہلا سبق ایمان کی درستگی کا ہی دیا۔ ہر نبی نے بھی یہی تعلیم دی قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (ہود۔ ۸۴) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہرحال یہ سارے اجزائے ایمان ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

اعمالِ صالحہ اور انعام

فرمایا، وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال تو بے شمار ہیں، اگر بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں، حضرت عبداللہ ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اور بعد یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ دیگر نیک اعمال میں جہاد، قربانی، صلہ رحمی، صدقہ، خیرات، حسن اخلاق وغیرہ شامل ہیں۔

تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ان کے لیے نعمتوں کے باغات ہیں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے عام طور پر جنت کے ذکر کے ساتھ اللہ نے جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البینۃ۔ ۸) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ فرمایا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا یہ اللہ کا وعدہ ہو چکا ہے۔ جو سچا ہے۔

لہ

پرانی تحقیق کے مطابق زمین کے بلند ترین پہاڑوں کی بلندی تین میل کے قریب ہے۔ زمین کی وسعت کے اعتبار سے اتنے بڑے پہاڑ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گز کے اوپر ایک جو کا ستر واں حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ پہاڑوں کی بلندی کے مقابلے میں سمندروں کی گہرائی کہیں زیادہ ہے، کرہ ارض کے اردگرد چودہ کروڑ میل پانی پھیلے ہوئے ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی رہائش کے لیے خشکی کا حصہ صرف ایک چوتھائی کے قریب ہے، لہٰذا پورے کرہ ارض میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے بوجھل پہاڑوں کو تخلیق فرمایا ہے[1]

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کر دیا ہے۔ پہاڑوں میں بیشمار پتھر، درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم رہ جاتے جو ان کے لیے وجہ اضطراب بنتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہو جاتے۔ اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کر دیا۔

جانور اور پانی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ اور اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں۔ جو مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیے ہیں اور ان کے علاوہ بھی اللہ نے بہت سے جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہیں۔ جو انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

پھر فرمایا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ یہ بھی انسانوں اور جانوروں کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ پانی نہ صرف جانداروں

---

[1] تفہیمات الٰہیہ ص ۱۱۱ ج ۲ (فیاض)

لگا کہ اگر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے تو بتلاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ پادری لاجواب ہو گیا کہ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو گیا اس آیت کریمہ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اگر تمہارے خود ساختہ معبودوں نے کچھ پیدا کیا ہے تو دکھاؤ کون سی چیز پیدا کی ہے اور اگر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو پھر وہ حاجت روا اور مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر ان کو مصیبت کے وقت کیوں پکارتے ہو اور ان کے سامنے نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ وہ تو خود لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ خود ہر چیز اللہ سے طلب کرتے ہیں، بھلا تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ کہ ظالم یعنی مشرک لوگ ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اتنی واضح دلیل ہے کہ جو شخص خود محتاج ہے وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے اور معبود کیسے بن سکتا ہے؟ اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے مگر تم کہتے ہو کہ فلاں بھی رزق، اولاد، کاروبار وغیرہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کے ذریعے شرک کا رد بھی فرما دیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

[illegible]

[illegible]

آپ یمن کے رہنے والے آزاد آدمی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمانؑ عاد ثانیہ میں سے تھے۔ جب قوم عاد ہلاک ہوگئی تو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل عاد ثانیہ کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ یہ حمیر جیسے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں انہی بادشاہوں میں تبع نامی مشہور بادشاہ بھی گزرا ہے

بعض[2] کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمانؑ شداد کے بھائی تھے۔ شداد تو بڑا جابر اور مستبد شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار لقمانؑ کی طرف منتقل ہوگیا ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی صالح آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

حضرت لقمانؑ کے زمانے کے متعلق بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کو عاد ثانیہ سے تسلیم کیا جائے تو آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل کا ہے، اور آپ کو بنی اسرائیل کا فرد تصور کیا جائے تو آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں حضرت داؤدؑ، اور حضرت لقمانؑ کی رفاقت کا ذکر بھی ملتا ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے میں قاضی تھے۔ بہرحال یہ زمانہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ حضرت لقمانؑ بنی اسرائیل اور عربوں میں یکساں طور پر مشہور تھے، بلکہ بنی اسرائیل کے پاس آپ کا ایک صحیفہ بھی تھا جس میں مندرج نصائح امثال لقمانؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس صحیفہ کی نقول یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب بھی ملتی ہیں۔

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مومن، نیک آدمی اور اللہ کے ولی تھے، محمد بن اسحاق[3]، امام شافعیؒ اور بعض دوسرے حضرات آپ کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو صالح آدمی ہی مانتے ہیں۔ البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور معاملہ فہم آدمی تھے اور اسی بنا پر آپ مہذب دنیا

---

[1] حقانی ص ۴۵ ج ۶ [2] حقانی ص ۴۸ ج ۶ [3] روح المعانی ص ۸۲ ج ۲۱ ومظہری ص ۳۶۵ ج ۵
[3] روح المعانی ص ۸۳ ج ۲۱ وتفسیر الثعالبی ص ۲۰۷ ج ۳ [4] معالم التنزیل ص ۱۵۴ ج ۳ (فیاض)

بیہقی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بہرحال عام فہم الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دانائی، عقل، فہم، فراست اور غیر اللہ کا نام حکمت ہے، حکم اور حکمت میں یہ فرق ہے کہ حکمت ہمیشہ درست بات کی طرف منسوب کی جاتی ہے جب کہ حکم میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے جیسے مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ تاہم حکمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ جس پر اللہ مہربانی کرے اُس کو عطا فرماتا ہے۔

حکمت کی ایک عام تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے قَوْلٌ يُقْرِنُ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ یعنی حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں کو پختہ کر لیا۔ دانشور وہی آدمی ہوگا جس کا علم کے ساتھ عمل بھی ہو، وگرنہ بے عمل آدمی حکیم نہیں ہو سکتا بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت یعنی فہم و فراست، دانائی اور دانشوری حضرت لقمان کو وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، جس کا ذکر تمام مفسرین اور مؤرخین اور دانشور کرتے ہیں۔ ان کی عجیب و غریب باتیں اور حکمت کی باتیں ان کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں

حضرت لقمان کی پیشہ کا پتہ

امام بیہقی[1] اور ابن ابی الدنیا[2] مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے کہا کہ بکری ذبح کرکے اس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیل حکم کی، بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بدترین حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمان نے بکری ذبح کی اور دوسری دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے

---

[1] بیہقی ۔ [2] ابن ابی الدنیا ۔ [3] درمنثور ج ۵ ص ۸۳
[4] بیضاوی ص ۲۲۵ ج ۲ [5] مظہری ص ۳۶۷ ج ۷ و مسالک التنزیل ص ۱۵۵ ج ۳ (ضیاء)

جس کا بھائی نہیں، اس میں قوتِ بازو نہیں۔ جس طرح ماں کے بغیر شفقت اور باپ کے بغیر سرپرستی نہیں ہوتی، اسی طرح بھائی کے بغیر قوتِ بازو نہیں ہوتی۔

مولانا رومیؒ نے یہ حکایت اپنی مثنوی[1] میں بیان کی ہے کہ حضرت لقمانؑ غلام تھے آپ کے آقا نے بعض دوسرے غلاموں کے ہمراہ آپ کو اپنے باغ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس دوران باقی غلام تو باغ سے پھل توڑ توڑ کر کھاتے رہے مگر حضرت لقمانؑ نے بالکل کچھ نہ کھایا کیونکہ وہ اسے امانت میں خیانت سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر آقا باغ میں آیا تو اسے پھل کا کچھ گرا پڑا حصہ ملا۔ دریافت کرنے پر باقی غلاموں نے کہا کہ یہ پھل لقمانؑ نے توڑ کر کھایا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا، اے آقا! آپ ہم سب غلاموں کو گرم پانی پلا کر روٹی کا حکم دیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب نے قے کی جس سے کھائے ہوئے پھل کی نشاندہی ہو گئی۔ صرف لقمانؑ کی قے ایسی تھی جس میں سے پانی کے سوا کچھ برآمد نہ ہوا، اور مالک کو پتہ چل گیا کہ سارے غلاموں میں سے صرف آپ ہی امانتدار ہیں

مشہور ہے کہ لقمان نے کہا کہ میں نے بہت سے نبیوں کی زیارت کی ہے بنی اسرائیل کے دور میں انبیاء کثرت سے آتے تھے اور خود لقمانؑ کی عمر بھی ایک ہزار سال تھی لہٰذا ان کی بہت سے انبیاء سے ملاقات بعید از قیاس نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان انبیاء کے اقوال میں سے میں نے آٹھ باتوں کو خوب یاد کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) اگر تم نماز کی حالت میں ہو تو دل کی حفاظت کرو۔

(۲) اگر کھانے پر بیٹھے ہو تو حلق کی حفاظت کرو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔

(۳) اگر کسی غیر کے گھر میں جاؤ تو آنکھوں کی حفاظت کرو۔

(۴) اگر لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو تو زبان کی حفاظت کرو۔

(۵) ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

---

[1] مثنوی ــــ (الیاس)

(۸) پڑوسی کی حفاظت کی ہے

(۹) لایعنی چیزوں کو ترک کیا ہے۔

حضرت لقمانؑ کا یہ قول بھی مشہور ہے ضَرْبُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ كَالسَّمَادِ یعنی والد کا بچے کو تنبیہ کرنے کے لیے مارنا بچے کے لیے بمنزلہ کھاد کے ہے بچے کو سرزنش کرنا بری بات نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے سعدیؒ صاحب کا قول بھی ہے "مہر پدر سے ضرب ادب بہتر ہے"

استاد کی مار والدین کی شفقت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ آپ کا یہ قول بھی ہے اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الدَّيْنِ فَاِنَّهُ ذُلُّ النَّهَارِ وَهَمُّ اللَّيْلِ یعنی قرض سے بچو کیونکہ یہ دن کی ذلت اور رات کی فکرمندی ہے۔

ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے پوچھا کَيْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے تو کہنے لگے اَصْبَحْتُ فِيْ يَدِ غَيْرِيْ میں اپنے آپ کو غیر کے ہاتھوں میں پاتا ہوں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیر ہاتھ سے مراد رسی قدرت اور عدل ہے۔ حفیظ جالندھری نے بھی کہا ہے۔

؎ دیکھو ارگیاں رنگ ہے فانی
آگ لگی ہے حسن میں
دل ہے پرائے بس میں

اسی طرح اگر کوئی امام مالکؒ سے پوچھتا کَيْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے، تو جواب دیتے عُمْرِيْ يَنْقُصُ وَذُنُوْبِيْ تَزِيْدُ یعنی عمر گھٹ رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت لقمانؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے بہت سی کڑوی چیزوں کو چکھا ہے مگر فقر سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں پائی۔ خود حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی

۱؎ در منثور ۶/۲۶۹ ۲؎ البحر المحیط ۷/۱۸۶ و تفسیر حسینی ۲/۲۲۱ ۳؎ در منثور ۵/۱۶۵ و فیاض

پار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان و اتقا کے لیے سفر کشتی کے ہے، خدا کی ذات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا توشہ تقویٰ ہے۔ پھر اگر تم اس سمندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو سمجھ لینا کہ اللہ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ بھی فرمایا کہ علماء اور حکماء کی مجلس میں ضرور بیٹھا کر کیونکہ علم و حکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ آپ کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں، لوہے اور لوزنی لوہے کو اٹھایا ہے فَلَمْ أَحْمِلْ شَيْئًا أَثْقَلَ مِنْ جَارٍ سُوْءٍ مگر میں نے بُرے پڑوسی سے بوجھل کسی چیز کو نہیں اٹھایا۔

شکر کا حکم

ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست، عقل و دانش جیسی بلند چیز عطا کی ہے، اس انعام پر اس کا شکریہ ادا کرو اور یاد رکھو۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ خدا کی ذات و صفات میں شکر کرنے سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم ۷) اگر انعام پا کر میرا شکر ادا کرو گے تو میں مزید نعمتیں عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کا اظہار کیا تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بڑا سخت ہے، مطلب یہ کہ شکر گزاری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں اس کے انعام و اکرام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق درست ہوتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

لہ درمنثور ص ۱۶۴ ج ۵

لہ درمنثور ص ۱۶۴ ج ۵ (فیاض)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ
جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ
وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

ترجمہ:- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہا حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے، اے بیٹے! نہ شرک کرنا اللہ کے ساتھ۔ بیشک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے ⑬ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھایا ہے اس کو اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے (ہم نے اس کو حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا

اور کبھی بڑے عقائد و اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ بہرحال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت فرمائی یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ مفسرین کرام اس نصیحت کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا بیٹا واقعی شرک میں مبتلا ہو اور آپ اس سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹا فی الوقت شرک میں ملوث نہ ہو مگر اس کی قباحت کے پیش نظر باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہایت ہی خیر خواہی کا برتاؤ کرتے ہوئے اسے آئندہ کے لیے بھی اس کے قریب جانے سے منع کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور اس محبت کا تقاضا ہے کہ اسے ہر اس چیز سے دور رکھنے کی کوشش کرے جو اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو۔ بہرحال آپ نے دوسرے لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ بیٹا! توحید پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ تمہارا پاؤں پھسل کر شرک کی دلدل میں پھنس جائے اور یاد رکھو اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ بیشک شرک بہت بڑی بے انصافی کی چیز ہے

ظلم کا لغوی معنی[1] وضع الشیٔ فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ اس میں بڑے سے بڑے گناہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے گناہوں اور لغزشوں تک آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کفر، شرک اور دیگر کبائر بھی ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل اور زنا جیسے بڑے افعال بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ معمولی لغزشوں میں مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص جوتا پہن کر مسجد میں چلا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر رکھ دے تو بظاہر یہ معمولی خطائیں ہیں مگر ظلم کی تعریف میں یہ بھی آتی ہیں۔ بہرحال جس طرح شرک جیسے کبیرہ گناہ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کفر کے متعلق بھی

---

[1] البحر المحیط ص ۱۸۶ ج ۷

[2] تفسیر المراغی ص ۸۱ ج ۲۱ وصفوۃ التفاسیر ص ۴۹۱ ج ۲ (فیاض)

مخلوق میں سے بھی کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا جن ہر چیز کو جانتا ہے۔ یا اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو ایسے شخص نے اللہ کی صفت میں غیر کو شریک کیا اور اس طرح شرک کا مرتکب بن گیا۔ اسی طرح صفت خلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو ایسا شخص مشرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس نے صفتِ خلق میں اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ انتہائی درجے کی تعظیم قولی، فعلی یا جسمانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کیونکہ معبود برحق اور نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اب اگر اسی نظریہ کے ساتھ کسی غیر کی تعظیم کی جائے کہ وہ بھی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی شرک ہے، نذر و نیاز صرف مالک اور خالق حقیقی کے لیے مخصوص ہے۔ اگر غیر اللہ کے سامنے پیش کی تو شرک کا ارتکاب کیا۔ (غیر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو نذر و نیاز دی جاتی ہے)

تدبیر بھی اللہ کی صفتِ خاصہ ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (الٓمٓ سجدة - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مدبر کا لفظ سورۃ النّٰزعٰت میں فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جیسے فرمایا فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (آیت - ۵)۔ یعنی وہ امورِ دنیا کی تدبیر کرتے ہیں۔ مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ نے دنیا کی جس ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی کام نہیں کرتے، لہٰذا اُن کی تدبیر بھی اللہ ہی کی تدبیر کے تابع ہے۔ غرضیکہ اللہ کے سوا کسی چیز کی تدبیر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا۔ تو وہ مشرکوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی قسم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے تعویذ گنڈے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ایسے تعویذوں میں لمبا اوقات

صرف اُسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ دیکھ لیں، یہاں بھی توحید باری تعالیٰ اور والدین کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمانؑ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ ایسا کہنے میں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہٰذا والدین سے حسنِ سلوک کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

شاہ عبدالقادرؒ دہلویؒ نے اس مقام پر بڑا قیمتی نوٹ لکھا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور دوسری نصیحتوں سے پہلے باپ کا حق فرمادیا کہ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتایا تو اللہ نے اُس کو باپ کا حق بتلادیا۔ باقی پیغمبر، مرشد یا ہادی کا حق بھی اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ بھی اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔[1]

بہرحال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں۔ اسی لیے حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں، تو آپ نے تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ چنانچہ جیسا کہ آیت کے اگلے حصے میں اشارہ ملتا ہے ماں کے حق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ماں کا خصوصی حق

فرمایا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا تاکیدی حکم دیا اور خاص طور پر ماں کے ساتھ کیونکہ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرکے اس کو اٹھایا یعنی دورانِ حمل ماں نے سخت تکلیف برداشت کی، اور جب بچہ پیدا ہوگیا وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اُس کا

---

[1] موضح القرآن ص ۴۶۳ [2] روح المعانی ص ۸۶/۲۱ (فیاض)

شرک کا انکار

پہلی آیت میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا تھا۔ پھر درمیان میں اللہ نے والدین سے متعلق حسنِ سلوک اور اُن کی اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کا تمھیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو اُن کی بات نہ مانو۔

اس مقام پر اللہ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا ہے مگر صاحبِ تفسیر مظہری[1] اور بعض دوسرے مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو اُن کی بات نہیں مانی جائیگی۔ مثلاً والدین مجبور کریں کہ کسی فرض، سنت مؤکدہ یا واجب کو ترک کر دو تو اولاد کے لیے حکم ہے کہ وہ والدین کی بات نہ مانیں، ہاں اگر کسی مباح عمل سے منع کریں۔ مثلاً نفل پڑھنے کی بجائے اپنے پاس رہنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں نفل ترک کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جاؤ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دو تو اُن کا یہ حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک

فرمایا والدین کے غلط حکم کا انکار کر دو، البتہ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق رفاقت اختیار کرو۔ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی دنیاوی معاملات، لین دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں اُن سے اچھا سلوک کرو۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس حکم کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی والدہ آخری دم تک ہندو مت پر قائم رہی۔ اگرچہ آپ بڑی عمر کے ہو چکے تھے مگر والدہ آپ کو پیٹ بھی لیتی تھی مگر آپ اُف تک نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماں نے ایک گائے کی فرمائش کی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اُسے دان (خیرات) کر سکے۔ مولانا نے گائے خرید کر دی اور ماں کو راضی

---

[1] مظہری ص ۲۶۹ ج ۷ [2] قرطبی ص ۶۴ ج ۱۴ (فیاض)

فرمایا میری طرف رجوع کرنے والے کا اتباع کرو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم دنیا میں کام کرتے رہے۔ قیامت والے دن تمہاری ساری کارگزاری تمہارے سامنے آجائے گی۔

يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ
أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ
خَبِيرٌ ﴿١٦﴾ يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

نہیں پسند کرتا ہر اترانے والے اور بڑائی کا اظہار کرنے
والے شخص کو ﴿۱۸﴾ اور میانہ روی اختیار کرو اپنی چال میں،
اور پست رکھو اپنی آواز کو۔ بیشک سب سے بُری آواز
گدھے کی آواز ہے ﴿۱۹﴾

ربط آیات

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کیں۔ ان میں سب سے پہلے آپ نے شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع فرمایا۔ پھر اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تاہم اگر والدین کفر، شرک یا کسی دیگر خلاف شرع کام کا حکم دیں تو ان کی حکم عدولی کی اجازت دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا سلوک کرتے رہو۔ اللہ نے ان لوگوں کی پیروی کا حکم دیا جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور واضح کر دیا کہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہ تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔

اعمال کی پیشی

گزشتہ درس میں پہلے حضرت لقمانؑ کی نصیحت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ اب آج کے درس میں حضرت لقمانؑ کی طرف سے بیٹے کے حق میں باقی نصیحتوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰبُنَیَّ اِنَّہَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز (کسی قسم کی نیکی یا بدی) ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہو۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال دینی ہو تو ذرہ یا رائی کے دانے کے ساتھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں بالکل چھوٹی چیزیں ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ہو فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اور وہ بھی کسی پتھر کے اندر اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یا وہ آسمانوں کے کسی کنارے پر یا زمین کے کسی گوشے میں ہو یَاْتِ بِہَا اللّٰہُ اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ مطلب یہ ہے قیامت کو جب میزان اعمال کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو جہاں کہیں بھی ہوگا اسے حاضر کر دے گا۔ اور ایسا

دن سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہوگا۔ گویا میں نماز قائم کی تھی یا نہیں
فارسی الشاعر نے بھی کہا ہے ؎

روز محشر کہ جان گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

نماز تقرب الی اللہ کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایسی جامع العبادات ہے جس میں روح، دماغ
زبان اور دیگر اعضاء جوارح اللہ کی تعظیم میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا ظاہری اور باطنی ہر دو قسم
کی عبادت کا ذریعہ نماز ہے، نماز میں جو مناجات اور دعائیں کی جاتی ہیں اُن میں تمام نیک
لوگ شامل ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی نمازی نماز میں
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ پڑھتا ہے تو اس کا اثر زمین و آسمان
میں ہر نیک بندے تک پہنچتا ہے، نماز میں تمام اہل ایمان، فرشتوں اور نیک جنات
کا حق ہوتا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ تمام بندوں کا حق مارتا ہے۔

نماز انفرادی عبادت بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ انفرادی عبادت اس لیے ہے کہ اس کے
ذریعے ہر نمازی کی ذاتی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اجتماعی فریضہ اس لحاظ سے ہے کہ نماز کا
قیام ہر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء
میں لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان خلیفہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر کرے۔ اُن میں امام
مقرر کرے اور نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام کرے۔ دینی تعلیم کا بندوبست کرے
اور حصولِ انصاف کے لیے شرعی عدالتیں قائم کرے۔ حدود کو قائم کرنا، دین کی تبلیغ
کا انتظام کرنا، ملکی سرحدوں کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی فرائض خلافت میں شامل ہیں۔
آج کل تو نظریہ بدل چکا ہے اور امورِ سلطنت اور امورِ دین کو الگ الگ چیز سمجھا جاتا ہے
مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف شعبے ہیں۔ جس طرح دیگر امورِ سلطنت
انجام دینا حکومتِ وقت کا فریضہ ہے اسی طرح نماز کا قیام بھی حکومت کے فرائض

---

(۱) ہم حق ص ۱۷۵ (۲) ازالۃ الخفاء، ص ۲۰۰ (فیاض)

یہ کام سرانجام دیں۔ اور عوام الناس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے ہی نیکی کو اچھا اور برائی کو برا سمجھیں۔

علمائے حق نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ دنیا میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں ٹھونک دو۔ کتنے ہی اللہ والے گذرے ہیں جنہیں اس رستے میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ مگر افسوس ہماری سوسائٹی کا جذبہ اس حد تک پہنچ چکا ہے جس میں برائی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج ظلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کرو، کون سنے گا؟ عریانی، فحاشی، بے حیائی قمار بازی وغیرہ اپنے عروج پر ہیں مگر ان کی روکنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان قبیح چیزوں کا قلع قمع کرے مگر وہاں بھی صفحتیں اڑے آرہی ہیں۔ بہرحال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت بھی کی۔

صبر کی ترغیب

انہوں نے بیٹے سے یہ بھی کہا وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ بیٹا! ہر پیش آمدہ تکلیف پر صبر کرنا۔ راہ حق میں لوگ تمہیں طعنے دیں گے، باتیں بنائیں گے ذہنی تکلیف دیں گے مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ دیکھو! خود حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے دین کی راہ میں کس قدر تکالیف برداشت کیں مگر زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے جس پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا۔

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یہ سب پختہ باتوں میں سے ہیں عزم الامور کا معنی یہ ہے کہ دین میں یہ مؤکد چیزیں ہیں جن پر سختی سے کاربند ہونا ضروری ہے۔ اقامت صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب میں صبر کرنا تاکیدی احکام میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں حوصلے کی باتوں میں سے ہیں۔ مگر آدمی ان امور پر عمل نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں میں وہی پڑا جاتے ہیں۔ جن کو اللہ توفیق دیتا ہے۔

سے، رہا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ خود[1] حضور علیہ السلام کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی مگر آپ آگے کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہیں۔ آپ قدم کو گھسیٹ کر نہیں بلکہ اٹھا کر رکھتے تھے یہ آپ کی تواضع کی علامت تھی۔ طبیعت کے خلاف نہ بہت تیز چلو، اچھا ہے اور نہ سست بلکہ میانہ روی ہی بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کو عاجز پسند ہے نہ کہ اکڑو۔

ملک السلوک[2] کے بزرگ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو[3] چلتے ہوئے قدرے جھک کر جا رہے تھے، کسی نے دریافت کیا، اے علیؓ! کیا تمہاری پشت پر کوئی بوجھ رکھا ہے جو اس قدر جھکے جا رہے ہو؟ فرمایا، میں جھک کر کیوں نہ چلوں کہ میری پشت پر اتنا بڑا بوجھ ہے جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا۔ مگر حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (الاحزاب ۷۲) اس بوجھ کو انسان نے اٹھایا۔ یہ انسان کے مکلف ہونے کا بوجھ تھا جو اس نے اٹھایا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں شریعت کے منشاء اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق جھک کر چلتا ہوں۔

آواز کی پستی

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو چال میں میانہ روی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اپنی آواز کو پست رکھا کرو۔ آواز کو بلا ضرورت بلند کرنا سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ اللہ نے بطور تشبیہ فرمایا اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ بیشک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔ جو آدمیوں کے لیے سخت مکروہ ہوتی ہے۔ حدیث[4] میں آتا ہے کہ جب مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے۔ لہٰذا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ کا فضل مانگو۔ اور جب گدھا شیطان کو دیکھتا ہے تو سخت ناگوار آواز نکالتا ہے، لہٰذا ایسے وقت میں شیطان اور اس کے وساوس سے خدا کی ذات کے ساتھ پناہ پکڑا کرو۔ غرضیکہ انسان کو بلا وجہ

---

[1] روح المعانی ج ۲۱ ص ۹۱ [2] ملک السلوک ص ۔

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۶ و تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۰۶ (فیاض)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً
وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ
كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾
نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے
مسخر کیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے

کو شریک نہ بنایا جائے۔ اس کے بعد محاسبۂ اعمال اور اللہ تعالیٰ کی صفت علم و وسعت کا ذکر ہوا۔ پھر نماز کی تاکید ہوئی اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا مصائب پر صبر کرنا، غرور و تکبر سے بچنا اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلنا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا، اور آواز کو بھی پست رکھنا۔ یہ سب اخلاقی تعلیمات اور بیش قیمت نصیحتیں ہیں جو لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں۔

تسخیر ارض و سما

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت لقمانؑ کی نصائح میں سرفہرست توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے متعلق نصیحت تھی۔ اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَوْا اے مخاطبین! کیا تم نے نہیں دیکھا؟ رؤیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بصری اور دوسری قلبی۔ اس مقام پر رؤیت قلبی مراد ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا، یعنی اس چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی کہ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

تسخیر کا معنی کسی چیز کو تابع کر دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز براہ راست کسی شخص کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے یا اس سے کام لے۔ جب جانور یا زمین کسی آدمی کے تصرف میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کو بار برداری یا کاشتکاری کے لیے استعمال کرتا ہے، ان کا دودھ اور اون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے ان کا گوشت بھی استعمال کرتا ہے۔ تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہ راست کسی فرد واحد کے سپرد تو نہیں کیا جاتا بلکہ اسے خاص ضابطے کے مطابق کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے انسان اور جانور مستفید ہوتے ہیں۔

نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔ اللہ نے ایسی ایسی کمال ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گزار بنتا ہے اور اُس کی ذات، صفات اور شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی توحید کو مانتا ہے۔ بہرحال اللہ نے واضح کر دیا کہ میں نے تو انسان کو عطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب انسان ان چیزوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔

دلائلِ توحید

ظاہری اور باطنی انعامات کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے مگر صورتِ حال یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ نے اس مقام پہ ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید خداوندی کا انکار کر کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ پہلی چیز علم ہے جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش کریں جس کی بنا پر وہ دوسروں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں ارض و سما کی تخلیق، پہاڑوں کو گاڑھ دینا، آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا، جانوروں کو زمین میں بکھیر دینا، بارش اتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے۔ یہ سب عقلی دلائل ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان توحید الٰہی کو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بغیر ہدایت کے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ہدایت سے مراد نقلی دلیل ہے جو انبیاء کی وساطت

تقلید کہلاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی کتاب کو اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو ہی اوّل و آخر سمجھ لیتے ہیں، اور اُس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

آباؤ اجداد کی تقلید اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ والے لوگ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوران کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ (یوسف ۔ ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا اتباع کرتا ہوں اور ہمارے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں وہ تو اللہ کے نبی اور ولی برحق تھے۔ ایسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا تو باعث فخر ہے، یہ تو عین سعادت ہے۔ لیکن اگر آباؤ اجداد شرک، کفر یہ اور معصیت والے راستے پہ ہوں تو اُن کا اتباع اندھی تقلید ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے ؕ وَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو، تو کیا پھر بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بدبختی کی بات ہے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا کہ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے اور اُسے دشمن ہی سمجھو اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (آیت ۔ ۶) وہ تو اپنے گروہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر کے جہنم کے عذاب کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا بغیر سوچے سمجھے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہے، نہ نقلی دلیل سے اور نہ کسی کتاب سے سورۃ بقرہ میں فرمایا کیا تم پھر بھی آباؤ اجداد کی تقلید کرو گے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ (آیت ۱۷۰)

کا فرمان بھی ہے۔ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ-۲۵۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اُس نے گویا مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں تو فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا، اور اس کام میں انبیاء ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ-۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے اطاعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں ہمہ تن مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ تو جس کام کا حکم دے۔ میں بسر و چشم تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب کوئی شخص اس حال میں اطاعت گزار بن جائے گا تو یقیناً کامیاب ہوگا۔ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کی منزل آئیگی، تو ہر چھوٹا بڑا اور نیک و بد عمل حاضر کر دیا جائیگا اور پھر انہی کے مطابق خدا تعالیٰ کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کفر کا انجام

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ اور جس شخص نے کفر کیا یعنی توحید کا انکار کیا، رسالت اور کتب سماویہ کا انکار کیا اور روز جزا کو جھٹلا دیا، تو اے نبی علیہ السلام فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ایسے شخص کا کفر کرنا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے کیونکہ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ان سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پس ہم ان کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ کام کرتے تھے، ان کی ساری کارگزاری سے ہم واقف ہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ زبان پر آنے سے پہلے دل کی بات کو بھی جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے انجام دیے ہوئے کاموں سے کیسے غافل ہوگا؟ وہ تمام مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے، لہٰذا ہر شخص کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي
الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ
وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۙ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

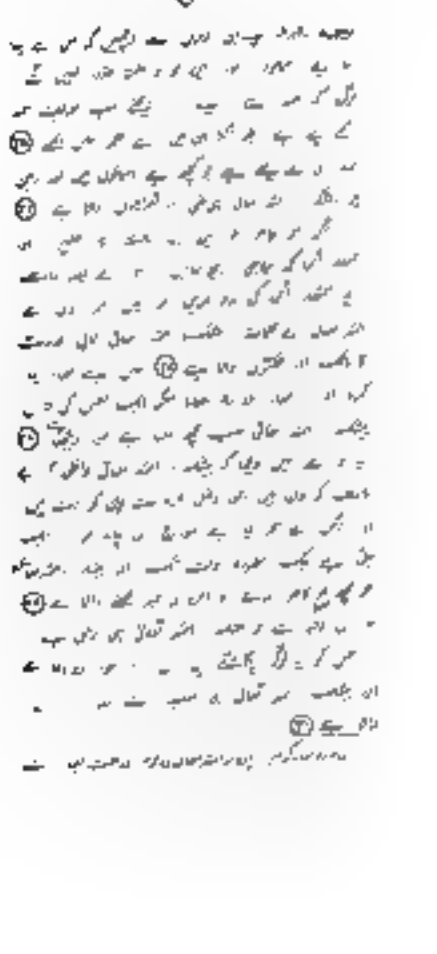

کا شکار ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ کے آغاز میں قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا بیان تھا۔ پھر حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر ہوا جن میں سرفہرست شرک کی تردید ہے۔ اس کے بعد توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے نیز یہ بھی کہ مشرکین کے پاس سرے کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کسی نبی یا بزرگ کا قول اور نہ کوئی روشن کتاب ہے جس سے وہ کفریہ اور شرکیہ عقائد کو ثابت کر سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہوا، اور یہ بھی کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے آباؤ اجداد کی رسمات پہ چلتے رہتے ہیں۔ البتہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیتا ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ گویا دین کے مضبوط کڑے کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر اللہ نے تسلی دی کہ لوگوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا آپ کو زیادہ غم میں ڈالے۔ سب نے ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، ان کے تمام عقائد و اعمال اس کے علم میں ہیں۔ فرمایا ہم تھوڑی مدت کے لیے ان کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کی مہلت دیں گے، اور پھر گھسیٹ کر دوزخ کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

دلائلِ توحید

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کچھ دلائل ذکر کیے ہیں، اور اپنی بعض صفاتِ کمال کو بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ یہ دلیل قرآن پاک میں بکثرت بیان کی گئی ہے کہ آپ کسی بھی مشرک سے ارض و سما کی تخلیق کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکے گا گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق سے اپنی الوہیت کو ثابت کیا ہے کہ معبود بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے، اور جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں، بفرضیکہ ان دو درجات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ کی صفت تدبیر ہے یعنی کائنات کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس درجہ میں اکثر لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں مثلاً ستاروں کا علم جاننے والے نجومی ستاروں کو مؤثر مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی کرنے لگتے ہیں۔ عیسائی لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا کی صفت تدبیر میں شریک کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور بعض دوسرے لوگ کسی ولی، بزرگ، جن یا فرشتے کو اس صفت میں شریک کر کے مشرک بنتے ہیں۔ البتہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا واجب الوجود اور خالق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے سوا مدبر بھی کوئی نہیں، وہ ہر چیز کی تدبیر خود بلا واسطہ کرتا ہے اور اس نے یہ اختیار کسی دوسری ہستی کو نہیں دیا۔ بفرضیکہ بہت سے لوگ تدبیر میں آکر شرک کرنے لگتے ہیں، اللہ نے اس کا ذکر قرآن میں بکثرت کیا ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایک مومن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، خالق اور مدبر ہے۔ مگر بہت سے لوگ کسی نبی، ولی، بزرگ، فرشتے یا جن کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی عبادت براہ راست درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک درمیان میں مقربین الٰہی کی عبادت نہ کریں۔ ان کا یہ عقیدہ خود قرآن نے بیان کیا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر ۳) کہ ہم ان کی عبادت تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت ان کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، یا یہ کہ ان ہستیوں کو ہم اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔

انسان، جن، فرشتے، غرضیکہ ساری صاحبِ شعور مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ لکھنا شروع کر دے، تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سیاہی ختم ہو جائیگی۔ مگر مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، سائنس دان کہتے ہیں، کہ دنیا میں صرف پودوں کی دس لاکھ سے زیادہ قسمیں ہیں اور درختوں کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ تمام پودے اور درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور تمام سمندروں کے پانیوں کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے اور خدا تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ اتنے کمالات اور وسعت کا مالک ہے

مفسرین کرامؒ کلماتِ الٰہیہ کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات اس قدر وسیع ہیں جو ختم نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات اور اس کی خوبیوں کو لکھنے لگیں تو سات سمندروں کی سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَآ اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے اللہ! میں تو تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا یعنی کما حقہٗ تیری تعریف کر ہی نہیں سکتا، تو ایسا ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی وسعت یا اس کی خوبیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک اور حکمت کا مالک ہے

بعث بعد الموت

ترحید اور صفتِ کمال کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمہاری اولین تخلیق

لہ روح المعانی ص ۲۱ ج ۱۰ و مدارک ص ۲۸۴ ج ۳ و صفوۃ التفاسیر ص ۴۹۶ ج ۲ (فیاض)

خَبِیْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور وہ انہی کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔ اس کی ہر بات مبنی بر حقیقت ہے اور اس کا ہر وعدہ سچا ہے وہ وعدہ الاشریک ہے۔ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ اور اس کے علاوہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ ہر ماسوی اللہ فانی ہے کوئی چیز قائم و دائم رہنے والی نہیں۔ یہ لوگ جن نبی، ولی، بزرگ، شجر، حجر، فرشتے یا جن کو حاجت روا یا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ سب فانی ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند اور بڑائیوں کی مالک ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہیے کیونکہ اس کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ چلاتا ہے بادل کو پھر ملاتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر کر دیتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھتا ہے مینہ کو کہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں میں سے اولے پھر ڈالتا ہے ان کو جس پر چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے جس سے چاہتا ہے قریب ہے کہ بجلی اس کی اچک لے جائے آنکھوں کی روشنی اللہ الٹ پھیر کرتا ہے رات اور دن میں البتہ اس میں عبرت ہے آنکھ والوں کو اور اللہ نے پیدا کیا ہر جانور کو پانی سے پھر بعضے ان میں سے چلتے ہیں پیٹ کے بل اور بعضے ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعضے ان میں سے چلتے ہیں چار پاؤں پر اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اُنہی کی اطاعت گزار بن کر۔ پھر جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف پس بعض اُن میں سے درمیانی چال پر ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کے ساتھ مگر ہر وہ شخص جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمھیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو اللہ کے ساتھ بڑا دھوکے باز ﴿۳۳﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تخلیق کا مسئلہ سمجھایا اور اس کو الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ جب خالق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، واجب الوجود اور رب بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیے، پھر اس میں دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو۔؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات، دن، سورج اور چاند کے تغیرات کا سلسلہ بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت لامحدود ہیں اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی کہ اگر روئے زمین کے تمام درخت اور پودے قلمیں بن جائیں اور ہفت اقلیم کے سمندروں کے پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ اُس کی معلومات یا محمدوثنا کے کلمات لکھنے لگیں تو فرمایا کہ قلمیں گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ اس چیز کو سعدی صاحبؒ نے بھی بیان کیا ہے ؎

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ۔۔۔ ہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

کے پیش نظر ان کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں، سمندر
میں طوفان برپا ہوتے ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی سمندری لہروں پر تنکوں کی طرح
تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی
لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہو جاتے ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ہندوستان
کا جہاز "وارا" سمندر میں غرق ہوا تھا۔ اس پر بارہ سو مسافر سوار تھے۔ باہر طوفان تھا
اور ادھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈوب
گیا اور صرف دو اڑھائی سو آدمی بچائے جا سکے، باقی سب لقمۂ اجل بن گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد سے ایک صاحب اپنے رشتہ داروں
سے ملنے کے لیے گوجرانوالہ آئے اور کوئی مناسب دریافت کرنے کے لیے یہاں مسجد
میں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار
جہاز پر ملازم تھے۔ اسی ہزار ٹن وزنی یہ جہاز کچھ چیز لادنے کر اٹلی سے
امریکہ جا رہا تھا۔ آٹھ دس ملکوں کے آدمی تھے جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے۔
جہاز شدید طوفان میں پھنس کر ڈوبنے لگا۔ اس وقت اللہ کی رحمت کے سوا تمام وسائل
ناکام ہو چکے تھے۔ جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے
شراب پی کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ کہتے ہیں کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ پر
بھروسہ کر کے ایک چھوٹی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم سمندر کی
لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی
سی کشتی کی کیا حیثیت تھی مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔
اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ کسی ملک کے
ہیلی کاپٹر نے ہمیں سمندر سے زندہ نکال لیا اور لے جا کر ہسپتال میں داخل کرا دیا
ہفتہ عشرہ کے بعد ہمارے ہوش و حواس قائم ہوئے تو وطن آنے کی اجازت
ملی۔ مطلب یہ کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا محض اللہ کے فضل و کرم
کا مرہون منت ہے، وگرنہ وسیع و عریض سمندروں کی سطح پر ان کشتیوں اور

گیا، وہ انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

توحید کی دلیل

آگے اللہ نے ایک مثال کے ذریعے توحید پر عقلی دلیل قائم کی ہے مشرکوں کی حالت یہ ہے وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ جب ان کو سمندر کی موجیں بادلوں کے سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہو، کشتی ہچکولے کھا رہی ہو اور اوپر سے بادلوں نے سایہ تان رکھا ہو ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہو تو فرمایا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب بچ جانے کے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں، کسی مادی امداد کی امید ختم ہو جاتی ہے تو پھر آخر کار ساری نظریں اللہ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ اب اس کے سوا اس طوفان سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہی ذات ہے جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو کنارے تک لے جائے۔ لہٰذا گڑگڑا کر اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اور انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے یعنی ان کی کشتی ساحل تک پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو ان میں سے بعض میانہ روی پر آ جاتے ہیں، یعنی اگرچہ ان میں مکمل خوف تو نہیں ہوتا، پھر بھی خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تصور دل میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ توحید کو ماننے والا میانہ روی پر ہوگا۔ جب کہ کفر و شرک کا سر تکبر اور ناشکر گزار آدمی اعتدال سے باہر نکلنے والا ہوگا۔ فرمایا کہ طوفان سے زندہ بچ جانے والے بعض لوگ تو میانہ رو ہو جاتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد شکن اور ناشکرگزار ہوتا ہے۔ ختار کا معنی عہد توڑنے والا ہوتا ہے۔ جب طوفان میں پھنس گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کا وعدہ کیا تھا، مگر جب جان بچ گئی تو پھر وہی

عہد عباسی کا ہندوستان

ہیں۔ ان کے بیٹے [illegible] کے بعد [illegible]

[illegible] کی [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

ہے۔ یہ حادثہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی قریب ترین رشتہ دار اور یار دوست بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آسکیں گے، بلکہ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ دوسرے کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ اللہ نے اسی طامۃ الکبریٰ یعنی بڑے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ وَاخْشَوْا يَوْمًا اور اس دن کا خوف کھاؤ لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ اسی طرح وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی کفالت کر سکے گا مطلب یہ کہ اگر کہیں بیٹا پھنس گیا تو باپ نہیں چھڑا سکے گا اور باپ پھنس گیا تو بیٹا کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت صرف توحید، ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جب کوئی رشتہ دار، کوئی برادری اور کوئی یار دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ سورۃ عبس میں فرمایا اس دن یہ حالت ہوگی يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ کہ آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا اور کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

ایک موقعہ پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں سے خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ، پھوپھی صفیہؓ، چچا عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کر لو۔ میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت کے دن تم کو نہیں بچا سکوں گا۔ لہٰذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

دنیا اور شیطان کا دھوکہ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے قیامت ضرور بپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور سب کو جزائے عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پس اے لوگو! تمہیں دنیا

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۖ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہ اتارتا ہے وہ بارش۔ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں میں ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ مریگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر چیز کی) خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۴﴾

ربط آیات

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا، پھر توحید اور شرک کا مسئلہ بیان ہوا اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ کمال اور بعض مشاہداتِ قدرت کا ذکر کر کے انہیں اپنی توحید پر بطور دلیل پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقوع قیامت، محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مختصہ عالم الغیب ہونے کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

مفاتح الغیب

اس ضمن میں ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور کوئی دوسری ذات ان چیزوں کا تفصیلی اور واضح علم نہیں رکھتی۔ سورۃ الانعام میں ان چیزوں کو مفاتح الغیب بھی کہا گیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

قیامت بھی ہے اور اس مقام پر یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
اور مطلب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس
ہے۔ وقوعِ قیامت کے وقت کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے۔ لَا
يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (آیت - ۱۸۷) اللہ تعالیٰ ہی قیامت
کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے هَلْ
يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ (آیت - ۶۶) کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت
اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ وقوعِ قیامت کی کچھ نشانیاں اور
مابعد کے بعض واقعات تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیے ہیں مگر اس کے وقوع
کا عین وقت اللہ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو۔
یہ علم صرف اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

نزولِ بارش کا علم

فرمایا وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اور وہ بارش نازل کرتا ہے۔ جہاں
تک بارش کا تعلق ہے تو اس کی پیشین گوئی کسی حد تک کی جا سکتی ہے
آج کل محکمہ موسمیات والے بیرومیٹر (BAROMETER) کے ذریعے
ہوا کا دباؤ اور رجحان معلوم کرتے ہیں اور پھر اس سے بارش کے نزول کا علاقہ
اور وقت متعین کرتے ہیں۔ ان کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی
ہے اور بعض مواقع پر غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ بارش کے نزول کا علم
بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مزید برآں یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے،
چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے کوئی بھی ماہر بارش
کے نزول کا عین وقت نہیں بتا سکتا اور نہ ہی وہ حصہ ارضی متعین کر سکتا ہے
جس پر بارش متوقع ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ فی الواقع کتنے انچ یا کتنی
مقدار میں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پر مفید ثابت ہوگی یا سیلاب
کی صورت میں نقصان کا موجب ہوگی۔ یہ تمام تفصیلات نزولِ بارش کا علم

بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

جاننے موت کا علم

اللہ نے پانچویں بات یہ فرمائی وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی۔ مطلب یہ کہ اس چیز کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ روزمرہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ انسان کسی کام کاج کے لیے نکلتا ہے تو اُس کی موت گھر، شہر اور علاقے سے دُور دراز جگہ پر واقع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو بس، ریل یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں جاں بحق ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا ق و رق صحرا میں جان دینے والوں کے متعلق کون جانتا ہے کہ وہ کس مقام پر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پاکستان کی قومی کمپنی کا ہوائی جہاز گلگت سے راولپنڈی آتے ہوئے ایسا غائب ہوا کہ آج تک اُس جگہ کا بھی تعین نہیں ہو سکا۔ جہاں وہ گر کر تباہ ہوا۔ لاش تو کجا اتنے بڑے جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا۔ اُس جہاز کے مسافر اور عملہ کے ممبر جانتے تھے کہ اُن کی موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی پسماندگان کو آج تک اُن کی جائے موت کا علم ہو سکا ہے۔

مفسر ابو سعودؒ فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے۔ اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور کر بغور دیکھا۔ وہ شخص ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور کہیں ہندوستان کے کسی خطے میں بھجوا دو۔ جنات اور ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچ گیا۔ پھر آپ نے ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے

نہ ابو سعود ۱۹۴/۵ و مدارک ۲۸۶/۳ و مظہری ۲۸۰/۷ (فیاض)

اکوان اور احکام کا علم

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں[1] کہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غیب کی چیزوں کا تعلق یا تو احکام سے ہوتا ہے یا اکوان سے۔ احکام سے مراد شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بتلاتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام، یا فلاں کام جائز ہے یا ناجائز۔ یہ احکام از قسم غیب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کلی علم اپنے پیغمبروں کو عطا فرمادیا۔ ہم دین کے کسی مسئلہ یا حکم کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا علم اللہ کے نبی کو نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرعی احکام کا تفصیلی علم دے دیا ہے یا وہ اصول بتلا دیے ہیں جن کی رو سے کوئی حکم نکالا جا سکتا ہے۔ سورۃ الجن میں بھی ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے، وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اسے بذریعہ وحی بتلا دیتا ہے۔

جہاں تک اکوان یعنی اس کائنات میں واقع ہونے والے امور کا تعلق ہے تو یہ چیزیں یا تو مکان سے متعلق ہوتی ہیں یا ماضی، حال یا مستقبل سے۔ ان کی جزئیات کا بے شمار علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو بعض اکوانی چیزوں کا علم دے دیا جو اپنے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تورات رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دیا۔ البتہ شرعی احکام کا علم اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر دیا جو حضرت خضر علیہ السلام کو نہیں دیا۔ بہرحال اس آیت میں مذکور پانچوں چیزوں کا تعلق اکوان یعنی زمان و مکان سے ہے، لہٰذا ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

علم غیب پر رسولی بحث

اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقت میں غیب وہ

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۳۸ (فیاض)

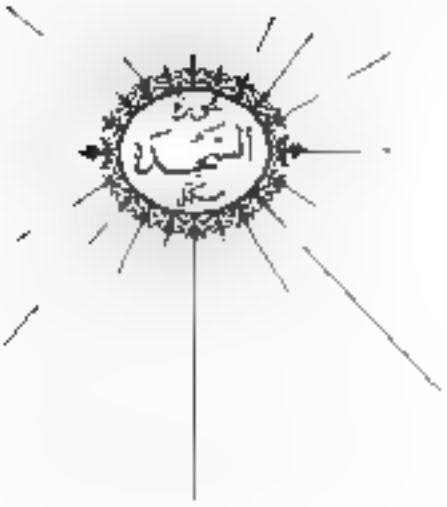
سورة
السجدة
مكية

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سجدہ مکی ہے، یہ تیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ
اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

اس سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سجدہ تلاوت آتا ہے۔ مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت تو بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ پھر اس سورۃ کو یہ خصوصیت ہے کہ اس کا نام ہی سجدہ کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں سجدے کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے کہ جب اہل ایمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ اس سورۃ میں تین سو تیس (۳۳۰) الفاظ اور ایک ہزار پانچ سو ستارہ (۱۵۱۸) حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۃ لقمان کے قریب قریب ہی ہے یعنی یہ بھی مکی دور کے درمیانی یا آخری دور کی سورۃ ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گزشتہ سورۃ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اقامت صلوٰۃ۔ نماز پڑھنے والا آدمی گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

فضائل سورۃ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا۔ تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں سفارش کی اور اس شخص کو اللہ نے عذاب سے بچا لیا۔ یہ وہی سورۃ السجدہ ہے۔

قرآن پاک میں تیس تیس آیات والی تین سورتیں ہیں یعنی سورۃ السجدۃ، سورۃ الملک، اور سورۃ النبا۔ عذاب قبر سے بچاؤ کے لیے ان تینوں سورتوں کی تلاوت مفید ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سونے سے پہلے سورۃ الملک

لہ در منثور ص ۱۶۱ ج ۵

لہ در منثور ص ۱۶۱ ج ۵ و کامل ص ۳۴۲ ج ۳ و فتح القدیر ص ۳۲۲ ج ۴ و تفسیر القرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۴ (فیاض)

کریں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان قوم جس کے پاس قرآن پاک جیسا عظیم دستور العمل موجود ہے، وہ دنیا سدھار کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے، کافر، مشرک اور اشتراکیت زدہ ملک کوریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک پاکستان کے لیے اس سے بڑی لعنت کیا ہو سکتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت ۹۶) اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کی کمائی کے بدلے میں ان کو سزا دی۔ خدا نے تو ایمان اور تقوے کے ذریعے بستیوں کو سدھارنے کا حکم دیا ہے مگر ہم اغیار کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ دنیا اور شہروں کی ترقی کے لیے قرآن سے بڑھ کر کون سا پروگرام ہے۔ کوریا سے تو محض اسکارف کی درآمد ممکن ہے۔ ایک مسلمان قوم کو چاہیے کہ وہ ایمان، تقویٰ اور عدل کی راہ اختیار کرے تو ان کے لیے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

حروف مقطعات

اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات الٓمّٓرٰ سے ہوئی ہے۔ ان حروف کے معانی گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے تھے۔ جن کا بہترین مفہوم وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ[1] ان حروف کی مراد کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں ان تین حروف ا ل اور م میں سے و حلق کی انتہا سے نکلتا ہے۔ ل حلق کی وسط سے اور م کا مخرج ہونٹ ہیں ان حروف سے یہ نکتہ سمجھایا گیا ہے کہ انسان جو

---

[1] جلالین ص ۳ [2] بیضاوی ج ۱ ص ۳۱ (فیاض)

تک عرب کی سرزمین پر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ لوگ واقعی قدیم تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تو بہت سے انبیاء شام و فلسطین میں آتے رہے حتیٰ کہ یمن میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی مبعوث ہوئے۔ مگر عرب کا علاقہ انبیاء کی آمد سے طویل عرصہ تک محروم رہا اور یہ لوگ وحی کے علم سے نابلد رہے۔ اس لیے ان کا لقب اُمّی مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سورۃ کا نام سورۃ الامیین بھی بتایا ہے۔ بہرحال مطلب یہی ہے کہ بنی اسماعیل میں طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نازل فرما کر ان لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا تاکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔

استوی علی العرش

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے عرصے میں پیدا کیا۔ تخلیق ارض و سما کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ فرمایا کہ ان چیزوں کی تخلیق کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا۔ اللہ کریم کا عرش پر مستوی ہونا صفات میں سے ہے۔ اس کا عرش پر قائم ہونا، اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس استوی کو عام انسان کے کرسی صوفے یا چارپائی وغیرہ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادی اشیاء اور زمان و مکان کی قید سے پاک ہے۔ وہ ان چیزوں سے ورا الورا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کو تجلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم سب سے پہلے عرش پر پڑتا ہے، جس سے سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ عرش کے نیچے حظیرۃ القدس کی جماعتیں رہتی ہیں۔

۱؎ ۲؎

ہے اور اُس کے نتائج اُوپر چڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتے ہیں اور پھر ہزار سال تک اُس پر عمل ہوتا ہے اور اُس کے نتائج برآمد ہو کر اُوپر چڑھتے ہیں اور پھر دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی آیا ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج ۴۷) تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے امور اور انتظام سے متعلق حکم عرش سے جاری ہوتا ہے۔ پھر وہ نیچے کی طرف آتا ہے تو تمام حسی، معنوی، ظاہری اور باطنی اسباب جمع ہو کر اُس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق وہ حکم طویل مدت تک نافذ رہتا ہے اور اس کے بعد اُسے واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال پیغمبروں کی بعثت ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیم کا اثر قرنوں تک رہا۔ اس طرح بڑی بڑی قوموں اور نسلوں کی عملداری سینکڑوں اور ہزاروں سال تک چلتی رہی۔ غرضیکہ فرمایا کہ اس دنیا کا ایک ہزار سال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بتائی گئی ہے تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴) فرشتے اور جبریلؑ اس ایک دن میں اُوپر چڑھتے ہیں اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس کی طوالت یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ گنہگاروں کے لیے یہ دن اگرچہ اتنا طویل ہوگا۔ مگر اہل ایمان پر یہ عرصہ جلد گزر

لہ موضح القرآن ص ۴۹۷ (ریاض)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٦
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٨ ثُمَّ
سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ۝٩ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ
ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ
رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝١٠ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ
الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ۝١١ ع ۱

ترجمہ: وہی ہے جاننے والا پوشیدہ بات اور
کھلی بات کو۔ کامل قدرت کا مالک اور نہایت رحم
کرنے والا ۝٦ وہ جس نے اچھا کیا ہے ہر ایک
چیز کو جس کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ اور شروع کی
ہے اُس نے انسان کی پیدائش مٹی سے ۝٧ پھر بنایا
ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے ۝٨

صفات کی نسبت جب اس جہان کی تخلیق کی طرف کی جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے اُس کی چار صفاتِ مختصہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صفت ابداع یا تطور ہے۔ قرآن میں اس صفت کا ذکر جگہ جگہ آتا ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ-۱۱۷) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر-۱) وہ خدا تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ بدیع یا فاطر ایسی تخلیق کرتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے یا نمونے کے کی گئی ہو۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی اس کے لیے مادہ تیار کیا گیا۔ نہ اُن کو بنانے کے لیے کسی مشینری یا لیبر کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پہلے سے کوئی سمپل موجود تھے جس کی نقل کی گئی ہو، تو گویا آسمان و زمین کی تخلیق کے ضمن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفتِ بدیع نے کام کیا۔

اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کسی دوسرے مادے سے تیار کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مادے کے پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹)۔ اللہ نے اُن کو مٹی کے مادے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ مٹی یا زمین کی تخلیق صفت ابداع کے مطابق بغیر مادے کے ہوئی تھی۔ اب آدم علیہ السلام کی تخلیق اس مٹی کے مادے سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے، کسی چیز کا گھٹانا، بڑھانا، صحت، بیماری ترقی و تنزل، زندہ کرنا، مارنا، غرضیکہ تمام تغیرات و تصرفات اللہ کی صفت تدبیر کے تحت انجام پاتے ہیں۔ یہ ساری تدبیر بھی اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام بھی اُس نے کسی دوسری ہستی کے سپرد نہیں کیا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلّی ہے۔ جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کے قلب پر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عکس پڑتا ہے، اسی کو تدلّی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ لوگ حجاب مادیت، حجاب رسم و رواج یا حجاب سوءِ معرفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے

بہترین تخلیق

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ جس نے اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو خوب بنایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر شے کو ایسی کمالِ حکمت اور کمالِ مصلحت سے تخلیق کیا ہے کہ اس سے بہتر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ امام غزالیؒ کا قول بھی ہے کہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہتر تخلیق ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں درخت، پہاڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کے شاہکار ہیں۔ خاص طور پہ انسان کے متعلق فرمایا، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین۔۴) ہم نے انسان کو بہترین سرشت میں پیدا کیا۔ انسان کی ظاہری شکل و صورت اس کا قد، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو کمال درجے کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کر دی ہے پھر فرمایا وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی۔ انسان میں تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے جس سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران۔ ۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے تخلیق فرمایا۔ الغرض! اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کرنے کے بعد ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّہِیْنٍ اس کی نسل کو ایک حقیر قطرۂ آب کے خلاصے سے چلایا۔ اب نسلِ انسانی قطرۂ آب سے چل رہی ہے۔ یہ قطرہ عورت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس طرح نسلِ انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

فرمایا ثُمَّ سَوّٰىہُ پھر رحمِ مادر میں بچے کے اعضاء و جوارح کو درست کیا۔ ہر عضو کو اپنے ٹھکانے پر رکھا، اس میں حواسِ ظاہرہ اور باطنہ پیدا کیے جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ تو پھر اس میں اپنی

اسی طرح دِل بھی انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، یہ مرکزِ شعور ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور محبت و نفرت کے جذبات دِل میں ہی پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو حواسِ خمسہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جن کے ذریعہ انسان سننے اور دیکھنے کے علاوہ سونگھتا ہے، چکھتا ہے اور ٹٹولتا ہے۔ فرمایا اتنی عظیم نعمتیں حاصل کرنے کے باوجود قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے خالق اور مالک کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان اعضائے رئیسہ کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کانوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمودات اور دوسری اچھی باتیں سنے، اپنے کاروبار، صنعت و حرفت اور فن کو سیکھنے کے لیے استعمال کرے کے حلال روزی کا بندوبست کرے۔ اسی طرح آنکھوں کے ساتھ قرآن پاک کی زیارت اور اس کی تلاوت کرے دیگر کتبِ دینیہ کا مطالعہ کرے، نشاناتِ قدرت کو دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کے کلمات زبان پر لائے اور اُن سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ کی عطا کردہ نگاہ کسی غلط مقام پر نہ ڈالے اور نہ کانوں کے ذریعے حرام باتوں کو سنے۔ اسی طرح دِل کا شکریہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے اور اس میں بُرے وساوس اور غلط ارادوں کو داخل نہ ہونے دے۔ فرمایا تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں

کفار و مشرکین بعث بعد الموت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ اس ضمن میں طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ کہتے تھے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہو کر مٹی میں رل مل جائیں گے اور ہمارے ذرات منتشر ہو جائیں گے ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟ جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا جسم حتیٰ کہ ہڈیاں بھی گل

بعث بعد الموت

[illegible]

جو تمام کائنات کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی روحیں قبض کرنے پر مامور ہے سورۃ الانعام میں ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (آیت ۔ ۶۱) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان کو قبض کر لیتے ہیں۔ مفسرین کرامؒ اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حتیٰ کہ اس کے ناخنوں اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الواقعۃ ۔ ۸۳) حتیٰ کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔

حدیث[1] میں ایک انصاری صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام اس کی نزع کی حالت میں اس کے پاس گئے۔ وہاں ملک الموت موجود تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ جان کنی میں نرمی اختیار کرو۔ اس نے جواب دیا، اے محمدؐ! خدا کی قسم میں تو ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں تلاش کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس مقام پہ قبض کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا میں تو صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے بھی عین وقت پہ ہی بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان فلاں، وقت اور فلاں مقام پہ قبض کرنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ملک الموت مقرر ہے جو تمہاری جانوں کو قبض کر لیتا ہے۔

بعد از وفات — فرمایا جب کسی شخص کی روح قبض کر لی جاتی ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

---

[1] جمل ص ۴۱۵ ج ۳

[2] روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۲۱ و قرطبی ص ۹۳ ج ۱۴ و در منثور ص ۱۷۳ ج ۵ (فیاض)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا
لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا
خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯

ترجمہ:- اور اگر آپ دیکھیں (اس حالت کو) جب
کہ مجرم لوگ اپنے سر نیچے کیے ہوئے ہوں گے
اپنے پروردگار کے سامنے (اور کہیں گے) اے ہمارے

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ درمیان میں اختصار کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب کیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کرے گا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا تو اب دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ سب کو ضرور زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا، اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش

اب اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے۔ آج تو لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں مگر قیامت کے دن جب یہ فی الواقعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے تو اس کی پشیمانی قابل دید ہو گی۔ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جب کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سرنگوں حاضر ہوں گے، ندامت اور شرمساری کے ساتھ عرض کریں گے رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا وَسَمِعْنَا اور اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب ہمیں یقین آچکا ہے کہ جس چیز کو ہم بعید خیال کرتے تھے، وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا اب ہماری درخواست یہ ہے۔ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے اب کی دفعہ ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ بیشک ہمیں یقین آگیا ہے کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو جو پیغام بھیجے۔ وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اب ہم برے عقائد و اعمال کو ترک کر کے اچھے عقائد و اعمال اختیار کریں گے۔ سورۃ الشعراء میں مجرموں کا یہ بیان آتا ہے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت ۱۰۲) اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقعہ مل جائے تو ہم وقوع قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آئیں گے۔ تیرے انبیاء اور کتابوں کو تسلیم کر لیں گے اور نیت

[illegible]

[illegible]

اُس کی اپنی پسند یا ناپسند ہے

فرمایا اگر ہم چاہتے تو سب کو راہِ راست پر لے آتے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا۔ جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اُس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے تھے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (ص - ۸۵) میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔

ہمیشگی کا عذاب

فرمایا اب تمھاری دنیا میں واپسی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی، اب تو صرف دنیا کی زندگی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا پس اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اُس وقت تو کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت ہے، نہ حساب کتاب کی منزل اور نہ ہی جزائے عمل۔ دراصل فراموش شدہ چیز کا تذکرہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ آج ہم بھی تمھیں نظر انداز کر دیں گے۔ آج تمھاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں گے بلکہ اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اب تمھارے ساتھ یہی سلوک ہونے والا ہے وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اب اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ عقیدہ بھی ایک ذہنی چیز ہے جسے انسان اپنے ذہن و قلب اور روح میں جما لیتا ہے۔ پھر جب یہ عقیدہ ہی باطل ہو جائے، انسان کفر اور شرک کو اپنے آپ پر طاری کر لے تو اس کی سزا

اور اگر مجلس کی تبدیلی کے بعد دوبارہ یہی آیت پڑھی یا سنی گئی تو دوبارہ سجدہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

تکبر کی بیماری

فرمایا ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے لوگ آیات کو سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ تکبر بہت بڑی خصلت ہے، جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان تکبر ہی کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ دیگر قباحتوں کی نسبت تکبر کو دل سے نکالنا زیادہ مشکل ہے۔ چنانچہ بیعت کا مقصد انسان کی تربیت اور اصلاح ہے۔ محض رسومات از قسم نذر، قوالی وغیرہ کرانا تربیت کا مقصود نہیں ہے۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کی اس طرح تربیت کرے کہ اس کی تمام بری خصلتیں دور ہو کر اچھی خصلتیں پیدا ہو جائیں۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی بہت بڑے بزرگ، عالم دین، مفتی اور پیر بھی تھے۔ سلوک کے موضوع پر آپ کی کتاب "تربیت السالک" وغیرہ پڑھیں۔ آپ کے مریدخطوط کے ذریعے اپنے اشکال پیش کرتے تھے اور آپ ہر اشکال کا علاج تجویز فرماتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ فلاں خصلت کو اس طرح دور کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلاں عمل کرنا ہے۔ آپ نے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ہر قسم کے لوگوں کے اصلاح کا سلسلہ قائم کیا اور درجہ کمال تک پہنچے۔ ابھی حال میں کراچی کے ڈاکٹر عبدالحی فوت ہوئے ہیں آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے، اور وکیل تھے۔ انہوں نے حضرت تھانوی سے بیعت کر کے علم اور تربیت دونوں چیزیں حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمالیت دی اور انہیں کمال درجے کا مرشد بنا دیا۔ بہرحال تکبر کے متعلق پرانے بزرگ فرماتے ہیں نقل الجبال اليسر من اخراج الكبر من القلوب یعنی سوئی کے ذریعے پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تکبر کو دلوں سے نکالنے کی نسبت آسان کام ہے

حضرت علیہ السلام کے بعض ارشاد سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ تہجد کی نماز ہے۔ آپؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں ایسے بہترین محلات ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! یہ محلات کن لوگوں کی قسمت میں ہوں گے؟ فرمایا جو روزہ رکھیں گے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے۔ وَالنَّاسُ نِیَامٌ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہا یہ بات کہ اہل ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور ایمان کے ساتھ پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں بلکہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْمَخَافَۃِ وَالرَّجَاءِ ایماندار آدمی کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت اور اس کی گرفت کا خوف ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء بھی اس کے خوف سے لرزتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الشعراء ۔ ۸۲) پروردگار! قیامت کے دن میری لغزشوں کو معاف فرما دینا۔ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ دوسری طرف مومن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پر اُمید رہتے ہیں کہ وہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، کیونکہ اس کی رحمت اس کے قہر پر غالب ہے۔

فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ عشر، بادساکین

لہ قرطبی ص ۱۰۱ ج ۱۴ و خازن ص ۲۲۳ ج ۵

لہ معالم التنزیل ص ۱۵۹ ج ۴ و خازن ص ۲۲۵ ج ۵ (خاص)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ
اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾
اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ
لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۭ نُزُلًۢا
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ
يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ
ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ
الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ
رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۱۵

ترجمہ:۔ پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ رکھی
گئی ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بدلہ اس کا

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

خفیہ انعامات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے لیے اپنے خفیہ انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ پس کوئی نفس نہیں جانتا جو پوشیدہ رکھی گئی ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ مطلب یہ کہ آج کسی اہل ایمان کے علم میں بھی نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیسے کیسے انعامات خفیہ طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ جو انہیں بہشت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوں گے۔ اور ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے۔ یعنی وہ اس جزائے عمل سے بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ انجام دیتے رہے۔

گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے بندے راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں رات کے وقت چھپ چھپا کر بارگاہ ایزدی میں مناجات کرتے رہے اسی طرح اللہ نے ان کے انعامات کو بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے جن کا علم انہیں وہیں جا کر ہوگا۔ اور وہ ان کے لیے اپنا تک خوشی کا باعث بنیں گے۔ حدیث شریف[1] میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی دل پر کھلی ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَا تَعْلَمُ ۔ ۔ ۔ الخ

نیک و بد کا انجام

ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد استفہامیہ انداز میں فرمایا اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا ایک مومن

---

[1] تفسیر طبری ص۱۳ ج۲۱ و ابن کثیر ص۳۶ ج۳ و روح المعانی ص۱۲۳ ج۲۱ (فیاض)

میں پانی کی نہریں جاری ہوں گی اور درختوں پر ہر طرح کے پھل موجود ہوں گے۔ فرمایا یہ سب کچھ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا ان اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے۔

اہل جنت کو یہ نعمتیں بغیر مشقت کے حاصل ہوں گی کیونکہ یہ ان کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ اپنے گھر میں انسان ہر طرح کی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے تب جا کر مطلوبہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نعمت کے ختم ہو جانے کا ہر آن امکان رہتا ہے، خود انسانی زندگی روبہ زوال رہتی ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور تمام نعمتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، موت سے پہلے طرح طرح کی بیماریاں اور حوادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے مگر جنت میں نہ تو زندگی ختم ہوگی اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔ اہل ایمان کی یہ مہمان نوازی دائمی ہوگی اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال انجام دیتے رہے۔

کفار کا انجام

اس کے بالمقابل کفار کے متعلق فرمایا وَمَا الَّذِينَ فَسَقُوا بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ فسق کا اطلاق انسان کی مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ مطلق گنہگار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا وَأَكْثَرُهُمُ فَاسِقُونَ (التوبہ ۔ ۸) ان میں سے اکثر فاسق ہیں اور اہل کتاب کے متعلق بھی فرمایا وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (آل عمران ۔ ۱۱۰) ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ منافقوں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ (التوبہ ۔ ۹۶) تاہم اس مقام پر فاسق سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے کفر اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ان کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہوگی۔ اور وہ ایسا بدترین ٹھکانہ ہے كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجرمین کو دنیا میں اس دنیوی نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرائم کی سزا دیتا رہتا ہے۔ کوئی بیماری لگ گئی، حادثہ پیش آگیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہو گیا، قحط پڑ گیا یا جنگ مسلط ہو گئی۔ یہ سزائیں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کی تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سعادت مند لوگ سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرائم سے باز بھی آجاتے ہیں مگر جو ناہنجار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ تنبیہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور اعمال بد میں منہمک رہتے ہیں۔ اور پھر آخر کار بڑے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ بعض اوقات لوگ سزا کے مستحق بن جاتے ہیں مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ سزا ٹلی رہتی ہے۔ پھر جب وہ اسباب رفع ہو جاتے ہیں تو مقررہ سزا طوفان کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے۔

آیات الٰہی سے اعراض

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں یا اس نے اپنی وحدانیت کے یہ دلائل پیش کئے ہیں ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو پھر وہ شخص ان سے اعراض کر جاتا ہے۔ آیات الٰہی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ ہر اچھی بات سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ اللہ نے اعراض کی یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ وہ اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ حق بات سے منہ موڑ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ظاہر ہے

(فیاض)

سلہ حجۃ اللہ البالغہ۔

الغرض! ان تین قسم کے جرائم کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کے سامنے اُس کے رب کی آیات ذکر کی جائیں۔ اور وہ اعراض کر جائے۔ اللہ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى
لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً
يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۖ وَكَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ
فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا
يَسْمَعُوْنَ ۝

کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں
میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۴۵﴾ کیا اِن لوگوں
کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم
نے کتنی ہی جماعتیں ہلاک کی ہیں جن کے ٹھکانوں میں یہ
چلتے ہیں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سنتے
نہیں ؟ ﴿۴۶﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر منکرین قیامت کا رد ہوا اور قیامت میں پیش آنے والے بعض واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور فسق کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور بطور تنبیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب بھی بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگ بُرے عقائد و اعمال سے باز آجائیں پھر اللہ نے منکرین کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ آیاتِ الٰہی کو سُن کر ان سے اعراض کرتے ہیں، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے ؟

نزولِ تورات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ تورات کا ذکر فرما کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تعلیم و اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

پیش کریں گے کہ آپ کی قوم نے اس عظیم کتاب سے اعراض کیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے ۔
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝
(آیت ۳۰) اللہ کا رسول کہے گا، پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ نے ایک تیسری تفسیر بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین ملاقاتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ واقعہ معراج والی حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا گزر ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون ہیں، تو میں نے دیکھا رَاَيْتُ مُوْسٰى قَائِمًا يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ علیہ السلام بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام کے تمام انبیاء کو موجود پایا جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے تیسری ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی۔ اللہ نے آپ کی امت کے لیے پچاس نمازیں مقرر فرمائیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ ان میں کمی کرائیں کیونکہ آپ کی امت اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بار بار اللہ کے حضور درخواست پیش کرتے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ نے بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام سے ہی ملاقات کی تھی۔ جو کہ جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج کے موقعہ پر انبیاء

---

[1] تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ صـ۲۲۶

[2] خازن صـ۲۲۶/۵ ج۔ مظہری صـ۲۹۵/۷ ج۔ [3] مسلم صـ۲۶۸/۲ ج۔ نسائی صـ۲۴۲/۱ ج۔ مسند احمد صـ۱۴۸/۳ ج (فیاض)

کے اجر ملے گا۔ مگر صبر کا اعلیٰ درجہ صبر ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب بنی اسرائیل کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کی تلقین کی۔ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر اختیار کرو وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (آیت ۱۲۸) اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔

امامت کے لیے دوسری شرط یقین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام اور ان کے نتائج پر یقین ہو۔ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو اصول وضع فرمائے ہیں سب کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت پر یقین ہو۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل پر یقین ہو۔ اللہ کی جنت اور دوزخ پر یقین ہو۔ اگر کوئی شخص متردد رہے گا۔ اور ان چیزوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تو وہ امامت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

امام سفیان ثوریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ ان سے حضرت علیؓ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔ اگر سر نہ ہو تو جسم بیکار ہے۔ اسی طرح اگر صبر نہیں تو ایمان ناممکن ہے۔ اس پر امام ثوریؒ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اس بنیادی چیز کو پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں امامت عطا فرمائی۔ سورۃ فرقان میں اللہ کے نیک بندوں کی دعا بھی ہے، وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (آیت ۷۴) مولا کریم! ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنا دے جو ہماری اقتدا کریں۔ بشرطیکہ جب صبر اور یقین جیسی چیز حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ منصب امامت پر فائز کرے گا۔

مسلمانوں کی محرومی

مسلمان آج دنیا کی امامت سے محروم ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ صبر اور

لہ

ہمارے عوامی نمائندے کہتے ہیں کہ ہر بے زمین کاشتکار کو زمین اور ہر بے گھر خاندان کو مکان کے لیے پلاٹ دیے جائیں گے۔ یہ تو ممکن ہو سکتا ہے۔ جب برخود اپنی زمینوں کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ اپنی جاگیریں چھوڑنے کے لیے تیار ہیں تو باقیوں کو تقسیم کرنے کے لیے زمین کہاں سے آئے گی؟ یہ سب دھوکہ ہے۔ جب تک تم خود عوامی معیار اختیار نہیں کرو گے، عوام کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ جو لوگ اعلیٰ ترین رہائشیں اختیار کرتے ہیں، اعلیٰ ترین ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں، بہترین کار استعمال کرتے ہیں اور دیگر تمام سہولتیں حاصل کرتے ہیں انھیں عوامی مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

بہرحال اللہ نے اصول کے طور پر بتلا دیا کہ بنی اسرائیل نے صبر کیا، ہماری آیتوں پر یقین کیا تو اللہ نے دنیا کی امامت ان کے سپرد کر دی۔ اگر مسلمان بھی دنیا کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تو انہی اصولوں کو اپنانا پڑے گا اور اس کے لیے سب سے پہلے خود کو تبدیل کرنا ہوگا۔ وگرنہ موجودہ اکھاڑی اور سڑیہ زرائہ نظام کی موجودگی میں تو اصلاح کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی۔

قیامت کے دن فیصلہ

فرمایا آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کا دامن نہ چھوڑیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بیشک تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، ان معاملات میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے تھے اور باطل کو رائج کرنا چاہتے تھے، اللہ کے انبیاء اور مصلحین کو ایذا میں پہنچاتے تھے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے، ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ دنیا میں تو اللہ نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل واضح کر دیا تھا جیسا کہ فرمایا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶)، اس وضاحت کے باوجود جنہوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ان کے متعلق دو ٹوک فیصلہ قیامت کے دن ہو جائے گا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ
أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ
الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾
فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ:- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف پس ہم نکالتے
ہیں اس کے ساتھ کھیتی کہ کھاتے ہیں اس سے ان
کے مویشی اور یہ خود بھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں؟ ﴿۲۷﴾
اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ فیصلہ،
اگر تم سچے ہو؟ ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے
دن نہیں فائدہ دے گا کفر کرنے والوں کو ان کا
ایمان لانا، اور نہ ان کو مہلت دی جائیگی ﴿۲۹﴾ پس
(اے پیغمبر!) آپ ان سے اعراض کریں، اور انتظار
کریں بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

ربط آیات — گذشتہ آیات میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ تھا کہ کیا

قرآن پاک میں اکثر مقامات پر اللہ نے پانی کے نزول کا ذکر اس طرح کیا ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نزولِ آب سے مراد نزولِ بارش ہے جو براہِ راست کسی خطۂ ارض میں برس کر وہاں کی خوشحالی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ تاہم اس مقام پر اللہ نے پانی کو چلانے کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے ہیں۔ اس چلانے سے بادلوں کا چلانا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے کسی خاص زمین کی طرف چل کر بارش برساتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پانی کو ایسی جگہوں تک چلا کر لے جاتے ہیں جہاں براہِ راست بارش نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی ہے تو مفید نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال پہاڑوں پر ہونے والی بارش کی ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں سے نیچے ندی نالوں کی صورت میں بہ نکلتا ہے اور اس سے میدانی علاقے سیراب ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے علاقے بھی ہوتے ہیں۔ جہاں بارش بالکل نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کم یا بے وقت ہوتی ہے اور لوگ اس سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتے۔ پھر جب پہاڑوں پر ہونے والی بارش یا پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے دور دراز علاقوں تک پہنچتا ہے تو لوگ ہر موسم میں حسبِ ضرورت اس کو استعمال کرتے ہیں اور اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چلانے کی ایک اور صورت بھی اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ (الزمر ۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اور اسے زمین میں چشمے بنا کر چلاتا ہے۔ گویا زمین کے ذخائر کے ذریعے پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور پھر لوگ ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے پانی نکال کر زمین کو سیراب کرتے ہیں، خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے پانی کو دلیلِ قدرت کے طور پر پیش کیا ہے

مادہ خون پر ہی انسانی جسم کا دارومدار ہے، لہٰذا پانی ہر جاندار کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ اللہ نے اسی لیے یہ احسان جتلایا ہے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اگاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔

حیوانات اور نباتات کے لیے پانی کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، اللہ نے اسی قدر اس کی بہم رسانی کا بھی فوری انتظام فرمایا ہے۔ قدرت کا مہیا کردہ ذخیرہ آب تو بالکل مفت ہے، البتہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کبھی کم اور کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے ہوا آکسیجن پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اس کو بالکل ہی فری مہیا کیا ہے۔ ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پانی کی سپلائی بھی بالکل فری ہونی چاہیئے، اور اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں عائد ہونا چاہیئے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے کونے کونے میں حسب ضرورت پانی مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

وہ کل قدرت کا مشاہدہ

فرمایا ہم نے پانی کو چلا کر اس سے سبزی، پھل اور اناج پیدا کیے ہیں، اور اسے انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنایا ہے۔ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ کیا یہ لوگ قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے جو ہر روز مشاہدہ میں آتی ہے۔ لوگوں کے سامنے بارش برستی ہے، زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے، فصل پکتی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ کیا یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں؟ گذشتہ درس میں تاریخی واقعات کا ذکر کرکے اللہ نے فرمایا، کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے اور اب مشاہداتی مثال بیان کرکے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ بعض باتیں سن کر اور بعض چیزیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور آنے والی ابدی

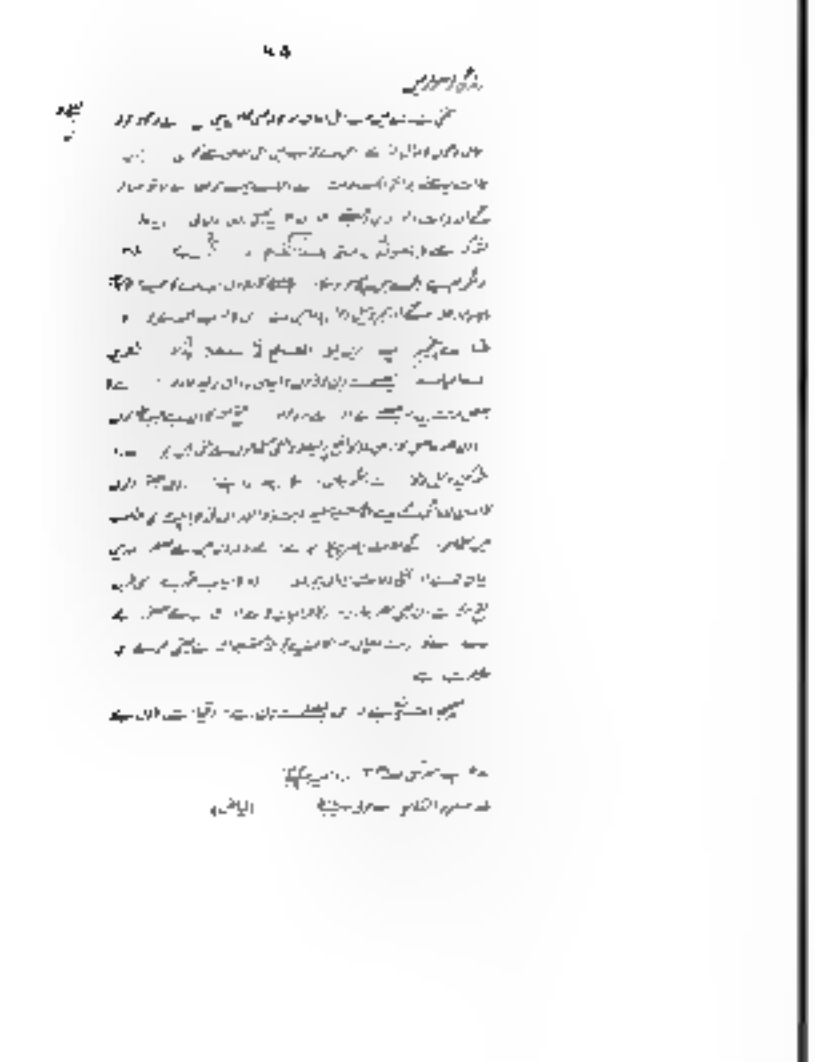

کہ اُس دن ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانا ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ اور نہ ہی اُن کو مزید مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس جا کر اپنے عقائد اور اعمال کو درست کر لیں۔ پچھلے دو سبق رکوع کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ جب مجرم لوگ عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (آیت ۱۲) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج ہم اچھے کام انجام دیں گے اور تیری باتوں پر یقین کریں گے۔ مگر اُس وقت کی درخواست قبول نہیں ہوگی اور ایسے مجرموں کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اللہ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کر جزائے عمل کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ اُس وقت اُن کی حالت یہ ہوگی فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (المؤمن ۵۲) کہ اُس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ مفید نہیں ہوگی، اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کو منانے کا موقع ملے گا۔

درگزر اور انتظار

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ آپ اِن بدبختوں کی ایذا رسانیوں پر درگزر کریں، اُن کی طرف سے صبر سے کام لیں اور فتح کے وقت کا انتظار کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایذا رسانیوں اور تمہارے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ اہل ایمان کو دنیا و آخرت ہر دو جگہ پہ کامیابی حاصل ہوگی، جب کہ کافر اور مشرک ذلیل و خوار ہی ہونگے۔ آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے مگر انہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کن کے ساتھ ہے اور وہ کس طرح اہل ایمان کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

فضائل سورۃ

یہ تین رکوع کی تیس آیات والی سورۃ ہے۔ سورۃ الملک کی بھی تیس

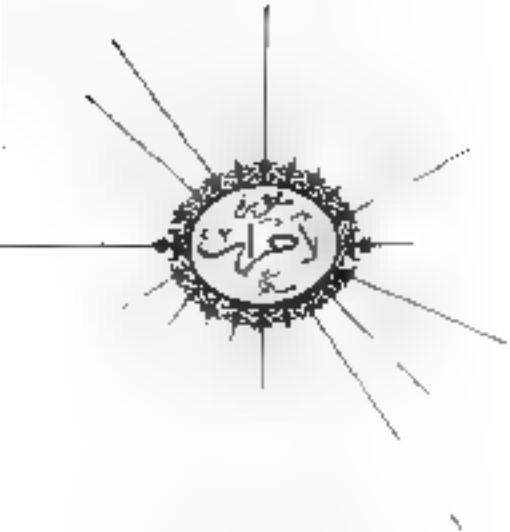

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احزاب مدنی ہے۔ یہ تہتر آیتیں ہیں، اور اس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

ترجمہ:۔ اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے اور نہ کہا مانیں آپ کافروں اور منافقوں کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ① اور پیروی کریں آپ اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے ② اور آپ بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ

۵

ختم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے متعلق طلاق اور عدت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیات اور عام مومنہ عورتوں کے بعض مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مشرکین متبنّیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کر حقیقی بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جب کہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے۔ خاص طور پر متبنّیٰ کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ عورتوں کے لیے پردے کے احکام نازل کیے گئے ہیں بعض تعزیری احکام بھی آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمجید اور ختم نبوت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب ہیں، آپ کی تعظیم و توقیر کا خصوصی ذکر ہے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ ہے۔ آپ کے لیے چار سے زائد نکاح کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

اس سورۃ مبارکہ کی سابقہ سورۃ التحریم کے ساتھ یہ نسبت ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام مومنین کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا تھا کہ آپ اپنے مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں، اپنا کام کرتے رہیں اور نتائج کا انتظار کریں اب اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ نے تسلی کے مضمون سے کی ہے۔

شرف خاتم النبیین

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانوں کو مختلف طریقوں سے خطاب فرمایا ہے جہاں عام مومنوں سے خطاب مطلوب ہوتا ہے وہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ آتے ہیں اور جہاں پوری بنی نوع انسان کی توجہ مطلوب ہوتی وہاں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے البتہ جہاں خصوصی احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یا تسلی دینا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں پر خاص طور پر نبی علیہ السلام کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی پیغمبر علیہ السلام کو خصوصی خطاب ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہیں۔ وہ جس نہج پر آپ کو چلانا چاہتے ہیں، آپ اس سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں۔ نبی کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی وقت خوفِ خدا سے غافل بھی ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر - ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو سارے عمل ضائع ہو جائیں گے کہ شرک اتنی بڑی چیز ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے بھلا اللہ کے نبی سے شرک کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ جب کہ اس کا اولین منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں کو شرک سے باز رکھے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم ہیں اسی طرح اس پر قائم رہیں۔ یہاں بھی خوفِ خدا پر مداومت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے ایک بزرگ طلق ابن حبیبؒ سے تقویٰ کا یہ معنی نقل کیا ہے اَنْ تَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ وَتَرْجُوْا ثَوَابَ اللّٰهِ وَتَتْرُكَ مَعْصِيَةَ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عطا کردہ روشنی کے تحت اللہ کی طاعت پر عمل کرتے رہیں، اللہ سے ثواب کی امید رکھیں اور اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اس نورِ ایمان اور نورِ ہدایت کے ذریعے جو اللہ نے عطا کیا ہے، اور خدا کے عذاب سے برابر ڈرتے رہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

مداہنت کی ممانعت

مکی زندگی میں کفار و مشرکین حضور علیہ السلام سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے اور ان کی یہ پیشکش مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین

لہ ابن کثیر ص ۳۶۲ ج ۳ (فیاض)

نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور ملحد کی بات نہیں مانی جا سکتی، نہ اُن سے مشورہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں قانون سازی کے لیے غیر مسلموں، عیسائیوں کو یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھئے! اسلام نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہماری ساری بینکاری سودی نظام پر چل رہی ہے جب بھی سودی نظام کو ختم کرنے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تو پھر مشورہ غیر مسلموں سے ہی لیا جاتا ہے کہ بتاؤ ہم سودی نظام کو اسلامی نظام میں کیسے تبدیل کریں۔ یہی تو خرابی ہے جو ہمیں اسلامی قوانین رائج کرنے میں پیش آ رہی ہے۔ ہاں البتہ عام دنیوی لین دین، تجارت اور انتظامی امور کے متعلق ہر اچھی رائے کو قبول کیا جا سکتا ہے خواہ وہ کسی طرف سے آئے مگر دین کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہے

چار اعدائے دین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری دشمن تو یہی کافر اور منافق ہیں جن سے اس آیت کریمہ میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کافر کھلم کھلا اسلام دشمنی کرتے ہیں۔ جب کہ منافق در پردہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ دین کے باطنی دشمنوں میں پہلے نمبر پر شیطان ہے جو نظر تو نہیں آتا۔ مگر انسانی دل و دماغ میں وسوسہ ڈال کر اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اُس نے اللہ کے سامنے عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر بہکاؤں گا۔ میں ان کو دین کے معاملہ میں گمراہ کروں گا۔ ان کے بُرے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر کے دکھاؤں گا۔ اور دنیوی معاملات میں ان کو بہکا پھسلا کر برائی کی طرف مائل کروں گا۔ ایسے دشمن سے

---

[1] روح المعانی صـ ۱۴۲ ج ۲۱ و مظہری صـ ۳۰۳ ج ۷ (فیاض)

ہے تو یہ نام نہاد لیڈر طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر عوام کو اپنے پیچھے لگا کر ووٹ حاصل کرتے ہیں اور پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کے یہ نام لیوا بھلا کون سا اسلامی قانون لائیں گے، یہ تو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں۔ پارلیمنٹ کا ممبر تو وہ آدمی بننا چاہیئے جو اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کو جاننے والا ہو۔ ان چیزوں سے بے بہرہ لوگ اسلام کی کیا نمائندگی کریں گے اور کونسا قانون پاس کریں گے؟ ممبری کے قابل تو وہ شخص ہے جو دین کے اساسی قانون سے واقف ہو اور پھر اپنے اندر قربانی کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ ذاتی اغراض کو پسِ پشت ڈال کر اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عوام سے فراڈ ہی ہوتا رہے گا۔ لوگ پراپیگنڈا کے زور پہ یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی فلاں آدمی یا جماعت ہماری نجات دہندہ ثابت ہوگی مگر وہ سراسر دھوکہ ہوتا ہے۔ رسل لائے دور میں ہم نے کتنی بار کہا تھا کہ اب تمام اختیارات فرد واحد میں مرتکز ہو چکے ہیں۔ نام نہاد عوامی نمائندوں سے جان چھوٹ چکی ہے لہٰذا اب بلا حیل و حجت قرآن کا قانون نافذ کر دیا جائے اور اس کے مخالفین کو تختہ دار پہ چڑھا دو پھر دیکھیں کون مخالفت کرتا ہے۔ مگر ہماری یہ آواز بھی بیکار ثابت ہوئی۔ اسلام کے نام پہ ریفرنڈم کرایا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا واقعی اسلام نافذ ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کا ارادہ ہی نہیں۔ ورنہ اس سے بہتر موقع کوئی نہیں آسکتا تھا مگر وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب پھر وہی نام نہاد جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے جس میں ووٹ خریدے جاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں پہنچ کر سب سے پہلے الیکشن کے اخراجات کا ڈنگ چوگن اکٹھا کیا جاتا ہے اور باقی وقت ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور اسلام کا محض نعرہ ہی رہ جاتا ہے، اسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے خود ممبروں کے مفاد پہ زد پڑتی ہے۔ مقصد یہ کہ خود ہمارے لیڈر ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں ورنہ عوام میں تو کہیں نہ کہیں ایمان موجود ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (آیت ۹) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا کارساز بھی اسی کو سمجھو۔ وہی بگڑی بنائے گا کہ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ توحید خالص کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی صورت میں شرک نہ کرو۔ اس کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھو۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ
جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ
تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى
السَّبِيْلَ ۝٤ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۚ وَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝٥

ترجمہ: نہیں ٹھہرائے اللہ نے کسی شخص کے لیے
دو دل اس کے پیٹ میں اور نہیں بنایا اس نے تمہاری
بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور
نہیں بنایا اس نے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ
بات ہے تمہارے منہ کی کہنے کی اور اللہ کہتا ہے حق اور
وہی راہ سمجھاتا ہے

رشتے کی (۴) پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف
نسبت کرکے۔ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے
اللہ کے نزدیک۔ پس اگر تم نہ جانتے ہو ان کے
باپوں کو پس وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور تمہارے
ساتھی ہیں۔ اور نہیں تم پر گناہ اس چیز میں جو تم نے
خطا کی، لیکن گناہ اس میں ہے جو تمہارے دلوں نے
پختہ ارادہ سے کیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (۵)

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ وحی الٰہی کا اتباع کریں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھیں۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے غلط پروپیگنڈا کا شکار نہ ہوں اور زمانہ جاہلیت کی غلط باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں اور اپنے نبی کو ان کے معاملے میں صحیح باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

دو دلوں کی نفی

زمانہ جاہلیت[1] میں یہ ایک عام مشہور چلا آتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، سمجھدار اور معاملہ فہم ہوتا تو اس کے متعلق کہا جاتا کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[2] میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نماز میں بھول گئے تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ کے دو دل ہیں۔ ان میں سے ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسرے دل کے ساتھ مخلص مومنوں کی طرف۔ اللہ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے سینے

---

[1] ابن کثیر ص ۲۰۲ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۱۹۱ ج ۳ و رازی ص ۲۲۹ ج ۵

[2] ابن کثیر ص ۲۶۹ ج ۳ و طبری ص ۱۱۸ ج ۲۱ (ضیاء)

رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں اس طرح اُن کے دل کی توجہ دل کی طرف اور باتوں کی طرف بیک وقت کیسے ہو سکتی ہے! ظاہر ہے کہ ایک وقت میں یا ذکر ہوگا یا دیگر باتیں۔ تو ایسا کرنا محض دھوکہ ہے۔ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ذکر کے ساتھ ساتھ دنیاوی باتیں کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گفتگو میں تو مصروف ہوتا ہے۔ مگر ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ کسی شخص کے سینے میں اللہ نے دو دل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے جو یا تو کفر کی طرف مائل ہوگا یا اطاعت کی طرف

ظہار کا مسئلہ

اب دوسرا مسئلہ اللہ نے بیویوں سے ظہار کرنے کے متعلق بیان فرمایا ہے ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت، پیٹ، یا ران یا کسی دیگر اعضائے مستورہ سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ یا وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر محرمات ابدیہ میں سے کسی کے برابر قرار دے۔ ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے مگر اس سے بیوی قطعی طور پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کر کے مرد اور عورت ازدواجی زندگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے زمانہ جاہلیت میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کا اعلان کر دیتا تھا۔ تو پھر وہ اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اُن بیویوں کو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی اُن کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہو۔

ظہار کا لفظ ظہر کے مادے سے ماخوذ ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ یعنی اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینا۔ دراصل پشت کے ساتھ تشبیہ

ان کے لیے کوئی اچھا سا غلام خرید لائے جس سے وہ زمرہ خدمت زندگی میں خدمت لے سکیں۔ جب وہ منڈی میں گئے تو ان کی نظر حضرت زیدؓ پر جم گئی جو اس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت زیدؓ حقیقت میں غلام نہیں تھے بلکہ بڑے وسیع قبیلے کلب کے چشم و چراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکہ پڑا تو ڈاکو باقی چیزوں کے ساتھ زیدؓ کو بھی لوٹ کر لے گئے اور غلام بنا لیا اور اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے۔ بہرحال حکیم ابن حزامؓ نے حضرت زیدؓ کو خرید کر حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا تو آپ نے حضرت زیدؓ کو اپنے لیے طلب کر لیا جو حضرت خدیجہؓ نے بخوشی حضور کر دیا اور اس طرح حضرت زیدؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آ کر آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے۔

جب حضرت زیدؓ بڑے ہو گئے تو آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ان کو ان کے والد حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچھڑا ہوا بچہ ہے۔ ان کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندان قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت زیدؓ سفر سے واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد اور چچا بھی مکے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے۔ کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زیدؓ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے بھی اجازت ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ السلام منصب نبوت پر بھی فائز ہو چکے تھے اور حضرت زیدؓ آپ کے اخلاق کریمانہ سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ آپ غلاموں میں سب سے پہلے حضور پر ایمان لانے والے ہیں۔ جب آپ کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زیدؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ

[illegible]

کے لیے اپنے تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ حقدار ہوگا باقاعدہ وارث نہیں بنے گا۔

حقیقی باپ کی طرف نسبت

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ اپنے لے پالک بیٹوں کو اُن کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو نہ کہ اُس شخص کی طرف جس نے اُسے بیٹا بنا لیا ہے فرمایا هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے کہ تم ایسے لوگوں کی نسبت اُن کے حقیقی باپوں کی طرف کرو۔ صحابہ کرامؓ بیان[1] کرتے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہم حضرت زیدؓ کو زیدؓ ابن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے بعد ہم زیدؓ ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضور کا یہ فرمان[2] بھی ہے مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف کی اُس نے کفر کا ارتکاب کیا، بلکہ ایک روایت میں اُس کے لیے جنت کے حرام ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔

فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ پس وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے ساتھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ کا علم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھائی یا رفیق کہہ کر پکار لو مگر غیر باپوں کی طرف نسبت بالکل نہ کرو۔ بعض روایات[3] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ سے کہا اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلٰنَا تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو۔ اس طرح گویا آپ نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

---

[1] ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۳ و قرطبی ص ۱۸ ج ۱۴
[2] ابن کثیر ص ۴۶۷ ج ۳
[3] درمنثور ص ۱۸۱ ج ۵ (فیاض)

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

ترجمہ:- اللہ کے نبی کو زیادہ تعلق ہے ایمان والوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے۔ اور نبی کی بیویاں اُن (مومنوں) کی مائیں ہیں اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے، مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ﴿۶﴾

ربطِ آیات — سورۃ احزاب کے بنیادی مضامین اللہ کے نبی کا ادب و احترام اور عورتوں سے متعلق بعض احکام ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ظہار کے طریقے پر ماں کہہ دو تو وہ مائیں نہیں بن جاتیں۔ یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن میں حقیقت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو وہ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا لہٰذا اس کو اس کے حقیقی باپ کی طرف ہی نسبت کر کے پکارنا چاہیئے اور اگر ایسے کسی شخص کے باپ کا نام پتہ معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی

ہیں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن آدمی کا ایمان آفتاب نبوت کی ایک شعاع ہے۔ ابرار ولی بزرگ اگرچہ امی تھے مگر بڑے علم و فہم والے اور صاحب کشف بزرگ تھے، اُن کے ملفوظات اُن کے ایک مرید نے ایک عظیم کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے قلب مبارک سے ایک تار سا نکل کر ہر اہلِ ایمان کے قلب کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ اگر یہ تار یعنی تعلق ٹوٹ جائے، تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کشفی بات ہے مگر درست ہے۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مومن غور کرے تو اُسے معلوم ہو گا کہ ایمان حقیقت میں اللہ کے نبی کے قلب مبارک کی شعاع کا نتیجہ ہے۔ پیغمبر علیہ السلام آفتاب نبوت ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص حقیقت ایمان کو سمجھنے کے لیے فکری حرکت شروع کرے گا تو ایمان کی حقیقت پانے سے پہلے اُسے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ایمان تو پیغمبر کے واسطے سے ہی آتا ہے۔ غرضیکہ نبی کا وجود مسعود ہم سے ہماری ہستی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

نبی بمنزلہ باپ

نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام مومنوں کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اور مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے۔ مگر ہمارا جواب یہی ہوتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ استنجا پاک کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی[2] ہے اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ یعنی میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت[3] کے مطابق قرآن کی بعض قراتوں میں یہ الفاظ بھی

---

[1] ابن کثیر ص۴۶۷ ج۳

[2] در منثور ص۱۹۳ ج۵ و روح المعانی ص۱۵۲ ج۲۱ و مدارک ص۲۹۳ ج۳ و احکام القرآن للجصاص ص۳۵۵ ج۲

(فیاض)

اللہ کے نبی کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ تصرف کی مثال اسی طرح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر اللہ کا نبی حکم دیدے کہ تم ایسا کرو۔ تو امتی پہ ایسا کرنا فرض ہو جائے گا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ نبی کو ہماری جانوں اور روحوں پر بھی تصرف حاصل ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ نبی کو امتی کے ساتھ زیادہ لگاؤ اور تعلق کا یہی معنیٰ ہے۔

اگر ہمارا نفس بُرا ہے تو وہ بری بات کی ہی تلقین کرے گا، مگر اللہ کا نبی ہمیشہ اچھی بات کی تلقین کرے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ نبی کو ہمارے ساتھ خود ہمارے نفسوں سے بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ اور اگر انسان کا نفس اچھا بھی ہے تو بسا اوقات وہ انسان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط فیصلہ کر بیٹھے مگر یہ اللہ کے نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے امتی کے حق میں ہمیشہ صحیح فیصلہ کریگا۔ اُس کے پیشِ نظر ہمیشہ امتی کی خیر خواہی ہی ہوگی۔ اپنی جان بھی اپنے ساتھ وہ ہمدردی اور شفقت نہیں کر سکتی جو اللہ کا نبی امتی کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا اُسے اُمتی کے ساتھ اُس کی اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔

ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں

نیز یہ بھی وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں یہ مسئلہ آگے بھی آرہا ہے۔ جہاں نبی کی بیویوں سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ بہرحال ازواجِ مطہرات کو دو وجہ سے مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی بیویوں کا

لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۷ و مظہری ص ۳۰۸ ج ۷ (فیاض)

اللّٰہ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُہٰجِرِیْنَ اللہ کی کتاب میں بعض قریبی رشتہ دار بعض کے ساتھ مومنوں اور مہاجروں کی نسبت زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں جب مسلمان مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ چنانچہ ہر دو بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے۔ حتیٰ کہ فرمایا یَرِثُ الْمُہٰجِرُ الْاَنْصَارِیَّ اگر مہاجر بھائی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت اس کے انصاری بھائی کو ملے گی، اور اس طرح انصاری بھائی کا وارث اس کا مہاجر بھائی ہوگا۔ یہ عبوری احکام تھے۔ پھر جب اسلام کو تقویت حاصل ہو گئی، مسلمانوں کی جماعت مضبوط ہو گئی، لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو گئے اور مہاجرین کے عزیز و اقارب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ وراثت کے معاملہ میں دینی بھائی کی نسبت کسی شخص کے اصل عزیز و اقارب ہی زیادہ حقدار ہیں۔ وراثت کے مسائل اور ہر حصے دار کے حصہ کی مقدار اللہ نے سورۃ النساء میں بیان کر دی ہے کسی میت کے وارث پہلے نمبر پر ذوی الفروض یعنی وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ نے قرآن میں مقرر کر دیے ہیں۔ پھر دوسرے نمبر پر عصبہ آتے ہیں جن میں اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار شامل ہیں۔ پھر تیسرے نمبر پر ذوی الارحام یعنی ماں کی طرف سے رشتہ دار آتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اب وراثت کا حکم وہ نافذ العمل ہو گا جس میں میت کے حقیقی رشتہ داروں کو حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ البتہ عام مومنین اور مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ان کو صدقہ پیش کرنا، ان کی خدمت کرنا درست ہے مگر وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

ساتھیوں کے ساتھ احسان

فرمایا عام مومنین اور مہاجرین کی نسبت تمہارے رشتہ دار قریب سے زیادہ لگاؤ

لہ ابن کثیر ص ۲۹۲ ج ۳ (خلاص)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷
لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸

ترجمہ:۔ اور (اس بات کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور (خاص طور پر) آپ سے۔ اور نوح علیہ السلام سے، اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ۝۷ تاکہ پوچھے اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں اور تیار کیا ہے اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب ۝۸

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، لہٰذا نبی کا اتباع اور ادب و احترام ضروری ہے۔ اور دوسرا مسئلہ اللہ نے قرابت داروں کے متعلق فرمایا کہ عام مومنوں اور مہاجروں کی نسبت قرابتداروں کا وراثت میں حق فائق ہے۔ البتہ دوست لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا جا سکتا ہے اس سے پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ اور آپ کا اجلال و اکرام بیان ہوا تھا۔ نبی علیہ السلام کو بوجہ خیر خواہی اور ہمدردی تمام نوع انسان سے بالعموم اور اہل ایمان کے ساتھ بالخصوص ہے اور وہ کسی دوسری ذات میں نہیں جس قسم کی تربیت آپ

بڑی روشن ہو چکی تھیں، حضرت آدم علیہ السلام سے ان کے متعلق دریافت کیا، تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی یا رسول یا ولی ہیں کئی لوگ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے آخری دور کے نبی ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ انکی عمر کتنی ہے، کہا ساٹھ سال، اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے دیے جائیں تاکہ ان کی عمر سو سال ہو جائے۔ آپ کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ جب اس میں سے چالیس سال باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ آپ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ عمر تو تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دیدی تھی۔ مگر آپ یہ بات بھول چکے تھے لہذا انکار کیا جس طرح آدم علیہ السلام بھولے تھے اسی طرح آپ کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے معاملات کو تحریر کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوا تھا۔ جب آپ کو زمین پر اتار دیا گیا تو عرفات کے قریب وادی نعمان میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی ساری روحوں کو نکالا، یہ روحیں چیونٹیوں کی، ننھے ننھے چھوٹے چھوٹے جسموں میں تھیں۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر اہل ایمان کی روحوں کو برآمد کیا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر کافر و مشرکین کی روحوں کو نکالا، بہرحال یہ عہد الست کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تمام روحوں کو مخاطب

لیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں دوسرا نبی آجائے یا نبی آخر الزمان آجائیں تو ان کی تائید و نصرت کرنا۔

شیخ ابن عربیؒ[1] یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ عہد خدا تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہنے، ادائے رسالت اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کا تھا اور پختہ عہد لیا تھا کہ تم اس فریضہ کو پورے طریقے سے ادا کرو گے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرو گے۔

حضور علیہ السلام کی خصوصیت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے مگر اس آیت کریمہ میں آپ کا ذکر باقی انبیاء سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام ترمذیؒ[2] نے ایک روایت بیان کی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا و آدم بین الروح والجسد جس وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح بھی داخل نہیں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے[3] کہ میں تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد ہوں مطلب یہ کہ آپ کی تخلیق عالم ارواح میں بھی سب سے پہلے عمل میں آئی۔ اسی لیے اکثر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس جہان میں نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعے اللہ نے باقی انبیاء کی ارواح کی بھی تربیت فرمائی اور اس طرح آپ کو اس عالم میں بھی شرف اور مرتبہ حاصل تھا۔

امام ابن عربیؒ[4] اور بعض دیگر محققین فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ السلام کا وجود مبارک ہے اور سب سے مقدم ذریعہ فیضان بھی آپ

---

[1] تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲ [2] ترمذی ص ۵۱۹

[3] طبری ص ۱۲۵ ج ۲۱ و ابن کثیر ص ۲۶۹ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۱۶۲ ج ۳ و در منثور ص ۱۸۴ ج ۵

[4] تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲ (فیاض)

کہ لوگو! کل قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ ہم اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت کے لیے خیر خواہی بھی کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، خدایا گواہ رہنا۔

بہرحال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں سوال کریگا۔ اس بات کا ذکر سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (آیت ۔ ۱۱۹) اُس دن سچے لوگوں کو اُن کی سچائی ضرور فائدہ دے گی۔ اور سچے لوگوں میں سرِفہرست انبیاء کی جماعت ہے جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ دین کو قبول کیا، اُس پر عمل کیا اور اس کی اشاعت و بقا کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دینِ حق کو مانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہ بھی سچوں میں شمار ہوں گے، اور قیامت کے دن ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ اِن کے برخلاف جنہوں نے دین توحید کو تسلیم نہ کیا اور کفر، شرک اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کیا ہوا ہے جس کا وہ شکار ہوں گے۔ حقیقت میں ایسے لوگوں نے اُس عہد کا پاس نہ کیا جو اللہ نے اُن سے لیا تھا کہ وہ انبیاء کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے ایسے لوگوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو ٹھکرا دیا اور بالآخر دردناک عذاب میں پھنس گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

کر گلوں تک آ گئے تھے، اور تم گمان کرتے تھے طرح
طرح کے گمان (۱۰) اُس وقت آزمائے گئے مومن اور
وہ سخت متزلزل کئے گئے (۱۱) اور جب کہتے تھے
منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں
وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اُس کے رسُول نے مگر دھوکہ (۱۲)

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس میثاق النبیین کا ذکر فرمایا، جو اُس نے اپنے انبیاء سے عالمِ ارواح میں لیا تھا۔ اِن میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اللہ نے خاص طور پر کیا۔ اُن سب سے یہ پکا عہد لیا گیا تھا کہ اگر پہلا نبی پچھلے نبی کا زمانہ پائے تو اُس پر ایمان لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجموعی طور پر تمام انبیاء کا پختہ عہد یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء نے یہ عہد کر لیا تو ہر اُمتی پر بھی یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لائے اور اُس کی تائید و نصرت کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے یہ عہد اس لیے لیا تھا تاکہ سچے لوگوں کی سچائی اور کافروں کا کفر واضح ہو جائے اور پھر سچے لوگوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے اور کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے۔

اَب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو اُس نے اس موقعہ پر مسلمانوں پر کی اور جس کی بدولت مسلمانوں کو کفار کے غلبے سے محفوظ رکھا۔ ان آیات کا گذشتہ آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سچائی، خلوص اور دین داری کو جانچنے کا اشارہ گذشتہ آیات میں کیا تھا۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر اُس کا امتحان ہو رہا تھا کہ کون دینِ حق کے ساتھ مخلص اور نبی کا سچا وفادار ہے اور کون منافق اور کافر ہے۔

علیہ السلام کے بعض معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ فاقہ کی حالت میں لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے رہے۔ اتنے میں دشمن بھی خندق تک پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کا یہ دفاعی منصوبہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کسی نے کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ محاصرہ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا۔ مگر کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد دو طریقوں سے کی۔ ایک تو اُن کی امداد کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا اور دوسرا تخت ہوا بھیجی۔ جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ فرشتوں کا لشکر اللہ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ فرشتے براہ راست جنگ تو نہیں لڑتے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیتا ہے۔ پھر جس شخص کو اعتماد ہو کہ اُس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت موجود ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ بہرحال کافروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان اُن کے شر سے مامون رہے۔

انعامات الٰہیہ کا تذکرہ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ جب کہ تمہارے اُوپر ہر طرف سے دشمن کے لشکر چڑھ آئے تھے۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا پس ہم نے اُن پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے اُن کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ وَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو مغرب کی طرف سے

---

[1] تفسیر خازن ص ۲۳۲ ج ۵ و مظہری ص ۳۱۱ ج ۴ و مدارک ص ۲۹۵ ج ۳ (فیاض)

نے پلٹ کر حملہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تھی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فرمایا، اس وقت تمہاری حالت یہ تھی وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، خاص طور پر منافقین اور کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بہت سے وسوسے آ رہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا۔ کیا مسلمان بالکل ہی ختم ہو جائیں گے؟ مصیبت کے وقت خوف پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور یہ کمال کے منافی نہیں۔ سامنے دشمن کا لشکر جرار نظر آ رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی بالکل قلیل تھی اور سامانِ حرب بھی تھوڑا تھا۔ اور ادھر عورتیں اور بچے غیر محفوظ نظر آتے تھے۔ ان حالات میں خوف و ہراس اور وساوس کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

فرمایا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس وقت مومنوں کو آزمایا گیا کہ اس قدر مشکل وقت میں یہ کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی گھبراہٹ کو سکون میں تبدیل کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ فرمایا وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ اور مومن اچھی طرح متزلزل کیے گئے مگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جس کی وجہ سے کفار کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

منافقوں کی بکواس

فرمایا اس وقت کو بھی یاد کرو وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ہم سے نہیں وعدہ کیا اللہ اور اس کے رسول نے مگر دھوکے کا۔ غزوہ احد کے موقعہ پر جب دشمن دوبارہ حملہ نہ کر سکا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ ہم کامیاب ہوں گے، اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے منافق کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خندق کھودتے

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ
سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ
مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا
اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ

لِإِخْوَٰنِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ ٱلْبَأْسَ
إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَآءَ
ٱلْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
أَعْيُنُهُمْ كَٱلَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ
ٱلْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ ٱلْخَوْفُ سَلَقُوكُم
بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى ٱلْخَيْرِ أُو۟لَٰٓئِكَ
لَمْ يُؤْمِنُوا۟ فَأَحْبَطَ ٱللَّهُ أَعْمَٰلَهُمْ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَحْسَبُونَ ٱلْأَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوا۟ وَإِن يَأْتِ ٱلْأَحْزَابُ يَوَدُّوا۟ لَوْ
أَنَّهُم بَادُونَ فِى ٱلْأَعْرَابِ يَسْـَٔلُونَ
عَنْ أَنۢبَآئِكُمْ وَلَوْ كَانُوا۟ فِيكُم مَّا
قَٰتَلُوٓا۟ إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور اگر شہر میں اس کے اطراف سے کوئی فوج داخل کر دی
جائے پھر ان لوگوں سے فتنہ برپا کرنے کا مطالبہ کیا
جائے تو فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور نہ ٹھہریں گے
اس کے بارے میں مگر بہت تھوڑا (۱۴) اور البتہ تحقیق
انہوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ سے اس سے پہلے کہ
پشت نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ کے عہد کے متعلق سوال
کیا جائے گا (۱۵) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، ہرگز
نہیں فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہو گے موت
سے یا قتل کیے جانے سے۔ اور اس وقت تم کو فائدہ
نہیں دیا جائے گا مگر بہت تھوڑا (۱۶) آپ کہہ دیجئے
کون ہے جو بچاتا ہے تمہیں اللہ سے اگر ارادہ کرے
وہ تمہارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے تمہارے ساتھ
مہربانی کا۔ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا
کوئی حامی اور نہ مددگار (۱۷) تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ
ان لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے اور ان کہنے
والوں کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری
طرف چلے آؤ۔ اور وہ نہیں جاتے لڑائی میں مگر بہت
تھوڑا (۱۸) وہ بخیل ہیں تمہارے اوپر۔ جب آجائے خوف
تو دیکھے گا آپ کو کہ وہ تکتے ہیں۔ آپ کی طرف
گھومتی ہیں ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح جس پر غشی
طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے۔ پس جب خوف چلا
جاتا ہے تو پھر وہ کاٹتے ہیں تمہیں تیز زبانوں سے۔
حریص ہیں وہ مال کے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے

لَيْتَ فَلَانًا كَانَ مَعَنَا فَيَمُوْتَ مَعَنَا وَلَا يَمُوْتَ مَعَهُمْ

کاش کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں میرا دوست میدان جنگ تک پہنچ جائے، اور پھر اگر موت بھی آجائے تو کچھ پرواہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ موت تو ہر صورت آنی ہے اور اگر یہ اسلام کے دفاع میں آجائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اس موقعہ پر حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ناامید نہ کرو بلکہ جلدی کرو اور اللہ کے رسول جہاں بھی ہوں ان کے پاس فوراً پہنچ جاؤ

مسلمانوں کی طرف سے حوصلہ شکنی

مسلمانوں میں تو اس قدر جوش و جذبہ پایا جاتا تھا مگر منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ بددل ہو رہے تھے اور جیسا کہ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ کے نبی نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب و کامران کرے گا۔ پھر جب شہر کا پوری طرح محاصرہ ہو گیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ اے یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لیے کوئی اچھا نہیں ہے۔ یہاں تو بڑی تباہی اور بربادی ہے۔ دشمن کی کثیر تعداد اور سامان سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے۔ تمہاری تعداد بھی قلیل ہے، سروسامان کا فقدان ہے حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں فاقے پر فاقے آ رہے ہیں۔ ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر بھی منافق اسی قسم کی بات کر کے مسلمانوں سے جدا ہو گئے تھے کہ قریش کی کثیر تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، لہٰذا ہم تمہارے ساتھ اس تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے حالات اب بھی ویسے ہی ہیں، مدینہ دس ہزار کے جرار لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکے گا لہٰذا فَارْجِعُوْا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور

رکھیں گے بلکہ وَمَا تَلْبَثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا نہیں ٹھہریں گے مگر بہت کم اور دشمن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے حالانکہ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عہد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے اور پشت نہیں پھیریں گے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی دشمن ان سے اہل ایمان کے خلاف مدد طلب کرتا ہے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر بھی منافقوں نے ایسی ہی خباثت کا اظہار کیا تھا مگر جب اللہ کی طرف سے سخت وعید آئی تو انہوں نے معافی مانگی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر ایک لحاظ سے انہی کا پلہ بھاری رہا کیونکہ دشمن تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا۔ اس وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے ساتھ غداری نہیں کریں گے مگر غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے پھر حیلوں بہانوں سے یہی کام کیا، حالانکہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ ہم پشت نہیں پھیریں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کو علم ہونا چاہیئے وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اللہ سے کیا ہوا عہد رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کے متعلق ان سے سوال ہوگا کہ تم نے عہد شکنی کیوں کی؟ اس کے برعکس اللہ کا نبی اور ایمان والے سخت تکالیف برداشت کر کے بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ غزوہ خندق[1] ہی میں سختی کا ایک دن ایسا بھی آیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مورچہ زن رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ پھر آپ نے عشاء کے وقت میں یہ نمازیں قضا کر کے پڑھیں۔ نماز عصر کی فوتیدگی پر حضور علیہ السلام نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور بددعا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ ان کی وجہ سے

---

[1] مظہری ص ۳۲۶ ج ۷ (فیاض)

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا اور اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ اُس زمانہ میں مخلص مسلمان اور منافق ملے جلے تھے۔ اگر ایک بھائی پکا مسلمان ہے تو دوسرا منافق ہے تو اِن حالات میں منافق اپنے بھائی بندوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ شہید ہو جاتا، تو منافقوں کو غلط پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔ دوسری جگہ اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی بند ہو جاؤ تو موت سے بچ نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال کر اُسی مقام پر تم پر موت طاری کر دے گا۔ بہرحال مسلمانوں کے ساتھ شریک جنگ ہونے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيلًا کہ وہ خود لڑائی میں کم ہی جاتے ہیں اور اکثر حیلے بہانے سے اعتراض ہی کرتے ہیں۔

منافقین کی چکرداری

فرمایا اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ وہ تم پر بڑے بخیل ہیں۔ تمہاری مدد کرنے اور مال خرچ کرنے میں انتہائی کنجوسی کا اظہار کرتے ہیں اور حیلے بہانے سے بچت چاہتے ہیں۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ پس جب خوف آئے یعنی خطرہ درپیش ہو۔ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق لوگ آپ کی طرف تکتے ہیں اور اُن کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ اُس وقت یہ لوگ بڑے حیران اور دہشت زدہ معلوم ہوتے ہیں فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ اور جب خوفزدگی دُور ہو جائے سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ تو آپ کو تیز زبانوں سے کاٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ یہ لوگ مال کے بڑے حریص ہیں۔ جہاد میں تو شریک نہیں ہوتے مگر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے

کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ وہ تو مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی و جانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے۔ یہ اتنے بزدل لوگ ہیں کہ جونہی دشمن قریب آئے یہ خوفزدہ ہو کر تمنا کرنے لگتے ہیں کہ وہ شہر کی بجائے دیہات میں ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

فرمایا منافقوں کا جنگ سے گریز ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ اگر وہ تمہارے درمیان بھی ہوں مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا تو جنگ میں نہیں شریک ہوں گے مگر بہت تھوڑے۔ مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ رہنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے اعراض کرنا ہے بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ تمہارے درمیان رہ کر نقصان کا باعث ہی بنیں گے۔ بہتر ہے کہ یہ دور دور ہی رہیں تاکہ ان کی خباثت بھی آشکارا ہوتی رہے اور مسلمان ان سے زیادہ خبردار بھی رہیں اور پھر اپنے لیے کوئی بہتر تدبیر اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سازشوں اور اُن کی بزدلی کو ظاہر کر دیا تاکہ مخلص مسلمان اُن کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ
اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ
عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم
مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ
اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ
إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا
رَّحِيمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ
لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾ وَأَنزَلَ الَّذِينَ
ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن
صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾
وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾ ع ١٩

ترجمہ:۔ البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے، اور قیامت کے دن کی اور اس نے ذکر کیا اللہ کا کثرت سے ﴿٢١﴾ اور جب دیکھا ایمان والوں نے لشکروں کو تو کہنے لگے اور یہی ہے وہ چیز جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا ہے اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ زیادہ کیا اس بات نے ان کے لیے مگر ایمان اور اطاعت کو ﴿٢٢﴾ مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اس چیز کو جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پس بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا ہے، اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور نہیں تبدیل کی انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی ﴿٢٣﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا اور سزا دے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ قبول کر لے ان کی بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿٢٤﴾ اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ نہ

کے شانہ بشانہ کام کیا، بڑی بڑی جنگوں کو لڑا، بنی اللہ کہ دور سے ہوتے ہے یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا۔ اور یہی باقی لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔ یہ تو جہاد کا موقعہ تھا مگر زندگی کے ہر موڑ پہ تمام نشست و برخاست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صلح و جنگ غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں لہٰذا جو لوگ بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیئے اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا واجب ہوگا۔ اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطور سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے۔ البتہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے طور پر کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ کام ثواب کی خاطر کریں۔ اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے سورۃ الممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو اسوۂ حسنہ کا لقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہل ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے۔ قرآن پاک کی اساسی تعلیم اور وحی الٰہی کی تمہید کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اس شخص کے لیے ہے لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اس کو یقین ہے کہ اس دن ہر نیک عمل واقع ہوگا۔ رجا کا لفظ امید میں سے ہے اور یہ امید کا معنی بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور

لہ احکام القرآن للجصاص ص۲۵۵ ج ۳ (فیاض)

بتائی ہے جس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف تین ہزار آدمی تھے جو دفاع کرنے کے قابل تھے۔ باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے جو دفاع میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے۔ بہرحال فرمایا کہ اہل ایمان نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ اور کفار کے حملہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ان کی آمد نے سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پر کامل یقین تھا، لہٰذا انہوں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایفائے عہد

اسی سے ملتے جلتے مضمون کے متعلق فرمایا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ مومنوں میں سے بعض وہ ہیں کہ جس بات کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ عہد یہ تھا کہ آخر دم تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے یعنی شہادت کا درجہ پالیا ہے مثلاً غزوہ احد کے موقع پر حضرت انس بن نضرؓ کا واقعہ ہے کہ وہ میدان جنگ کی طرف جا رہے تھے، کسی نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے، احد پہاڑ کے اس طرف مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میں ادھر جا رہا ہوں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ کے جسم پر اسی زخم آئے کہ شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار انگلیوں سے ان کی شناخت ہوئی۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت پی کر اپنے عہد کو پورا کیا۔ نحبہ کا معنی عہد و پیمان اور نذر ہوتا ہے اور مراد اس سے نذر بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے

۱؎ مظہری ص ۳۴۲ ج ۷ ۲؎ ابن کثیر ص ۲۷۵ ج ۳

۳؎ احکام القرآن للجصاص ص ۳۵۶ ج ۲ (ضیاء)

عَلَيْهِمْ یا انہیں توبہ کی توفیق عطا کرے کہ وہ نفاق کو چھوڑ کر سچے ایماندار بن جائیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے مطلب یہ کہ جن مومنوں نے اپنے عہد کو پورا کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور وہ ابھی اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بھلائی کا خود ذمہ لے گا۔ رہا منافقوں کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی کرتوتوں کی انہیں سزا دے یا پھر انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔ وہ لوگوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے

کافروں کی ناکامی

ادھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ اللہ نے غصے سے بھرپور کافروں کو واپس پلٹایا۔ ایک طرف فرشتوں کا لشکر بھیج کر اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا اور وہ کفار کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور دوسری طرف اتنی تیز آندھی چلائی کہ کافر حملہ آور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا اور وہ کوئی بہتری نہ پا سکے۔ وہ مدینہ کو فتح کر کے لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے آئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ اور اللہ نے اہل ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی جنگ سے کفایت کی یعنی وہ جنگ لڑنے سے بچ گئے۔ اور اس طرح انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور کمال قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ وہ چاہے تو تھوڑی جماعت کو کثیر تعداد پر غالب کر دے کیونکہ قوت تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر کرنا چاہیئے کیونکہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

بنو قریظہ کی سرکوبی

تعیین بنو قریظہ مدینے کی شرقی جانب چند میل کے فاصلے پر آباد تھے۔ یہ لوگ

کا اعلان فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان باغیوں کے لیے جو مناسب سمجھو سزا تجویز کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا جائے اور ان کی زمینوں پر مسلمان قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عملدرآمد کیا گیا اور بنی قریظہ کے تمام بالغ مرد جن کی تعداد چار اور چھ سو کے درمیان تھی قتل کر دیے گئے۔ حضرت سعدؓ کے اس فیصلے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سعدؓ، تم نے یہ فیصلہ پہلی کتابوں کے مطابق کیا ہے۔ تورات میں یہ حکم موجود ہے کہ غداری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان تمام قابلِ جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے اور ان کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ اللہ نے کافروں کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور وہ مکمل تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور مسلمان ان پر غالب آئے۔ اس کے نتیجہ میں فرمایا فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بالغ مردوں کو قتل کرتے ہو وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا اور ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو۔ مسلمانوں نے سو دو سو عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا کر آپس میں تقسیم کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ فائدہ بھی ہوا۔ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ کہ تمہیں ان کی زمینوں کا وارث بنا دیا۔ وَ دِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ تم ان کے گھروں اور مالوں کے بھی مالک بن گئے۔ اگرچہ اس موقع پر باقاعدہ جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مسلمانوں کو مالی لحاظ سے بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

فتح خیبر

فرمایا وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اللہ نے تمہیں اس سرزمین کا وارث بھی بنایا جس کو تم نے ابھی تک پامال نہیں کیا۔ یہ کون سی سرزمین ہے!

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ
اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ
مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر
تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت، پس آؤ میں تمھیں
فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کردوں تم کو اچھے طریقے سے
رخصت کرنا ﴿۲۸﴾ اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا۔ پس بیشک
اللہ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی والیوں کے لیے
بڑا اجر ﴿۲۹﴾ اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی

ازواج سے علیحدگی

حضور علیہ السلام نے اس مطالبے کا اس حد تک بُرا منایا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلا کر لیا یعنی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ مسجد نبوی کے قریب ہی ایک بالاخانے میں تشریف فرما ہو گئے۔ عام مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ان حالات میں ازواج مطہرات کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا تمام مسلمانوں کو بھی سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ سب سے زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو تھی۔ کیونکہ ان دونوں کی بیٹیاں حضور علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے جرأت کر کے اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور حضور علیہ السلام سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے حاضر ہو کر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عمرؓ کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے بیٹھنے کی اجازت چاہی، آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دل لگی کی بات کر کے حضور علیہ السلام کو خوش کیا جائے چنانچہ اجازت ملنے پر آپ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع کر دی کہ مکہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چوں چرا نہیں کرتی تھی مگر مدینہ میں آ کر ہماری عورتوں نے بھی یہودی عورتوں کی دیکھا دیکھی انہی کا رنگ ڈھنگ اختیار کر لیا ہے۔ ایک دفعہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد خرچ کا مطالبہ کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکے مارنے شروع کر دیے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسکرا دیے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اُدھر مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں حضور علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے، کہیں واقعی اپنی بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی؟ اتنے میں حضرت

لہ طبری ص ۱۵۶ ج ۲ و معالم التنزیل ص ۱۷۳ ج ۴ (قیاض)

حاضرین بیعت

لگا سکتا۔ اور یہی حال آپ کی ازواج مطہرات کا بھی تھا۔ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی اور ہمیشہ فقر و فاقہ کو پسند کیا

دنیا اور آخرت میں سے انہیں ایک کو اختیار کرنا ہوگا

بہرحال جب نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے آسودہ حالی کا سوال کیا تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیات نازل فرما کر حضور علیہ السلام کی تائید فرمائی اور آپ کو حکم دیا یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں۔ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو، عیش و عشرت اور آسودہ حالی کی طلبگار ہو فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ تو آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں۔ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے، اور وہ سر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت کو رخصت کرتے وقت حسب استطاعت ایک جوڑا کپڑے دے کر رخصت کرے اور اگر ایسی عورت کے جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس کے لیے ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ فائدہ پہنچانے سے یہی مراد ہے۔ فرمایا اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا اور تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں یعنی طلاق دے کر بالکل فارغ کر دوں۔

پھر فرمایا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو پسند کر لی ہو، دنیا کی آسودگی کو ترک کرنے پر آمادہ ہو تو پھر خوب سن لو فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا کی عیش و عشرت کو ترک کر دیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں دائمی آرام و راحت کا علیہ عنایت فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رُخ بھی بتلا دیا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ سے بھی کی ہیولیٰ اَمَّنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ

گی تو تمہاری سزا دگنی ہوگی۔ اس لفظ کے مختلف معانی آتے ہیں مثلاً اس کا اطلاق بدزبانی، بے حیائی اور بخل پر بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر اس لفظ سے زنا یا بدکاری مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی کی بیویوں سے ایسا ممکن ہی نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے مَا زَنَتِ امْرَأَةُ نَبِيٍّ قَطُّ یعنی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بعض انبیاء کی بیویوں نے کفر کا ارتکاب تو کیا ہے مگر بے حیائی کسی سے سرزد نہیں ہوئی۔ مقصد یہ کہ یہاں پر فحش سے بے ادبی، گستاخی یا بدزبانی وغیرہ جیسی لغزش تو مراد لی جا سکتی ہے، زنا جیسے فعل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

نیکی کا دگنا اجر

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں نبی علیہ السلام کی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر پسند کرتی ہو تو اللہ نے تمہارے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اب اگلی آیت میں ان کی پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک اعمال انجام دے گی نُؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ہم اس کو اجر بھی دگنا دیں گے۔ جس طرح مقدس مقام، مقدس مہینے اور مقدس وقت میں عمل کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بلند مرتبت ہستی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی تو اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائے گا۔ جس طرح حرمت والے مہینوں، مقاماتِ مقدسہ اور پچھلی رات کے اوقات میں اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح مقدس ہستیوں کے اعمالِ صالحہ کا اجر بھی بہت بڑھ جاتا ہے

اس کے علاوہ فرمایا وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ہم نے اس کے لئے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے دنیا میں عزت کی روزی وہ ہے جو حلال راستے سے آئے جس سے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور جس کے استعمال سے عبادت کا جذبہ قوی ہو اور اس میں دلجمعی پیدا ہو۔ اور آخرت میں رزقِ کریم سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو خاص مقام حاصل ہوگا، انتہائی باعزت روزی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ
فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

ترجمہ:- اے نبی کی بیویو! نہیں ہو تم عام عورتوں کی طرح اگر تم ڈرتی رہو تو نہ دب کر بات کرو اس لالچ کیے گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے۔ اور کہو بات دستور کے مطابق ﴿۳۲﴾ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو جیسا کہ عورتیں پہلی جاہلیت کے زمانہ میں کھلی پھرتی تھیں۔ اور قائم رکھو نماز کو اور دیتی رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔ بیشک ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوگی تو تمہیں تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ تمہاری اس برتر حیثیت کا تقاضا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ کسی اجنبی آدمی سے دب کر بات نہ کرو بلکہ کلام میں درشتی اختیار کرو۔ کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنے سے فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ دل کا روگی آدمی لالچ کریگا۔ دل کے روگ سے مراد نفاق، خواہشاتِ نفسانی اور شہوانی میلان ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ اگر کسی اجنبی آدمی سے بات کرنی پڑے تو روکھا پن ظاہر کرو، تاکہ کسی بد باطن آدمی کے دل میں کوئی خیال نہ آسکے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور بات بھی دستور کے مطابق بھلی اور معقول ہونی چاہیے۔

تبرجِ جاہلیت

اللہ نے امہات المؤمنین کو یہ حکم بھی دیا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ گھروں میں رہنا ہی عورتوں کی اصل وضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کار کر دیا۔ مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت کرکے کمائی کرے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ امورِ خانہ داری کو انجام دیں۔ بچوں کی پرورش، کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا عورت کے ذمے ہے۔ یہ سب کام گھر کی چار دیواری کے اندر انجام دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں مقیم رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور جاہلیتِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو کھلے طور پر نہ دکھاتی پھریں۔ مطلب یہ کہ گھر میں رہ کر امورِ خانہ داری انجام دیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو پھر جاہلیت اولیٰ کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ جائیں۔

لہ موضح القرآن ص ۵۰۵ (فیاض)

لیا جاسکتا ہے۔ بہرحال پردہ ہونا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام انجام دے گی، برائی سے بچے گی، اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بلا اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر مسجد میں بھی جانا چاہیں تو خاوند یا سرپرست کی اجازت لے کر جائیں۔ مردوں کو بھی فرمایا کہ اگر عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو دیدیا کرو بشرطیکہ راستہ پُرامن ہو یعنی فساق و فجار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا[2] کہ عورت کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں پڑھنا افضل ہے۔ عورت جتنا چھپ کر نماز پڑھے گی، اتنا اجر زیادہ ہوگا، مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ بناؤ سنگار کرکے زیورات اور بھڑکیلا لباس پہن کر عورتوں کا بے حجابانہ باہر نکلنا عورتوں کی وضع کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[3] ہے۔ کہ اگر عورت مسجد میں نماز کے لیے بھی جائے تو معمولی لباس پہن کر جائے اور خوشبو نہ لگائے کہ یہ فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[4] ہے کہ عورت ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے جس سے بے حیائی کے لوازمات پیدا ہوتے ہیں موجودہ عریانی انگریز اور بے دین لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ لانے کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن کے خلاف جاہلیت کی طرف قدم ہے۔ اگر کوئی عورت مجبور ہے تو اس کو اجازت لے کر باپردہ باہر

---

[1] ابن کثیر ص ۴۸۲ ج ۳ و مستدرک حاکم ص ۲۰۹ ج ۱

[2] ابن کثیر ص ۴۸۲ ج ۳ (فیاض)

ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواجِ مطہرات کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے اور حضور علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو اہل بیت کے افراد نہیں مانتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو مذکورہ حدیث کے مطابق صرف حضور علیہ السلام کے خاندان اور اولاد کو ہی اہل بیت سمجھتا ہے اور ازواجِ مطہرات کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ یہ دونوں شیعہ اور رافضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ جو لوگ صرف پنج تن کو اہلِ بیت کہتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف حدیث بھی صحیح ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں تضاد نہیں ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نص قرآنی عام ہے اور اس کے مطابق اہل بیت میں ازواج بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ ہم اپنی زبان میں اہل بیت کا متبادل لفظ "گھر والے" بولتے ہیں۔ اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ تو صرف ازواج ہوتی ہیں اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا نہ تو ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور نہ اولاد کو حدیث میں صرف اولاد کو اہل بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری ازواج تو نصِ قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ ان سے بھی گندگی کو دور کر کے انہیں پاک صاف کر دے۔

مسلم شریف[2] میں زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا۔ کیا حضور کی ازواج اہل بیت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ازواجِ مطہرات اہل بیت ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ

بیشک صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کے اہل بیت

---

[1] بیان القرآن ص ۴۸ ج ۹ [2] بیان القرآن ص ۴۸ ج ۹ (فیاض)

کر دیا۔ امامت المؤمنین حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس پینتالیس سال تک عین حیات رہیں اور امت کی کما حقہٗ تربیت کرتی رہیں۔ اُن کو تقویٰ، طہارت عبادت اور تعلیم میں اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ
وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

اسوۂ حسنہ کا ذکر فرمایا اور اُن مومنین کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یوم آخرت پر اُن کا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے وعدے پر مکمل یقین کرتے ہیں۔ اور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سچے لوگوں کی سچائی کا اجر اور منافقین کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں سزا دے مرے یا اگر چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے کر اُن کا انجام بھی بہتر کر دے۔

پھر گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کا ذکر فرمایا اور نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اُن سے برملا کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال و دولت اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے اجر عظیم بھی موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے مرتبہ کے پیش نظر اُن کو حکم دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کریں بلکہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھروں میں قیام کریں کہ اسی میں اُن کی عزت و آبرو ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی طریقہ سے پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔

اب آج کی آیت میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے اُن کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں اور انہیں اجر عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے احادیث[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقع پر ازواج مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکر خیر تو کثرت سے کیا ہے مگر عورتوں کی خیر و خوبی کا ذکر بہت کم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں

---

[1] ابن کثیر ص ۳۷۸ ج ۳ (فیاض)

توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ جب کوئی شخص یہ اعمال انجام دیتا ہے تو دوسرے دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

اہلِ ایمان مرد و زن

پھر فرمایا وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔ ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی حدیثِ جبریل میں حضور علیہ السلام نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر و شر کی تقدیر کو حق جانے۔ گویا ایمان کا تعلق دل کی تصدیق سے ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا ذکر کیا ہے، جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

اطاعت گزار مرد و زن

آگے فرمایا وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنیٰ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی اطاعت کا دم بھر لیتا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔ تو قانتین اور قانتات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مرد و زن جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں اور کسی حیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا بھی اطاعت میں شامل ہے۔

سچے مرد و زن

پھر فرمایا وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور سچے مرد اور سچی عورتیں اس سے مراد وہ مرد و زن ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی کو اپنا شعار بنالیں۔ صدق کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ نیت، عقیدے اور ارادے میں سچے ہونا، اعمال و کردار اور اخلاق میں سچے ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہو تو خلوصِ نیت کے ساتھ

نے ایسے لوگوں کی کامیابی کی گارنٹی دی ہے۔

عاجز مرد و زن

آگے فرمایا وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ اللہ کے سامنے خشوع یعنی عاجزی کا اظہار کمال درجے کی صفت ہے اور ہر انسان سے مطلوب ہے اللہ نے اپنے انبیاء کے متعلق بھی فرمایا ہے خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وہ اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ ویسے عام انسانوں کے ساتھ بھی خشوع کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے اَنْ تَوَاضَعُوْا وَلَا يَفْخَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے سامنے بڑائی کا اظہار نہ کرو کہ یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہرحال اس مقام پر اللہ نے عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

سخی مرد و زن

آگے فرمایا وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی راہ میں غرباء، مساکین، یتامیٰ، بیوگان کی مالی اعانت اور کمزور طبقات کی دستگیری بھی ملت کا اہم اصول ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، تعلیمی اخراجات پورے کرنا اور دیگر جائز ضروریات کے لیے مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[2] ہے۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کا بیان[3] ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] [2] مستدرک حاکم ص ۵۴۲ ج ۱

[3] مسند احمد ص ۲۲۳ ج ۴ (فیاض)

عورت کی اس قدر پردہ داری مقصود ہے کہ اس کے لیے صرف حُفِظَتِ کا لفظ آیا ہے، یہاں قُرُوْجِهِنَّ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عورت کے حق میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ پردہ کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے ولا تنظر لھا فخذ حی ومیت کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے چہ جائیکہ کوئی مرد زنا یا لواطت میں مبتلا ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ ناموس کو بھی اسلامی اقدار میں داخل کیا ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے

ذاکرین مرد وزن

اور اپنے بندوں کی دسویں صفت اللہ نے یہ بیان کی ہے وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ حصن حصین والے بزرگ حضرت جزریؒ کہتے ہیں[1] كُلُّ مُطِيْعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ جو شخص اللہ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔ گویا ہر شخص کے لیے زبانی ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے۔ باقی عبادات کی تو مقدار مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کو اٹھتا ہے۔ اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ پھر وہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں تو اُن کے نام ذاکرین اور ذاکرات کے رجسٹر میں درج ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں ذکر کرنے والا نہ بن جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت[2] میں آتا ہے۔ كَانَ

---

[1] ابوداؤد ص ۲۰۱ ج ۲ وکبیر ص ۲۰۲ ج ۲۳ — [2] حصن حصین ص —

[3] ابوداؤد ص ۴ ج ۱ (فیاض)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ
لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ
وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا
وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ
اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ:- اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ کسی مومنہ عورت کا کام کہ جب فیصلہ کر دے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو ان کو کوئی اختیار باقی رہ جائے ان کے معاملے میں۔ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی پس بے شک وہ گمراہ ہوا

ان کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد و زن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اس معاملے کے فیصلے قبول کرنے یا رد کر دے۔ بلکہ اسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کے فیصلے کو برحق جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ اور رسول کے خلاف کرے گا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ اسے فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول

شانِ نزول کے اعتبار سے یہ آیات حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ درس ۱۸ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ منہ بولے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اور اگر اس کے باپ کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی یا رفیق کہہ کر پکارو۔

حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور لوگ انہیں زیدؓ ابن محمد کہہ کر بلاتے تھے مگر مذکورہ آیت کے نزول کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کہا جائے گا۔ درس نمبر ۲ میں ہی یہ تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے عکاظ کی منڈی سے بطور غلام خریدا تھا۔ پھر جب آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انہوں نے یہ غلام حضور علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کو آپ کا علم ہوا تو وہ آپ کو لینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاوضہ ادا کر کے بچے کو لے جانا چاہا مگر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خود جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر زیدؓ نے حضور کے اخلاق کریمانہ کی بدولت آپ کے ہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ آج سے میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس اعلان پر حضرت زیدؓ کے والد اور چچا خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

زیدؓ کا نکاح زینبؓ سے

حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق بھی درس نمبر ۲ میں اشارتاً ذکر آ چکا ہے۔ جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے انکے

ہیں، مگر زیادہ تر لوگ نافرمانی کے کاموں میں ہی لگے ہوئے ہیں اور ہر معاملے میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال کر من مانی کرتے ہیں۔ بیاہ شادی کا معاملہ ہو، کوئی لین دین کی بات ہو یا کاروباری معاملات ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے غلط رسم و رواج کے پیچھے چل رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کو ہی اپنے لیے باعث عزت سمجھتے ہیں۔

زیدؓ اور زینبؓ میں عدم مطابقت

بہرحال اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہو گیا مگر ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔ حضرت زیدؓ دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ اس کے برخلاف حضرت زینبؓ کے مزاج میں تیزی تھی۔ حضرت زینبؓ ایک نیک سیرت خاتون تھیں اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگی تو بعض مخلص مسلمان مرد اور عورتیں بھی غلط پراپیگنڈا کا شکار ہو گئیں۔ ان میں حضرت زینبؓ کی بہن بھی شامل تھیں اور ان پر حد بھی جاری کی گئی۔ مگر جب اس تہمت کا ذکر حضرت زینبؓ کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے کان پکڑ لیے اور کہنے لگیں، پناہ بخدا! بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ انہوں نے ام المومنین عائشہؓ کی تعریف کی اور انہیں اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔ بایں ہمہ آپ کے مزاج میں حدت تھی لہٰذا حضرت زیدؓ کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ بات بات پر اکھاڑ پیدا ہونے لگا۔ تو حضرت زیدؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی کے مزاج میں مطابقت پیدا نہیں ہو سکی۔ لہٰذا میں نے طلاق دے دینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند حضرت زیدؓ کو سمجھاتے رہے کہ جلدی نہ کرو اور حتی الامکان نباہ کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کیا ہے وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اس

دے گا۔ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ اس بارے میں لوگ کیا کہیں گے۔ کہ جو نکاح انہوں نے زور دے کر کرایا تھا اس میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کو یہ بھی خلش تھا کہ حضرت زینبؓ کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد اگر نوبت طلاق تک آگئی تو ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش خاندان کی ایک عورت پر لگ جائے گا۔ یہ چیز حضور کے لیے تکلیف دہ تھی کہ اس طرح زینبؓ کی پوزیشن معاشرے میں مزید خراب ہو جائے گی یہ چیز تھی جس کا حضور علیہ السلام کو خوف تھا مگر اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، کہ زینبؓ کی دل شکنی کی تلافی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر زیدؓ اسے طلاق دے دے تو میں خود اس سے نکاح کر لوں گا۔ اس طرح زینبؓ کو نبی کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے گا اور طلاق کے صدمہ کو بھول جائے گی۔ پھر آپ کو یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر میں نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ پھر اعتراض کریں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اور اس بات کو عرب لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ ان حالات میں کافروں، مشرکوں اور منافقوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی طرف سے تکلیف دہ پراپیگنڈہ کا خطرہ بھی تھا، لہٰذا آپ خوف محسوس کر رہے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

زیدؓ سے طلاق اور حضور سے نکاح

بالآخر وہی بات ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت زیدؓ اور زینبؓ میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا پس جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض کو پورا کر لیا یعنی کچھ عرصہ ازدواجی زندگی کے طور پر گزار لیا تو اللہ نے فرمایا زَوَّجْنٰكَهَا تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کرا دیا، اور اس سے مقصود آپ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ منہ بولے کی مطلقہ سے نکاح

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا
فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾
الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ
اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ
اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۵

ترجمہ:- نہیں ہے اللہ کے نبی پر کوئی حرج
اس چیز میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی
ہے۔ یہ دستور ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو اس
سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا
ہوا ہوتا ہے (۳۸) وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں۔ اللہ
کے پیغامات اور ڈرتے ہیں اسی سے، اور نہیں
ڈرتے کسی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور کافی ہے
اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا (۳۹) نہیں ہیں محمد باپ
کسی ایک کے تمہارے مردوں میں سے، لیکن وہ اللہ
کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

نہیں کرنی چاہیئے اور لوگوں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ فرمایا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں اللہ کا دستور ہے۔ پہلے ادوار میں بھی لوگ انبیاء علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے مگر انہوں نے جائز کام کو کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایسے کام بے دھڑک کر گزرے۔ آج لوگ تعدد ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مرد کو چار عورتیں رکھنے کی اجازت کیوں ہے۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو سے بھی زیادہ بیویاں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیز پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو کرتا ہے، آپ اس کی قطعاً پروا نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ فرمایا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کا معاملہ تو ٹھہرا ہوا ہے۔ اس میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟

فرمایا اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ اللہ کے نبی جو اس کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں وہ اسی سے ڈرتے ہیں۔ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان کو صرف اسی بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو جائے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب کرنے والا۔ مطلب یہ کہ معترضین کے طعن و تشنیع کا نمٹنا اللہ ہی کریگا وہ ایسے لوگوں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔

بعض چیزوں کے جواز کا محض حکم دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض جائز امور پر اللہ تعالیٰ لوگوں سے عمل کرا کر اس کے جواز کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اس

لہ بحر المحیط ص ۲۳۲ ج ۷ و زاد المسیر ص ۲۹۴ ج ۶ (قاضی)

تَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ میں تمہارے لیے منزلہ باپ کے ہوں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرتا ہے، اسی طرح میں بھی تمہاری تربیت کرتا ہوں۔

فرمایا، میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور ساتھ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ تمام نبیوں کو ختم کرنے والا بھی ہوں۔ یہ لفظ خَاتَمٌ اور خَاتِمٌ دونوں طرح آتا ہے مگر دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ختم کرنے والا۔ خاتم مہر کو کہتے ہیں اس لیے امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مہر لگانے والے ہیں۔ جب کسی چیز یا سلسلے کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی مزید چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اللہ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بھی ختم کر کے اس پر حضور علیہ السلام کے ذریعے مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی اور شخص انبیاء کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔ شاہ عبدالقادرؒ بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ نے سلسلہ نبوت آپ پر ختم کر دیا ہے۔

اور اگر خاتم بطور فاعل لیا جائے تو معنی ختم کرنے والا ہوگا۔ مطلب وہی ہے کہ آپ سب کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو نیابت کا فریضہ انجام دیں گے۔ خلفاء میں سے اچھے بھی ہوں گے اور برے بھی مگر نبی کوئی نہیں ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میری مثال ایک قصر کی ہے جو مکمل ہو چکا ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ ہوئی باقی ہے۔ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ محل تو بڑا عالیشان ہے۔ مگر

---

[1] ابن جریر طبری ص۱۶ ج۲۲ [2] بخاری شریف

[3] ابن کثیر ص۴۹۲ ج۵ و در منثور ص۲۴۴ ج۵ (فیاض)

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی نیابت اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام نے اختیار کی تھی۔ اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کے بعد تو اور بھی نبی آئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی تعریف میں حضور علیہ السلام کے یہ کلمات بھی ہیں لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ آپ نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا یعنی اللہ نے اس میں بڑی صلاحیت رکھی تھی، مگر میرے بعد تو نبوت کا دروازہ ہی بند ہو چکا ہے

جھوٹے مدعیانِ نبوت

اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان واضح فرمودات کے باوجود آپ کے بعد بہت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال اور کذاب آئیں گے، اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ مگر میں تو خاتم النبیین ہوں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، جو بھی دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا ہوگا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے تو حضور علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دوران مارا گیا۔ اس شخص کا اپنا بہت بڑا قبیلہ تھا، پھر اس نے دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا اور بہت بڑا دجل پیدا ہوا۔ آخر مارا گیا تو یہ فتنہ ختم ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کافر اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ سورۂ حنین کے مطابق یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ اسے فرو کرنے میں گیارہ سو حفاظ اور قاری شہید ہوئے تھے، اور دونوں طرف سے چالیس ہزار آدمی کام آئے تھے۔

۱؎ ۲؎ در منثور ص ۲۰۴ ج ۵

۳؎ ترمذی ص ۲۲۳ (فیاض)

کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے جاہلیت کے باطل نظریے کو رد کر دیا۔ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا سب تغیریں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر بن جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا
كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ
يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾

ترجمہ ... سے بیان کرو ... کرو اس کی پاکی
... ﴿٤٢﴾ اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح
دیکھو ... ﴿٤٣﴾ وہ وہی ذات ہے جو رحمت بھیجتا ہے
... اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں
... کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر
... کی طرف لے جائے اور وہ
... ہے ﴿٤٤﴾ ان کی ملاقات کے دن
... ہے اور اس نے ان کے لیے
... کا ثواب ﴿٤٤﴾

اذکروا اللہ ذکرا کثیرا ... حضرت بیٹے کے خاتمہ پر
... ایک کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جو اللہ کے ذکر سے
... ہو سکے اور اللہ کے ذکر سے بڑھ کر
... ہے اس لیے اللہ کے ذکر کا حکم دیا

پھر حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان طلاق اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اس ضمن میں مخالفین کے پراپیگنڈا کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ نکاح ہم نے خود کرایا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل درست ہے فرمایا یہ دستور سابقہ انبیاء سے چلا آرہا ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کے بے جو چیز مباح قرار دی انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کسی ملامت کنندہ کی پرواہ نہیں کی وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپ تو تمام انبیاء اور رسل کے خاتم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی نئی شریعت لہٰذا جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح عملی طور پر پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے یہ باقی لوگوں کے لیے دستور العمل بن جائے۔

ذکر الٰہی کی فضیلت

چونکہ کافر، مشرک اور منافق اسلام اور اللہ کے نبی کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے تھے جس سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، تو اس پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اگر مخالفین یہودہ باتیں اور طعنہ زنی کرتے ہیں تو تم اس کا تلخی یا ترکی جواب نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خاص اوقات اور خاص مقدار مقرر فرمائی ہے مگر ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے لیے ذکر کی وقت مقرر ہے، نہ جگہ اور نہ مقدار۔ جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ کا ذکر کر سکتے ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ

[1] بخاری و مسلم ج ۱

(فیاض)

ہو۔ فرمایا متعلقین کی تکلیف دہ باتوں کا جواب ذکرِ الٰہی سے دو کہ یہ چیز تمہارے لیے تقویت کا باعث بنے گی کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔ ۲۸) آگاہ رہو کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ذکر الٰہی سے انسان کی غفلت دُور ہوتی ہے اور اسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

تسبیح کی تاکید

فرمایا، ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور اُس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی تسبیح کا معنیٰ تنزیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور ضعف سے پاک ہے جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے، تو اس کا عقیدہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اُس ذاتِ خداوندی پہ ایمان رکھتا ہے، جس کی ذات ہر عیب اور آلودگی سے پاک ہے۔

تسبیح خدا تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ جو شخص اِن دو نمازوں کی پابندی کریگا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اور اُسے اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم مغلوب نہ ہو ان دو نمازوں پہ مداومت اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں[2] کہ تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی لمحہ بھی خالی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر یہ دو واقعات ایسے ہیں جن میں اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نماز فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُسوقت اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہیئے تاکہ فرشتے اللہ کے حضور جاکر گواہی دے سکیں

---

[1] بخاری ص ۸۱ ج ۱ [2] روح المعانی ص ۴۲ ج ۲۲ (فیاض)

مجمع البیان والے اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خداوند قدوس تمھیں جہالت سے نکال کر معرفت کی طرف، نفاق سے نکال کر اخلاص کی طرف لاتا ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت سب اندھیرے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان میں روحانی تاریکی پیدا ہوتی ہے، جو دلوں، دماغوں اور روحوں میں چھا جاتی ہے جب تک انسان ان چیزوں سے توبہ نہ کرے وہ حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ یہ سب ناپاک چیزیں ہیں اور باطنی طہارت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور اس میں جذبہ اطاعت موجود ہو۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نزول رحمت فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اہل ایمان پر اس کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ ان کی عبادت اور ریاضت کو قبول فرماتا ہے اور ان کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کرتا ہے۔ یہ اس کی رحمت و بخشش کی علامت ہے

دعا بطور سلام

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ جس دن وہ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اس دن ان کی دعا سلام ہے۔ دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ[2] اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ان کی دعا سلام ہی ہونی چاہیئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ یعنی دو مسلمان ملاقات پر ایک دوسرے کے لیے خیر و سلامتی کی دعا کریں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہر نبی کے دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر جب دو مومن جنت کے اندر

---

[1] مجمع البیان ج ۲ ص ۲۲۱ [2] احکام القرآن للجصاص ص ۔۔۔ (فیاض)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا
مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ:۔ اے نبی! بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو شاہد بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ﴿۴۵﴾ اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور روشن چراغ ﴿۴۶﴾ اور آپ خوشخبری دیں ایمان والوں کو کہ بیشک اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ﴿۴۷﴾ اور آپ نہ بات مانیں کفر کرنے والوں کی اور منافقوں کی، اور چھوڑ دیں آپ اُن کی طرف سے ایذا رسانی، اور بھروسہ کریں اللہ کی ذات پر۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز بنانے والا ﴿۴۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں پہلے اہل ایمان کو کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنی مہربانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ خود رحمت نازل کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ

چونکہ شاہد کا لقب دیا گیا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اسی بناء پر قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی کئی مقامات پر نفی کی ہے۔ مثلاً سورۃ قصص میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو آپ طور کے مغربی جانب تو نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (آیت ۴۴) اور نہ ہی آپ دیکھنے والوں میں تھے یعنی آپ وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس کے برخلاف وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (البروج-۹) ہر مقام اور ہر چیز پہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ صفت مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ کی وحدانیت کی گواہی

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ شاہد کا معنیٰ گواہی دینے والا بھی درست ہے۔ اور اس کا اطلاق حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کیا جائے تو جملے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپکو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنیٰ کی تائید حضور علیہ السلام کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے دو جنازے گزرے۔ ایک میت کے متعلق صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر واجب ہو گئی۔ پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہؓ نے کہا کہ یہ برا آدمی تھا تو حضور نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور! کیا چیز واجب ہو گئی؟ فرمایا جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی۔ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور جس کے لیے برائی کی گواہی دی اس پر دوزخ واجب ہو گئی۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو

لہ تفسیر عثمانی ص۵۵۰

(فیاض)

ہیں بھی موجود ہے۔ حضور علیہ السلام حوض کوثر پر موجود ہوں گے اور لوگوں کو پانی پلا رہے ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچنا چاہیں گے مگر اللہ کے فرشتے ان کے راستے میں مزاحم ہوں گے۔ حضور علیہ السلام فرمائیں گے کہ فرشتو! ان کو آنے دو کہ یہ میرے ساتھی معلوم ہوتے ہیں مگر وہ جواب دیں گے اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیسا بگاڑ پیدا کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِیْ ان لوگوں کو مجھ سے دور لے جاؤ جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر پیدا کر دیا۔ مطلب یہ کہ نبی علیہ السلام کو ساری امت کے اعمال کا علم تو نہیں۔ آپ اسی قدر گواہی دیں گے جتنا آپ کو علم ہے یا اگر اللہ سب کے متعلق مطلع کر دے گا۔ تو سب کے متعلق شہادت دیں گے۔

اعمال امت سے آگاہی کی تصریح مسیح علیہ السلام کے وعظ سے بھی ہوتی ہے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ سے دریافت کرے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو۔ تو آپ بارگاہ رب العزت میں جواب دیں گے کہ سبحانک میرے لائق یہ بات ہرگز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے انہیں ہمیشہ توحید کی دعوت دی وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (مائدہ ۔ ۱) جب تک میں ان لوگوں کے درمیان رہا، ان کے اعمال کو دیکھتا رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہی ہر چیز کو دیکھنے اور جاننے والا ہے۔

گواہی صفائی کی

قیامت والے دن صفائی کے گواہ بھی پیش ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک ایک حدیث لائے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ کریم انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ میں نے تمہیں امت دے کر بھیجا تھا۔ تم نے

۱

معصیت سے پرہیز کریں گے، اعمال صالحہ انجام دیں گے، اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کریں گے، تمام حقوق ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں گے، انہیں اُن کی کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور انہیں مراتب عالیہ حاصل ہوں گے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے بطور مبشر ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات کا راستہ اختیار کرے گا۔ عملی طور پر ہر قسم کی برائی کو اختیار کرے گا۔ وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام ڈر سنانے والے ہیں۔ آپ اُن کو بُرے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔

داعی الی اللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اُس کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں، کہ نیکی کا انجام بخیر اور بُرائی کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ دعوت الی اللہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حٰمٓ السجدۃ-۳۳) اُس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ الغرض حضور علیہ السلام داعی الی اللہ ہیں مگر بِإِذْنِهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ نے آپ کو یہ منصب عطا کیا ہے تو ساتھ آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔

سراج منیر

پھر فرمایا وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ہم نے آپ کو روشن چراغ بھی بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ آپ کا قلب مبارک مرکز ہدایت اور آپ کی ذات مبارکہ سراج منیر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سراج منیر سے مراد سورج ہے جس کی آب و تاب

نے عرب کو کس قدر بلند مرتبے پر پہنچایا کہ ساری دنیا کے معلم بن گئے۔ اللہ نے ساری دنیا کی سیاست کو ان پڑھ عربوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اللہ نے تورات میں آپ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ بدگو اور فحش کلام کرنے والے ہیں اور نہ بازاروں میں شور و شر کرنے والے آپ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اس آخری نبی کو اللہ تعالیٰ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ٹیڑھی ملت کو درست نہ کرے اور لوگ اپنی زبانوں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے لگیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے لگیں اور بند دل کھل جائیں۔ حضور علیہ السلام کے یہ تمام اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔

شعیاؑ نبی کی شہادت

مفسر قرآن امام ابن ابی حاتمؒ کی روایت ہے امام ابو کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے[1] میں آتا ہے کہ حضرت وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہاری زبان کو وحی کے ساتھ گویا کروں گا۔ اور تم لوگوں کو یہ باتیں پہنچا دو کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اَبْعَثُ اُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا کہ میں امیوں میں سے ایک امی ہی کو بھیجنے والا ہوں۔ وہ ہرگز مزاج اور سنگدل نہیں ہوگا۔ بازاروں میں شور و شر کرنے والا نہیں ہوگا۔ نہ سکون والا ہوگا کہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کو بجھا دے۔ میں اگر سرکنڈوں کے اوپر پاؤں رکھ کر چلے تو ان کی آواز تک نہ آئے۔ میں اس کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، وہ کوئی فحش بات نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ اور بہرے کانوں کو سنوا دوں گا۔ میں اس کے لیے ہر امر جمیل کو درست کر دوں گا۔ اور اسے خلق جمیل عطا کروں گا میں سکینت اور اطمینان کو اس کا لباس بنا دوں گا، نیکی اس کا شعار ہوگا۔ اور تقویٰ اس کے ضمیر کی بات ہو

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۶ ج ۴ (فیاض)

کرے گا۔ میں اس کو عزت دوں گا۔ اور جو اس کے لیے دعا کرے گا۔ میں اس کی تائید کروں گا۔ اور گردش ان کے مخالفوں پر ٹال دوں گا، اور انھیں اپنے نبی کا ورثہ بناؤں گا۔

فرمایا جس طرح وہ نبی داعی الی اللہ ہے اسی طرح اس کی امت کے لوگ بھی داعی الی اللہ ہوں گے۔ جو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور عہد کو پورا کریں گے۔ میں ان کا اختتام بھی اسی سیرت پر کروں گا جس سے اس کی ابتدا کی گئی تھی اور پھر آخر میں فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں میں فضلِ عظیم کا مالک ہوں۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے دیگر اہل ایمان کا ذکر بھی کیا اور فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ آپ ایمان داروں کو بشارت سنا دیں بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت ہر جگہ اس امت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، لوگو! اللہ نے تمہیں خیر الامم بنایا ہے۔ لہٰذا اس کی شرائط کو بھی پورا کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کے قیام میں وفاداری بھی دکھاؤ۔

مشن پر استقامت

حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ آپ کافروں اور منافقین کی بات نہ مانیں وہ تو آپ کو آپ کے مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ طعن و تشنیع اور جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ مگر آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں وَدَعْ اَذٰىهُمْ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ
فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں کے ساتھ، پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ، پس نہیں ہے تمہارے لیے ان پر کوئی عدت جس کو تم ان عورتوں سے پورا کراؤ۔ پس فائدہ پہنچاؤ ان کو اور رخصت کرو ان کو رخصت کرنا اچھے طریقے سے ﴿۴۹﴾

ربط آیات — گزشتہ آیات میں جنسی تعلق کے متعلق نکاح کا مسئلہ بیان ہوا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ عالیہ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی طرف سے دعائے رحمت کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری پیغمبر کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آخری امت کی فضیلت کا تذکرہ بھی ہوا۔ حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ منافقین کی ایذا رسانیوں کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اپنا مشن دلجمعی کے ساتھ جاری رکھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں کہ حقیقی کارساز وہی ہے۔

شان نزول — گزشتہ رکوع میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح، پھر ان کے

[illegible]

[illegible]

لیے ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم پورا کرو۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں سے نکاح اور پھر قبل از مساس طلاق کا ذکر کیا ہے جو کہ محض مومنہ کی شرف و فضیلت کے لیے ہے، ورنہ اگر کوئی شخص کسی کتابیہ عورت سے بھی نکاح اور پھر اسے خلوت سے قبل طلاق دے دے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تَمَسُّوْهُنَّ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی محض مس کرنا یا ہاتھ لگانا ہوتا ہے مگر مطلب محض ہاتھ لگانا نہیں بلکہ مباشرت کرنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کو مجامعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں۔ تو حمل قرار پانے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ نے تین حیض کی عدت اسی لیے مقرر کی ہے تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے اور نکاح ثانی کی صورت میں نسل میں خلط ملط نہ ہو۔ اور اگر حمل موجود ہے تو عدت کی مدت وضع حمل بھی اسی نظریہ کے تحت رکھی گئی ہے۔ بعض ائمہ اہل البیت حنفیہ اور خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت حاصل ہو جائے کہ مباشرت میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اور اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے تو اس خلوت کو مباشرت کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہو جائیگا

دوران عدت کے احکام

دوران عدت بھی عورت کے لیے بعض احکام لاگو ہوتے ہیں، مثلاً اللہ کا فرمان ہے کہ عورت طلاق بائن یا خلع وغیرہ کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، وہ اسی مکان میں عدت گزارے اور خاوند کو اس کے لواحقین کو حکم دیا ہے کہ وہ مطلقہ بیوہ کو زبردستی اس مکان سے نہ نکالیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جائے۔ کہ اس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ دوسری جگہ بھی جا سکتی ہے۔ البتہ

۱؎ در مختار ج ۲ ص ۵۲۰ ۲؎ کشاف ج ۳ ص ۵۲۹ (فیاض)

گوارہ ہے کہ میاں عورت کو مقاربت سے پہلے طلاق دے جائے اس کی کوئی عدت نہیں

اچھے طریقے سے رخصتی

فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا پھر انہیں اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ حسنِ معاشرت کا اسلامی اصول ہے کہ اگر بوجوہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہو سکتا تو پھر محض ایک دوسرے کے ساتھ چپٹے رہ کر زندگی کو جہنم نہ بنا لینا۔ اچھی بات نہیں بلکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور اس موقع پر بھی کسی گلے گلوچ یا تشدد کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل کے باوجود مطلقہ کو عزت و احترام کے ساتھ احسن طریقے سے رخصت کرو۔ اگر مہر مقرر ہے اور قابلِ ادائیگی ہے تو ادا کرو۔ ایک جوڑا کپڑے دو۔ دورانِ عدت عورت کو گھر سے نہ نکالو اور ہر ممکن سہولت بہم پہنچاؤ۔ اسلام نے تو اپنے دشمن کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے اور کسی بدلی کی اجازت نہیں دی۔ طلاق کا معاملہ ہی دیکھ لیں جب میاں بیوی کا اختلاف بڑھ جاتا ہے تو بعض لوگ جسے میں آ کر ناک کاٹ ڈالتے ہیں مگر اسلام نے ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ تمام فرائض اور حقوق ادا کرو۔ اور کوئی دشواری کا ثبوت دو اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اسلام کی بہترین تعلیم ہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر لوگ بھٹکتے پھریں اور معاشرتی قوانین کے لیے اغیار کی طرف دیکھتے پھریں، تو یہ ان کی بدبختی کی علامت ہے۔

انسانی ہمدردی کا اصول

آج کل دنیا میں انسانی ہمدردی کی بڑی تشہیر ہو رہی ہے۔ دنیا کا ترقی یافتہ قومیں نے انسانی ہمدردی کے بڑے بڑے اصول وضع کیے ہیں، اقوامِ متحدہ (U.N.O.) کا چارٹر بھی موجود ہے۔ انسانی ہمدردی کے عالمی ادارے دنیا بھر میں مستحقین کی امداد بہم کرتے ہیں۔ کہیں قحط پڑ جائے، زلزلہ آ جائے، جنگ چھڑ جائے یا طوفان آ جائے یہ ادارے حتی المقدور متاثرین کی امداد کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادارہ خود غرضی سے خالی نہیں یہ ادارے اس امداد کے ذریعے مذہبی یا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بعض عیسائی

[illegible]

[illegible]

اسلام ایک سچا مذہب ہے جس کے اصول واضح اور قابلِ عمل ہیں۔ اسلام نے نکاح کو مرد و زن کی سرشت کی تکمیل اور بقائے نسلِ انسانی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے باوجود اگر طبائع کا تقاضا ہو تو پھر اس سے گلو خلاصی کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے، کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے تو وہ طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں مگر طلاق کو غیر پسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے تاکہ حتی الامکان طلاق تک نوبت نہ پہنچے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ تاہم اگر زوجین کی زندگی میں مزید خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق کی اجازت ہے۔

---

[1] جامع صغیر ۱۴۲/۲ و مستدرک حاکم ۱۹۶/۲ (ریاض)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ
وَبَنٰتِ خَالَاتِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ
مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً
لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

لیے خاص ہے۔ دیگر مومنوں کے علاوہ۔ تحقیق ہم جانتے ہیں
جو ہم نے مقرر کیا ہے۔ ایمان والوں پر ان کی بیویوں کے
بارے میں اور انکی لونڈیوں کے بارے میں تاکہ تم پر کوئی حرج نہ ہو۔ اور
اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۵)

ربط آیات

گزشتہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ بیان ہوا تھا کہ اگر کسی عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں، وہ جس وقت چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ پھر اللہ نے جس معاشرت کے ضمن میں فرمایا کہ طلاق شدہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دیکر اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ اور اگر مہر مقرر ہے اور ابھی ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کرو۔ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہوگا، بصورت دیگر مستحب ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چار خصوصیات اس آیت کریمہ میں آگئی ہیں۔ اور باقی تین کا ذکر دوسری جگہ میں ہوگا۔

قد للمؤمنین کی عبارت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی خصوصیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی علیہ السلام اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ ہم نے آپ کے لیے حلال کر دی ہیں اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ آپ نے جتنی بھی عورتوں کے مہر ادا کر دیئے ہیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں چاہے ان کی تعداد کتنی بھی ہے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ عام مسلمانوں کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان گزر چکا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (آیت ۳) پس اپنی طاقت کے مطابق دو۔ تین یا چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے حقوق ادا کر سکو اور ان کے درمیان انصاف کر سکو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر ایک عورت

رہ کر احکام دین سیکھیں اور پھر اُن کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں چنانچہ آپ کی تمام ازواج مطہرات عالمہ فاضلہ اور نہایت پاکباز تھیں، لہٰذا انہوں نے تبلیغ دین کے لیے بڑا کام کیا۔ اس کام میں اُن کا حصہ بعض اوقات مردوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

کثرت ازدواج کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کو حتی الامکان دور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ابوسفیانؓ اگرچہ قریش خاندان سے تھے مگر حضور علیہ السلام اور دین کے سخت دشمن تھے، مگر جب اُن کی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح حضور کے ساتھ ہو گیا تو ابوسفیانؓ کی دشمنی بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ یاد رہے آپ پہلے ہی اسلام لا چکی تھیں اور مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ وہیں آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ غائبانہ طور پر ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ بطور لونڈی آپ کے پاس آئی تھیں مگر آپ نے انہیں آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کی نفرت بھی کم ہو گئی۔ اسی نکاح کی وجہ سے یہودیوں کو حضور علیہ السلام کے قریب آنے کا موقعہ ملا۔ اور اُن میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ عربوں میں یہ عام دستور تھا کہ جس خاندان میں کسی شخص کا نکاح ہو جاتا وہ سارا خاندان اس شخص کو اپنا دامار سمجھتا۔ اور حتی الامکان اُس سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ کثرت ازدواج کی وجہ سے آپ کی دشمنی بہت کم ہو گئی۔ اسی طرح باقی حالات کی وجہ سے بھی اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔

لونڈیوں کی حلت

حضور علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو اللہ نے یہ بیان فرمائی کہ آپ کو کثرت ازدواج کی اجازت فرمادی۔ اور آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ اور وہ لونڈیاں بھی آپ پر ہم نے حلال قرار دی ہیں جو اللہ نے آپ پر لڑائی میں۔ مثلاً حضرت صفیہؓ کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ کے ہاں بحیثیت لونڈی آئی تھیں۔ یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کی تحویل میں آئی تھی۔ اسی

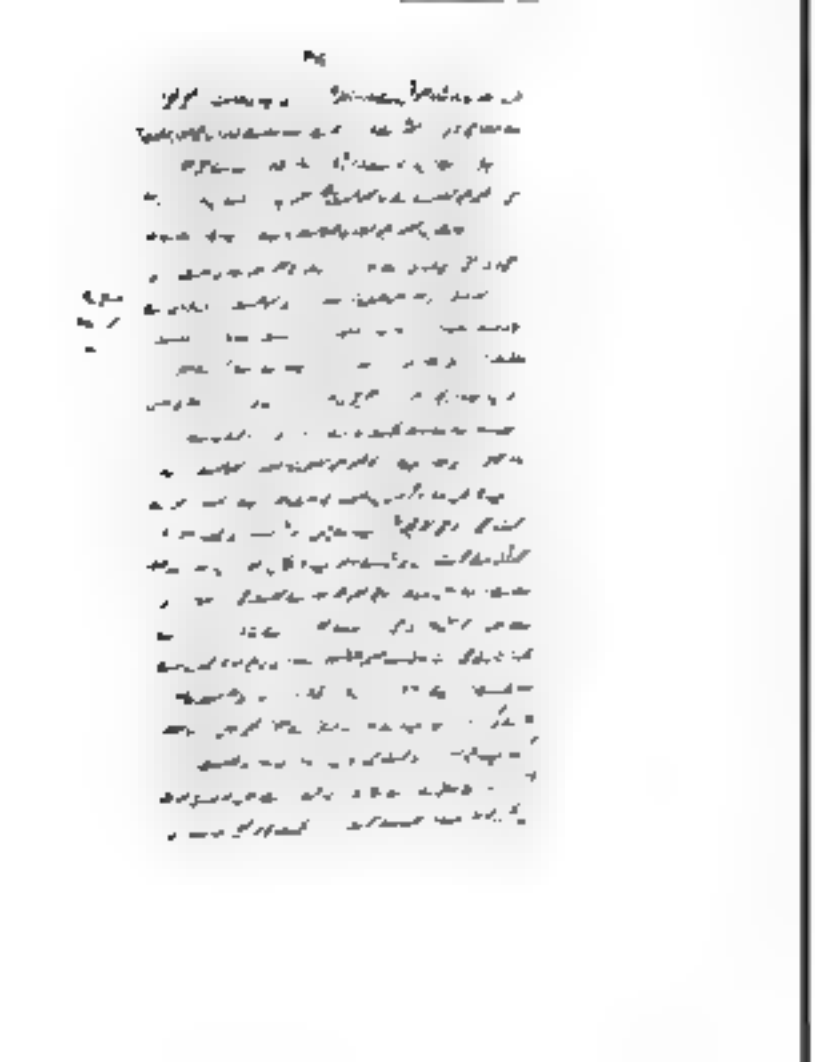

سہولت کی جاتی ہے۔ لہٰذا مہاجر عورتوں میں فخر و خود پسندی کا احتمال بہت کم تھا۔
ہجرت کے ساتھ مشروط کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس عورت نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی ہوگی اس کو دین کی تعلیم و تربیت کا بھی زیادہ موقع ملا ہوگا۔ اور
زیادہ عورتوں سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت
ہو لہٰذا اللہ نے ہجرت کی یہ شرط عائد فرمائی۔

بغیر مہر کے نکاح کی اجازت

اللہ نے حضور علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے۔ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا
اور ہم نے وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال کر دی ہے جو اپنے نفس کو نبی
کے لیے بخش دے۔ اگر اللہ کا نبی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے مطلب
یہ ہے کہ اگر کوئی عورت از خود بغیر مہر کے نبی علیہ السلام سے نکاح پر رضامند ہے
تو اس کی بھی اجازت ہے مگر حضور علیہ السلام کو بغیر مہر کے بھی نکاح کی اجازت
دیدی گئی۔ جب کہ عام امتیوں کے لیے مہر کی ادائیگی ضروری ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء
میں وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم
(آیت ۲۴) اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان
کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم مال خرچ کرو یعنی انہیں حق مہر
ادا کرو۔ یہ ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح کے
بعد مباشرت نہیں کی فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ ۔ ۲۳۷) تو پھر بھی اسے
نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ تاہم اللہ نے نبی علیہ السلام کو مہر کی ادائیگی کے بغیر بھی نکاح کی اجازت
دیدی۔ جب کہ کوئی عورت از خود ایسا کرنے پر رضامند ہو۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف
سے یہ اجازت تو مل گئی، مگر آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ آپ نے
اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہو۔ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت
میں پیش کیا تھا۔ مگر آپ نے یہ پیش کش قبول نہیں فرمائی تھی بلکہ اس عورت کا نکاح
اپنے ایک صحابی سے کرا دیا تھا۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ اللہ نے

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ
تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ
وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ
كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ
لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی
كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾ ع

ترجمہ:- آپ پیچھے رکھ دیں اپنی بیویوں میں سے جس
کو چاہیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں، اور جس
کو آپ تلاش کریں ان میں سے جن کو آپ نے الگ
کر دیا ہے، تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے یہ
بات زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں ان کی آنکھیں
اور وہ غم نہ کھائیں، اور وہ راضی ہوں اس چیز پر جو
آپ ان کو دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے

لیے دین اسلام کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نبی کی بیویاں نبی کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ دین حاصل کریں گی۔ اور پھر ان سے آگے پہنچائیں گی اور یہ فریضہ وہی عورت انجام دے سکتی ہے جو خود ایمان دار ہو۔ اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی تو وہ نہ تو اسلام کی تعلیم حاصل کریگی۔ اور نہ اُسے آگے پہنچائے گی، لہٰذا اللہ نے یہ شرط عاید کردی کہ اگر کوئی عورت خود کو نبی کے لیے ہبہ کردے اور نبی اُس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے تو اُس عورت کا مومنہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی دینی مدرسہ میں کوئی کافر اُستاد مقرر کردیا جائے۔ ایسا اُستاد مسلمانوں کو کیا تعلیم دے گا؟ پیغمبر کے گھر کو ایک دینی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اُس گھر میں آنے والی ہر عورت خاتون ہی دین کی کماحقہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مہر کے ساتھ کتابیہ سے نکاح کرنے کی اجازت اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدۃ - ۵) اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی پاکدامن عورتوں کے ساتھ بھی تم نکاح کرسکتے ہو۔ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جب کہ تم ان کے مہر ان کو ادا کردو۔

عدم مساوات کا جواز

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی چھ خصوصیات بیان فرمائی ہے تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں پیچھے ہٹا دیں وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ اور جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے بیویوں کے درمیان رات بسر کرنے میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے یعنی اب شخص جتنے روز کے لیے خرد و نوش اور شب باشی ایک بیوی کے ہاں اختیار کرے گا اتنے ہی روز دوسری بیوی کے لیے اختیار کریگا، مگر پیغمبر علیہ السلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اگر یا آپ اپنی بیویوں کے پاس کم و بیش وقت گزار سکتے ہیں۔ اس استثنیٰ میں یہ مصلحت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر مساوات کے سلسلے

کا اختیار کرنی خوشی کی بات نہیں تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب امہات المومنین کو معلوم ہو گیا کہ نبی علیہ السلام پر مساوات کا قیام ضروری نہیں ہے، اس کے باوجود آپ اپنی طرف سے حتی الامکان مساوات کا سلوک فرماتے تھے، تو یہ بات ان کیلئے باعث مسرت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر اپنا حق سمجھے اور پھر وہ اُسے نہ ملے تو وہ ناراض ہوگا۔ مگر نبی کی بیویوں کا مساوات کا حق تو اللہ نے نہیں دیا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کی طرف سے مہربانی کا سلوک امہات المومنین کے خوش کا سبب تھا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساوات کے قانون سے آپ کا استثنیٰ آپ کی بیویوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور غم سے نجات کا باعث ہوگا۔ ——— اور پھر آپ اپنی مرضی سے ان کے ساتھ جو بھی سلوک کریں گے۔ وہ اس پر راضی ہوں گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کو جانتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا اور وہ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے وہ فوری گرفت نہیں کرتا۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ اپنے وقت پر پکڑتا ہے یہ اس کی بردباری کی علامت ہے۔

مزید نکاح کی ممانعت

حضور علیہ السلام کی ساتویں خصوصیت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ اس کے بعد آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ اور نہ ہی آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ مزید بیویاں نہیں کر سکتے وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اگرچہ ان کا حسن کچھ زیادہ اچھا لگے۔ یہ پابندی بھی صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی تھی کہ آپ پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر یا موجودہ بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کر لیں۔

مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طرح فرماتے ہیں۔ بعض[1] فرماتے ہیں کہ اس حکم کا

---

[1] خازن ص۲۷۰ ج۵ و تفسیر الثعالبی ص۲۳۲ ج۳ (ضیاء)

ہوتا ہے کہ قبل از نکاح مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ شکل و صورت، قدرت اور حسن وغیرہ کا ادراک تو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کو کسی عورت کا حسن بھلا معلوم ہو۔ اس بات کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دینا مقصود ہو، آدمی اُسے دیکھ سکتا ہے اور پسند ناپسند کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آج کل نام نہاد مہذب ممالک میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لیے قبل از نکاح کئی کئی ماہ تک اکٹھے رہ کر (COURT SHIP) کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں یہ تو صریحاً بے حیائی کی بات ہے، تاہم لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات چیت کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ الغرض، اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت تو نہیں ہے اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ البتہ آپ کی مملوکہ لونڈیاں کو گھر میں رکھنے کی اجازت ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ احکام الٰہی کی پابندی یا اُن کی خلاف ورزی کرنے والے سب لوگ اُس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

لونڈی غلام کا رواج

اکثر لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں لونڈی غلام رکھنے کی اجازت ہے۔ جو کہ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی غلامی کو غیر فطری چیز تصور کرتا ہے اور اس کے حق میں نہیں ہے لیکن اسلام کے زمانے میں غلامی کا رواج بہت سی دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور روزمرہ کا کاروبار کا زیادہ تر انحصار اسی پر تھا۔ اگرچہ اسلام نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، مگر اس کو پسند بھی نہیں کیا بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدام کیے۔ چنانچہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ
فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ
ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ
وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا
سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ
حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ

تم جو ایمان والو! مت داخل ہو نبی کے گھروں
میں مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی اس
حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو
لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب
تم کھا چکو تو پھر چلے جاؤ، اور نہ آپس میں بات چیت
کے لیے جمے بیٹھے رہو۔ بیشک یہ چیز
تکلیف دیتی ہے اللہ کے نبی کو۔ پس وہ حیا کرتا
ہے تم سے، اور اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتا حق بات
کو ظاہر کرنے سے، اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے
کوئی سامان طلب کرو، پس مانگو ان سے پردے کے

وقت ڈاکو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ جب وہ میزبان کے گھر کی طرف چلے تو ایک مزید آدمی ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ کو مطلع کیا کہ ہمارے ساتھ ایک بن بلایا مہمان بھی ہے، اگر ایک زائد آدمی کے لیے کھانے کی گنجائش ہے اور تمہاری اجازت ہو تو وہ آدمی بھی آجائے ورنہ ہم اسے واپس لوٹا دیں گے۔ بہرحال اس شخص نے اجازت دے دی اور اس طرح مسئلہ واضح ہو گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ مہمان قبل از وقت پہنچ کر کیا کھانا پکنے کا انتظار کرتا رہے، تو مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس وقت معیوب ہوگا جب صاحب خانہ حرج محسوس کرے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھانے کا اہتمام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا۔ جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں، علیحدہ بیٹھک نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے بسا اوقات میزبان کو مہمانوں کے قبل از وقت آجانے سے دقت پیش آتی تھی، اس لیے فرمایا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ بلکہ صاحب خانہ وقت محسوس کرے۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول[1] یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ ہوا تو آپ نے دعوتِ ولیمہ کا خاص طور پر انتظام کیا تھا تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکائی۔ تمام شرکاء جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی۔ اس موقع پر ابلیس نے کچھ حلوہ بنا کر بھیجا، چنانچہ کھانے کے بعد حلوہ بھی کھایا گیا۔ اس موقعہ پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلا لیا۔ اتنی

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۳ و روح المعانی ج ۲۲ ص ۴۰ و منثور ج ۵ ص ۲۰۳

(فیاض)

واپس لوٹ جاؤ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کے گھر جاؤ تو دروازے پر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہو اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تو عام گھروں کے لیے احکام ہیں جب کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر سے متعلق تو حکم زیادہ موکد ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اطلاع چلے جاتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ عربوں کے ایک قبیلے کا سردار آیا، اور سیدھا حضور کے پاس اندر چلا آیا۔ پھر پوچھا تمہارے گھر میں یہ خاتون کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی، میری بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ وہ کم فہم تھا کہنے لگا۔ الا تقاتل کیا ہم آپس میں تبادلہ نہ کریں یعنی میری بیوی قسم لے لو۔ اور یہ مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ہمارے گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی مضر کے گھر میں اجازت لے کر نہیں گیا۔ ام المومنینؓ نے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ احمق ہے۔ مگر یہی قوم کا سردار ہے۔ غرضیکہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے مگر اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی

کھانا کھانے کے بعد

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اس آیت کی مصداق حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقعہ پر دعوت ولیمہ تھی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو لوگوں کو بلایا گیا۔ وہیں گھر میں انتظام تھا۔ ام المومنین بھی اگلے کمرے میں دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئیں۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے باتیں کرنے

لے

نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ حیا دار تھے صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم تکلیف دہ چیز کی ناگواری حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے معلوم کر لیتے تھے۔ ورنہ آپ اپنی زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک دوشیزہ پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نئے لباس پہنے ہوئے آیا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ اٹھا تو حضور علیہ السلام نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص کو کہہ دو کہ یہ لباس مناسب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان سے اسے یہ کہنا بھی پسند نہ کیا۔

فرمایا وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ قرآن پاک میں سورۃ البقرۃ میں بھی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا (آیت ۲۶) اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ وہ مچھر یا اس سے بڑی چیز کی مثال بیان کرے۔ بہر حال اس آیت میں نبی علیہ السلام کے گھر میں جانے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق عام گھروں پر بھی ہوتا ہے۔

پردے کی پابندی

آگے اللہ نے ازواج مطہرات کے متعلق یہ ادب بھی سکھایا وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، سامنے نہ آؤ کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی اجنبی عورت سے کوئی کام ہو تو بوقت اشد ضرورت آمنا سامنا ہو سکتا ہے۔ نسبتاً بات بھی کر سکتا

دلوں کے لیے بھی اور امہات المؤمنین کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے
لہٰذا جب بات کرنا ہو کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے
بات کرو۔

وما كان لكم أن تؤذوا رسول الله ولا
تنكحوا أزواجه من بعده أبدا إن
ذلكم كان عند الله عظيما ﴿٥٣﴾ إن
تبدوا شيئا أو تخفوه فإن الله كان
بكل شيء عليما ﴿٥٤﴾ لا جناح عليهن
في آبائهن ولا أبنائهن ولا إخوانهن
ولا أبناء إخوانهن ولا أبناء أخواتهن ولا
نسائهن ولا ما ملكت أيمانهن واتقين
الله إن الله كان على كل شيء شهيدا ﴿٥٥﴾

اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے اور نہ بہنوں کے
بیٹوں کے سامنے اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے
اور نہ اُن کے سامنے کہ مالک ہیں اُن کے داہنے
ہاتھ (یعنی لونڈی غلام) اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے۔
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے (یعنی ہر چیز
اُس کے سامنے ہے) (۵۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب سکھائے۔ کہ آپ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے تو بلا وقت نہ جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو بات چیت کے لیے بیٹھے نہ رہو، بلکہ اٹھ کر چلے جاؤ۔ اگرچہ نبی کریم علیہ السلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش بیٹھے ہیں مگر انہیں اس طرح رُک جانے سے تکلیف پہنچتی ہے۔ پھر بی بی کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا کہ تمہیں اُن سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو سامنے نہ آؤ۔ بلکہ پردہ کا خیال رکھتے ہوئے پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ تمہارے اور اُن کے دلوں کی طہارت کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے تاکہ دلوں میں کسی قسم کے وسوسے نہ پیدا ہونے پائیں۔ عام عورتوں کے برخلاف نبی کی بیویوں سے تعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے

ازواج مطہرات سے نکاح کی ممانعت

اب آج کی بات بھی حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے آداب سے متعلق ہی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ بات تمہارے لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ۔ بلکہ تمہیں ہر وقت ہی کا ادب و احترام قائم رکھنا چاہیے۔ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث ہو وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو۔ اس کی بیویوں سے

تقاضوں کی بات کرے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ان پاک نفوس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نبی کی رفاقت میں امہات المومنین کے دل کو وہ سکون اور اطمینان حاصل تھا، جو دنیا بھر میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

پیچھے آیت ۲ میں یہ بھی گزر چکا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ لہٰذا جس طرح حقیقی، سوتیلی اور رضاعی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی طرح امہات المومنین کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ البتہ ان کی اولاد سے امتی کا نکاح ہو سکتا ہے کہ حرمت نکاح صرف ازواج مطہرات تک محدود ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکاح کے ضمن میں حقیقی ماں، سوتیلی ماں، رضاعی ماں اور ام المومنین کا ایک ہی حکم ہے، تاہم بعض مسائل مختلف بھی ہیں، مثلاً حقیقی یا رضاعی ماں سے پردہ نہیں ہے، مگر ام المومنین سے پردہ کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی ماں کا خرچہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے مگر ام المومنین کے خرچ کی ذمہ داری عام مومن پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کا کفیل بیت المال ہوتا ہے۔

امہات المومنین کے ساتھ امتی کے نکاح کی ممانعت کی ایک وجہ مسئلہ تخییر بھی ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی علیہ السلام سے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کو کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو پھر اسی پر قناعت کرو۔ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی اس قربانی کے پیش نظر اپنے نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ان کے بدلے میں کوئی دوسری عورت نکاح میں لا سکتے ہیں، چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت کو پسند کیا۔ اس لیے اللہ نے کسی امتی کو ان کے ساتھ نکاح کی ہمیشہ کے لیے ممانعت فرما دی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک

ہے تو اس کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے۔
مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلَّى نَائِيًا أُبْلِغْتُهٗ یعنی جو شخص میری قبر پر آکر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا۔ حیات النبی کے مخالف علماء اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث سات سندوں سے آئی ہے جن میں بعض ضعیف بھی ہیں یعنی ان میں مروان سدی صغیر ضعیف راوی ہے مگر امام ابن قیمؒ نے بن شیخ کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بھی نقل کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے حیات الانبیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبی کی تصدیق کرتی ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا[2] رَأَيْتُ مُوْسٰى يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ قَائِمًا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھڑے ہونا جسم کی صفت ہے نہ کہ روح کی گویا آپ نے موسیٰؑ کو روح اور جسم کے ساتھ زندہ مشاہدہ کیا۔ آپ یہ بھی پڑھتے ہیں کہ قبر کو محض ایک گڑھا نہ سمجھو بلکہ مومن کی قبر آرام گاہ وسیع ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[3] ہے کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان والا خطہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبر کسی کے لیے جنت کا باغ بن جاتی ہے۔ اور کسی کے لیے جہنم کا گڑھا۔ اس لیے بعض علماء نے نواسی سے نکاح کی ممانعت کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ آپ حیات ہیں۔ یہ مسلک صرف مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نہیں بلکہ آپ سے پہلے بزرگوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے جہاں

---

[1] مشکوٰۃ ص۸۶ وبنظری جلد ۲ ص۲۱۰ ۲ مسلم ص۲۶۸ وفتاویٰ ص۲۲۱ ومسند احمد ص۳۶۷ ج۲
[2] بخاری ص۴۵۱ ومسلم ص۲۳۶ [3] حاشیہ ص۸۵ ج ۶ (فیاض)

نقل کرتے ہیں، حضرت طلحہؓ کے متعلق خاص طور پر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تھا، کیونکہ وہ آپ کی چچازاد بہن تھیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت طلحہؓ نے بڑا استغفار کیا، ایک غلام آزاد کیا اور ایک حج پیدل چل کر کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے نکلی ہوئی یہ غلط بات معاف کر دے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تمہاری ظاہر اور باطن سب باتوں کو جانتا ہے نبی کی ازواج امت کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، لہٰذا ایسی بات دل میں ہرگز نہ لاؤ۔

پردہ کی ضرورتیں

پہلی آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ امتیوں کے لیے ضروری ہے کہ امہات المؤمنین سے پردہ کا اہتمام کریں اور اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ البتہ سورۃ نور میں محرموں سے عدم حجاب کے احکام گزر چکے ہیں کہ کوئی عورت اپنے محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سفر بھی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہی قانون امہات المؤمنین کے لیے نافذ العمل رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ نبی کی بیویوں کے لیے باپوں، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں اور غلام تو ویسے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اس لیے فرمایا ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ لونڈی غلام کو تو سورۃ نور میں بھی پہلے سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔ البتہ باقی غیر محرموں سے پردہ نہایت ضروری ہے فرمایا وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ نبی کی بیویو! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اس کا خوف ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ اِنَّ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے ایمان والو تم بھی رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو پوری اطاعت کے ساتھ ﴿۵۶﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے کے آداب اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں بعض احکام بیان فرمائے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ امہات المومنین کے ساتھ کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ امتیوں کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کے نبی کو کسی طریقے سے بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ اللہ نے نبی کی ازواج کو پردے کا حکم بھی دیا اور ساتھ ساتھ محرموں کو اس حکم سے مستثنیٰ بھی قرار دے دیا۔ تاہم ازواج مطہرات کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا۔

نبی پر درود وسلام

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اے ایمان والو! تم بھی اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجو، پورے ادب واحترام اور اطاعت کے جذبہ کے ساتھ۔

کر لیے مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَقَدْ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْجَنَّةِ کہ جس شخص کے سامنے میرا نام ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت کے راستے کو خطا کر گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے اور نبی علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے تو یہ مجلس شرکاء کے لیے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی۔

درود کی فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایات میں آئی ہے۔ مسند احمد کی روایت[1] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ صلوٰۃ وسلام پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا، دس غلطیاں معاف کروں گا، اور دس درجے بلند کروں گا۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر وہ درود نہ پڑھے۔ مفسرین[2] فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجلس میں آپ کا نام نامی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک دفعہ درود پڑھنے سے ہی حق ادا ہو جائے گا۔ تاہم اگر بار بار پڑھے گا، تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر دعا کے اول و آخر میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے کہ یہ قبولیت دعا کی نشانی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے انسان کی دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو پھر وہ اوپر جا کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ مسلم شریف[3] میں اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب

---

[1] منتقی ص ۲۰۲ و منثور ص ۲۱۸ و ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۲ [2] ص ۵۰ و شرح ۱۹۸/۱۲ ص
[3] مسند احمد ص ۔ و منتقی ص ۲۱۲ و منثور ص ۲۱۸ [4] احکام القرآن للجصاص ص ۳۷۰/۳
[5] مسلم ص ۱۶۷/۱ و ابوداؤد ص ۱۹۷/۱ و کتاب الاذکار للنووی ص ۳۵ (فیاض)

درود شریف مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا ہے البتہ
اس کے لیے ایمان، عقیدت، محبت اور صحیح طریقہ شرط ہے۔ اپنی مرضی سے موقع بے موقع
یا خود ساختہ الفاظ کے ساتھ درود پڑھنا مفید نہیں ہوگا۔ بعض لوگ اذان سے پہلے تین
مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ پکارتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام
نے اس موقع پر ان الفاظ کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ درود شریف پڑھنے کے مختلف
مواقع میں نے عرض کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی جب چاہو پاک صاف ہو کر نماز،
عقیدت و محبت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض
کیا حضور! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ
لیکن ہم درود کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا، اس طرح کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ[1] اس کے لیے اور بھی بہت سے کلمات آتے ہیں
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ
اُمَّهٰتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں درود شریف
کے پانچ قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں اگر حضور علیہ السلام سے موقع بہ موقع اَلصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ بھی کہہ سکتے ہیں یا قبر شریف پر جا کر یہ الفاظ استعمال
کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر درود سے پڑھیں تو پھر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی ...
حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھنا چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ کے الفاظ بھی

---

[1] در منثور ج ۵ ص ۲۱۹ (فی افس)

[illegible]

ادب

[illegible]

الفاظ اور دعائے خیر کے ساتھ یاد کرنا امت کے ہر فرد کا اولین فریضہ ہے لیکن بھی نے محسن کو یاد رکھنا اخلاقی فرض ہے۔ تو اس طرح گویا درود پاک پڑھنے سے امتی کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط بھی قائم رہتا ہے۔ آپ کے لیے دعائے خیر بھی ہوتی ہے اور خود امتی کو بھی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ نماز تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور درود پاک نماز کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا جس میں حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کوئی نہ کوئی صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کر رہا ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۴) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ جمع عشیت اور ادب واحترام کے ساتھ پڑھا جائے۔ دو چار دفعہ بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا تو محض ریاکاری معلوم ہوتی ہے اور پھر تعصب کا یہ حال کہ اس طریقے سے نہ پڑھے اس پر شرک، درود کا فتویٰ لگا دیا کس قدر ناانصافی ہے۔ درود پاک تو متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود پاک ضرور پڑھو زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور انہی الفاظ کے ساتھ جو نبی علیہ السلام نے سکھائے اور صحابہؓ نے انہی پر عمل کیا۔ بہرحال نبی پر اور فرشتوں پر بھی سلام بھیجنا درست ہے۔ باقی تمام انبیاء پر بھی درود وسلام بھیجا جائے۔ اور پیغمبر کے ساتھ آپ کی آل اور صحابہؓ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے یہی طریقہ درست ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی پر براہ راست درود بھیجنا درست نہیں جب صحابہؓ کا ذکر آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا چاہیئے اور عام مومنین، صلحاء اور بزرگان دین کا ذکر ہو تو رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہیئے یا غفر اللہ لہ کہنا چاہیئے۔

---

۱ دیکھئے مشکوٰۃ ص ۸۷ (ایضاً)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ
مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا
مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

ترجمہ:- بیشک وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، اللہ نے ان پر لعنت بھیجی ہے دنیا اور آخرت میں، اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت کا عذاب ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اس کے کسی جرم کے جو انہوں نے کیا ہو، پس تحقیق اٹھایا ہے انہوں نے بہتان اور صریح گناہ ﴿۵۸﴾

ربط آیات — گذشتہ درس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ذکر تھا، اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر خصوصی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود و سلام کے پھول نچھاور کیا کرو، اور اس کام کے لیے نبی کے ادب و احترام اور خلوص نیت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے گھر میں داخلے اور کھانا کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے ساتھ امتی کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا، اور نبی علیہ السلام کو قول، فعل، نیز جسمانی یا قلبی کسی نوعیت کی ایذا پہنچانے سے منع کیا گیا۔

انکار کرنا یا وقوعِ قیامت کو تسلیم نہ کرنا سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

نبی کو ایذا رسانی

وَرَسُوْلَهٗ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ رسول کو اذیت پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اس کی رسالت کا انکار کیا جائے یا آپ کے مشن کا انکار کیا جائے آپ کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کی جائے اور آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت کی جائے۔ اسی طرح آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا ایذا رسانی بلکہ کفر کی بات ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے۔ کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی نعوذ باللہ کذاب کہتا۔ آپ کی صفت میں طعن کیا جاتا اور آپ کے نسب میں طعن کیا جاتا۔ یہ سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ بعض یہود و نصاریٰ نے حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں چودھویں صدی سے زیادہ کتب اور رسائل شائع کیے ہیں۔ آپ کی ازواج پر اعتراض کیا اور کثرتِ ازواج کو نشانہ بنایا۔ غرضیکہ کفار، مشرکین اور اہلِ کتاب نے ہر طرح سے حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

ایذا رسانی کی سزا

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار بھیجی ہے۔ ایسے لوگ ملعون ہیں، وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں تو مسلمانوں کی جماعت ان کا مقابلہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کرے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اللہ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

عام مومنوں کو ایذا رسانی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا رسانی کا ذکر کرنے کے بعد عام مومنین کے متعلق بھی فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور وہ لوگ جو

اس کے بعد پردے کے احکام والی آیت چھوڑ کر اللہ نے اس قسم کی ایذا رسانی کے تعزیری قانون کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کو ستاتا ہے، اس پر تہمت لگاتا ہے اور پھر اس کو ثابت نہیں کر پاتا تو اس پر حد قذف جاری ہو گی یا وہ تعزیر کا مستحق بنے گا۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہودی کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو وہ شخص عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور عدالت ایسے اتہام لگانے والے آدمی کو بیس کوڑے مارنے کی سزا دے سکتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں یہ تمام تشریحات موجود ہیں کہ کس قسم کے غلط الفاظ استعمال کرنے سے کوئی شخص تعزیر کا حقدار بن جاتا ہے۔ تو اس مقام پر ان مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے، جن کو بلا وجہ کوئی ایذا پہنچائی جائے۔

بہتان اور صریح گناہ

فرمایا کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت معیوب ہے۔ یہ تکلیف خواہ گالی گلوچ کے ذریعے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق فرمایا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا انہوں نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے وَإِثْمًا مُّبِينًا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کے احکام سورۃ نور میں بھی بیان ہوئے جہاں حد قذف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت ۴ میں ہے جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار عینی گواہ پیش نہیں کر پاتے انہیں اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس مقام پر فرمایا کہ مومن مرد یا عورت کو کسی بھی طریقے سے ایذا پہنچانا صریح گناہ ہے۔

بہرحال پہلے درجے میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا، اور دوسرے درجے میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے متعلق فرمایا کہ یہ بہتان اور صریح گناہ ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر خود مسلمان ہی ان آداب کی پابندی نہیں کریں گے تو ان کی سوسائٹی پاک

[1] ترمذی ص (باقی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ
الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۰
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
تَقْتِيْلًا ۝۶۱ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲

ترجمہ:- اے نبی! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور
اپنی بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا
لیا کریں اپنی چادریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی
جائیں اور ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ
بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (۵۹) اگر باز
نہیں آئیں گے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں
میں روگ ہے، اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم

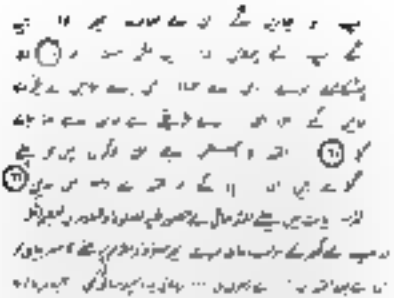

بھی باہر نہیں آتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لونڈیاں ہیں نہ کہ گھر کی مستقل باقاعدہ احترام اور باعزت عورتیں۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ جب آزاد عورتیں باہر نکلیں تو باپردہ نکلیں تاکہ پہچانی جاسکیں کہ یہ باعزت عورتیں ہیں اور کوئی بدکن آدمی اُن سے تعرض نہ کر سکے۔ اُن کو تکلیف پہنچانے کا یہی مطلب ہے کہ اُن کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے، کوئی آوازے نہ کسے۔

پردے کا تفصیلی حکم تو سورۂ نور میں آچکا ہے تاہم اس مقام پر نبی کے اہلِ بیت کی عزت و احترام کے طور پر ان کو پردے کا حکم دیا گیا ہے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ امہات المومنین رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے باہر جاتی تھیں کیونکہ اُس زمانے میں گھروں میں غسل خانوں کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ بعض دیگر ضروریات کے لیے بھی گھر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ چونکہ اُس وقت منافق قسم کے لوگوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ تھا، اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی ممکنہ بدسلوکی سے بچنے کے لیے ازواجِ مطہرات کو باپردہ باہر نکلنا چاہیے۔ چنانچہ ۵ھ میں اللہ نے پردے کے یہ احکام نازل فرمائے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے فرمایا اُذِنَ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ تم اپنی حاجتوں کے لیے باہر جاسکتی ہو لیکن پردے کے ساتھ تاکہ کوئی بداخلاقی کا واقعہ پیش نہ آئے۔ تو اس سلسلے میں سب سے پہلے امہات المومنین کو خطاب کیا گیا، پھر نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور پھر عام مومن عورتوں کو۔

پردے سے متعلق پہلے اسی سورۃ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ کہ ازواجِ مطہرات گھروں میں رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اور جاہلیت اولیٰ کی طرح کھلے عام بے پردہ نہ پھریں۔ اس وقت

---

۱ مظہری ج ۸ ص ۴۱۸ و در منثور ص ۲۲۶ ج ۵

۲ مظہری ج ۸ ص ۴۱۹ و در منثور ص ۲۲۱ ج ۵

شریعت نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی تجارت یعنی کشید کرنا اور اس کی تجارت بھی حرام قرار دی ہے تاکہ شراب نوشی کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ اسی طرح شریعت نے نکاح کی ترغیب دی ہے تاکہ برائی کی طرف رغبت نہ ہو اور پردے کا حکم دیا ہے تاکہ بے حیائی کے اسباب کو ہی روک دیا جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب کے دلدادہ پردے کو عورت کی حق تلفی قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ پردہ صحت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورتوں کو سرعام برہنہ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ برقع یا بڑی چادر تو درکنار معمولی دوپٹے کو بھی سر پر لینا بد تہذیبی سمجھتی ہیں اور محض گلے میں لٹکا لینا ہی کافی سمجھتی ہیں۔ اس بے پردگی سے یورپی ممالک کے شریف الطبع انگریز بھی نالاں ہو چکے ہیں۔ اب اخلاق بگڑ رہے ہیں اور نسلیں خراب ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدی میں ڈاکٹر سپنسر بہت بڑا فلاسفر ہوا ہے، جس نے جدید تہذیب کے خلاف سخت ریمارکس دیے تھے۔ کہتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ پینتالیس بچے بھی حلال ہوں۔ فحاشی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کے لیے سخت قانون دیے ہیں جن کی پابندی سے انسانی اخلاق درست رہ سکتے ہیں اور انسانی سوسائٹی پاک رہ سکتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے پردے کے احکام نازل فرما کر عورتوں کے غیر محرم مردوں سے میل جول بغیر محرم کے سفر کرنے اور کھیل تماشے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسلام نے تصویر کشی کو بھی اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فحاشی کے ہمواری میں سے ہے۔ چہ جائیکہ کہ سینما پر نیم برہنہ قحبہ ہر اور مرد و زن کا عام اختلاط ہو۔

بہرحال شریعت مطہرہ نے پردے کے احکام نازل فرما کر مسلمان سوسائٹی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک رکھنے کا درس دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا خامی رہ جائے تو فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا رَّحِيْمًا تو اللہ تعالیٰ

سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلانا بھی ہو سکتا ہے جس سے سوسائٹی میں انتشار پھیلانا مقصود ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص گرفت میں آجائے تو پھر قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اُسے زیادہ سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

پھر جب ایسے بدطینت لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو فرمایا ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا تو وہ آپ کے پڑوس یعنی شہر مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے۔ مگر بہت کم دنوں تک، اس قسم کے بداخلاق لوگ خود بخود شہر سے بھاگ جائیں گے اور سوسائٹی پاک ہو جائے گی۔ فرمایا مَلْعُونِينَ یہ لعنتی لوگ ہیں، ان پر پھٹکار پڑے گی۔ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا پھر جہاں بھی یہ پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ یہ شہر میں چھپ چھپا کر اپنی قبیح حرکات جاری نہیں رکھ سکیں گے بلکہ قانون کی گرفت میں آئیں گے وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا اور سخت طریقے سے مارے جائیں گے۔ ایسے لوگ تعزیری لحاظ سے واجب القتل ہیں اور ان کے ساتھ نہایت سختی سے نپٹا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعزیری طور پر ان کے سر قلم کیے جا سکتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں فواحش، بے حیائی اور بداخلاقی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہیے۔

اللہ کا اٹل دستور

ارشاد ہوتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ دستور پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں میں بھی بدستور جاری رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی غنڈے بدمعاش قسم کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے قوانین موجود تھے، اب آخری شریعت میں بھی اللہ نے یہی قانون رکھا ہے لوگوں

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ
قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا
الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا
كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع ۸ ۱۰ ۵

ترجمہ :- لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے
بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک اس کا علم اللہ کے
پاس ہے۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب
ہی ہو ﴿۶۳﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے پھٹکار کی ہے کافروں
پر اور تیار کی ہے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ﴿۶۴﴾
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں۔ نہ پائیں گے کوئی
حمایتی اور نہ مددگار ﴿۶۵﴾ جس دن کہ پلٹے جائیں گے ان

انکار کرتے تھے مگر جب اللہ کے پیغمبر اُن کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتے تو پھر استہزاءً پوچھتے، اچھا بتایئے قیامت کب آئے گی؟ اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا

قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وقوعِ قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جو اُس نے کسی کو نہیں بتایا۔ ایک روایت[1] میں آتا ہے مَا وَجَبَتْهَا فَلَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ یعنی جب وقوعِ قیامت کی گھڑی کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ علم اُس نے نہ کسی نبی مرسل کو دیا ہے اور نہ ملک مقرب کو۔ البتہ قیامت سے پہلے پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[2] ہے بُعِثْتُ وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ میں اور قیامت اس طرح آگے پیچھے کئے جانے والے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، جس طرح دو انگلیاں متصل ہیں اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے، اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ اب تو قیامت ہی آنے والی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر-۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ منافقوں نے یہ سوال محض ہٹ دھرمی کی بنا پر کیا ہوگا۔ جس چیز کا جواب دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اُس کا بار بار سوال کرنا بے معنی بات ہے۔ ہاں اگر کسی سادہ لوح آدمی نے محض علم حاصل کرنے کے لیے ایسا سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے اُسے دوسرے طریقے سے سمجھایا۔ جیسے ایک دیہاتی نے عرض کیا تھا حضور! یہ بتایئے مَتَى السَّاعَةُ

---

[1] قرطبی ص۲۴۸ ج ۱۴ [2] موضح القرآن ص۵۱۱

(فواض)

اس کی بجائے انسان کو اپنی دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس زندگی میں عذاب الٰہی سے بچ جائے۔

اس آیت کریمہ میں مَا اَدْرٰىكَ کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے کہ آپ کو کس نے بتلایا بعض مقامات پر اسی کے ہم معنی الفاظ مَا اَدْرٰىكَ بھی آتے ہیں جیسے سورۃ القدر میں ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق يُدْرِيْكَ آتا ہے، وہاں مذکورہ چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں اَدْرٰىكَ استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ امام سفیان ابن عیینہ جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد ہیں، وہ بھی مذکورہ حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے قیامت کے ساتھ يُدْرِيْكَ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کی تفصیلات نہیں بتائیں مگر لیلۃ القدر کے لیے اَدْرٰىكَ استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی ہے کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس میں روح الامین اور فرشتے نازل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

کفار پر لعنت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر پھٹکار بھیجی ہے۔ لعنت کا معنی ہے رحمت سے بعید کر دینا سورۃ بقرہ میں ہے، جو لوگ کفر کی حالت میں مرگئے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (آیت ۱۶۱) ان پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس مقام پر فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ سعیر جہنم کے ناموں میں ایک نام بھی ہے۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں کفر اور شرک میں مبتلا ہے اور اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے ہے۔ ایمان اور توحید کی مخالفت

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں انسان بنایا تھا، عقل فہم اور شعور عطا کیا تھا، مگر تم بغیر سوچے سمجھے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے رہے، وہ تمہیں عیاشی اور فحاشی کا سبق دیتے رہے، شرکیہ اور بدعتیہ امور کا ارتکاب کراتے رہے، مشرک مولوی لوگوں سے جھوٹے بازی اور قہقہے بازی پر ہی مال خرچ کراتے رہے اور عوام کو بیوقوف بناتے رہے اس دن افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم نے ان لیڈروں کو ووٹ دے کر منتخب کیا۔ مگر انہوں نے ہمیں غیر اسلامی نظام دے کر برباد کر دیا ہم نے پیر، مولوی اور بزرگ سمجھ کر اپنا ایمان تک ان کے ہاتھ میں دے دیا مگر انہوں نے ہمیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا۔ اس دن لوگ اپنے پیشواؤں کو خطاب کر کے کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ (الصّٰفّٰت ۲۸) تم ہمارے دائیں بائیں سے آکر ہمیں سبز باغ دکھاتے تھے، وہ آگے سے جواب دیں گے کہ تم خود اس وقت سوچتے کہ تم کدھر جا رہے ہو تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے رہے، لہٰذا اس گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔

جب مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفًا مِّنَ الْعَذَابِ اے ہمارے پروردگار ان پیشواؤں کو دوگنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کرتے رہے وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔ مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ تم سب تابع اور متبوع پر دُہرا عذاب ہوگا کیونکہ جس طرح انہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح تم نے بھی آگے لوگوں کو گمراہ کیا۔ لہٰذا ایک سزا تمہیں گمراہ ہونے کی ملے گی اور دوسری سزا دوسروں کو گمراہ کرنے کی ملے گی۔ اس طرح جاہل پیر اور مرید دوہری سزا میں مبتلا کیے جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا
مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ
عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَ
مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
عَظِيْمًا ۝

بھی ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کے نبی کے متعلق کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائیں جو آپ کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ اگر کوئی مومن ایسا کرے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہو جائے گا لہٰذا ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی

اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ تم بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کی ایذا رسانی کا باعث نہ بننا۔ جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا وہ بھی ملعون ٹھہرے اور مستحق عذاب ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ ان پر طعن و تشنیع کی اور طرح طرح کے عیب لگائے فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا ان باتوں سے جو وہ لوگ کہتے تھے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا اور موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نزدیک بڑی وجاہت والے یعنی باعزت تھے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان رسول اور صاحب کتاب نبی تھے، اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو خلافت بھی بخشی۔

حضور علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی قدر مماثلت پائی جاتی ہے کہ ان کی قوموں نے اپنے جلیل القدر رسولوں کو کس طرح ستایا اور ذہنی کوفت پہنچائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام سے کہہ رہا ہے یا محمد! انصاف کرو۔ مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو اس شخص نے اعتراض کیا کہ مال کی تقسیم صحیح طریقے سے نہیں ہو رہی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کو سخت پریشانی ہوئی۔ غصے سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ

لہ ابن کثیر ص۵۳۱ ج۳ و قرطبی ج۱۴ ص۲۵۹ و مظہری ص۳۲۳ ج۷ (ضیاء)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۶) اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر فرماتے ہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی گئی مگر اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں بھی اپنی دعا پر صبر کا مظاہرہ ہی کروں گا۔ بہرحال حضرت علیہ السلام اس سوال کے جواب میں کہ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا (الکہف: ۷۲) اے شخص تو نے بہت برا کام کیا اگر میں بھی اس کے ساتھ یہی کروں تو پھر اور کون انصاف کے تقاضے پورے کرے گا؟ آپ نے یہ فرمایا کہ آسمان سے تجھے اس لئے نہیں اتارا کہ تم مجھے یہ دیوانہ سمجھ رہے ہو بلکہ اس لئے کہ اس شخص کے پیروکار میرے پیچھے لگ جائیں گے جو دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان میں سے نکل جاتا ہے۔ تو فرمایا تم اپنی کوشش دیکھو، میں اپنی طرح موسیٰ علیہ السلام کی کوشش پہنچاؤں گا۔

عبارت تحریر

موسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کی ایک مثال سورۃ طٰہٰ میں موجود ہے۔ آپ نے اپنی قوم سے مل کر بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کے لیے رات کو ان لوگوں کے ساتھ مصر سے نکلنا تھا مگر قوم کے بڑے موسیٰ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ: ۲۵) ہم یہاں بیٹھے رہیں گے جیسی قوم کے لوگ ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا (المائدہ: ۲۵) اے اللہ تم اور موسیٰ جاؤ اور جا کر اس قوم سے لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے، اس صاف انکار سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت کوفت ہوئی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔ اے اللہ کریم! اس اسحاق قوم پر بیزاری میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بے عافیت کر دے کہ میں کر سکتا ہوں، تو فرمایا اور اس فاسق قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اللہ نے فرمایا، اچھا۔

یہ سرزمین شام و فلسطین ان لوگوں پر حرام کر دی گئی ہے اب یہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہیں گے اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ سرزمین اگلی نسل کو منتقل کریں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اور خود بھی خدا کی طرف سے معتوب ہوئے۔

جسمانی عیب سے کاشفانہ

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہایت حیادار آدمی تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو سخت پردے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر آپ کے برہنہ جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کا جسم عیب دار ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض کہتے کہ آپ کو آنکڑہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے لیے تکلیف دہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتہام سے بری قرار دینے کے لیے یہ سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے پتھروں کے درمیان تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے۔ اتنے میں اللہ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتیٰ کہ وہ پتھر لوگوں کی مجلس کے قریب جا کر رک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے لینے کے لیے برہنگی کی حالت میں ہی وہاں پہنچ گئے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے اور اس طرح اللہ نے آپ کو اس اتہام سے چھٹکارا دلا دیا۔

پکاری کا الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ بگڑ گئے۔ ان میں قارون سب سے پیش پیش تھا جس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اس کی زکوٰۃ

۱؎ بحوالہ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۰ و معالم التنزیل ص ۱۸۵ و نظری ص ۲۲۱ (فیاض)

نے حکم دے دیا کہ آپ کی ذات مبارکہ کے لیے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا کرو وَلَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا بلکہ اس کی بجائے اُنْظُرْنَا کا لفظ استعمال کیا کرو تاکہ کسی بگاڑ کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے گھر کے آداب بیان کیے ہیں تاکہ آپ کی شان اقدس میں کسی ممکنہ کمی کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اتہام سے پاک قرار دیا۔

قولِ سدید کی ترغیب

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایک اور قانون بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا اور ہمیشہ سیدھی بات کہو۔ ظاہر ہے کہ اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں اذیت کا کوئی امکان نہیں ہوگا اور اگر الٹی سیدھی باتیں کرو گے تو بے کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ حضرت عکرمہؓ سے منقول ہے کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے، ہر بات واقعہ کے مطابق ہونی چاہیئے اپنی زبان سے کوئی غلط، غلیظ اور جھوٹی بات مت نکالو۔ شرک کی بات، گالی گلوچ، کفر، نفاق وغیرہ قولِ سدید کے منافی ہیں، لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے حضور علیہ السلام نے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا ہے گویا بے احتیاطی کی باتوں سے منع فرمایا ہے، علاوہ ازیں فرمایا کہ ہمیشہ سیدھی بات کرو

سچائی کا فائدہ

فرمایا اگر تم زبان کی حفاظت کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوار دے گا۔ درست

لہ ابن کثیر ص ۵۲۱ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۱۹۵ ج ۳ و قرطبی ص ۲۵۳ ج ۳ (فیاض)

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا
جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ۔ بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر۔ پس انکار کیا انہوں نے کہ اٹھائیں اس کو اور اس سے ڈر گئے۔ اور اٹھا لیا اس کو انسان نے۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ﴿۷۲﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے (مہربانی کے ساتھ) مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۷۳﴾

ربط آیات — گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول اور عام مومنوں کو ایذا دینے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا

شریعت اور حدود وغیرہ کی پابندی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان احکام کی تعمیل کی صلاحیت نہ آسمان میں ہے، نہ زمین میں، نہ پہاڑوں میں اور نہ شجر و حجر میں، لہٰذا انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا، اور انسان میں چونکہ یہ استعداد پائی جاتی ہے، لہٰذا اس نے اس بار کو اٹھا لیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ اس امانت سے مراد وہ استعداد اور صلاحیت ہے جس کی بنا پر انسان مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ اگرچہ جمادات بھی پابندیٔ قانون کے مکلف ہیں، مگر ان کی صلاحیت انسان کی نسبت کمزور ہے، اس لیے جمادات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالیؒ، امام بیضاویؒ، خواجہ محمد پارساؒ اور بعض دیگر مفسرین اس عہدِ تکلیف کا فوائد اپنے لگے میں ڈالنا مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قانون کی پابندی کو اپنے ذمے لے لیا جائے اور پھر اطاعت کی صورت میں اجر و ثواب اور معصیت کی صورت میں عتاب کو قبول کر لینے کا نام امانت ہے۔

عرض اور ابی کا مفہوم

اس آیت کریمہ میں آمد، اشفقن، عرضنا اور ابین خاص طور پر قابلِ طلب ہیں۔ عرض کا معنی عام طور پر کسی چیز کو زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا ہوتا ہے اسی لیے تحریری طور پر پیش کی جانے والی درخواست کو عرضی بھی کہتے ہیں۔ تاہم امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے چونکہ ان میں اس عہدِ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی لہٰذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہاں پر ابین یا انکار کا معنی بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں

۱؎ بیضاوی ص ۲۵۳ ج ۲

۲؎ بیضاوی ص ۲۵۳ ج ۲ (فیاض)

ہے کہ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام جنت میں آزادی سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک بڑی چٹان پڑی ہوئی دیکھی۔ فرشتے اس چٹان کے قریب سے گزر جاتے تھے مگر اس کے حجم اور بوجھ کے پیش نظر کوئی بھی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی کم ہمتی پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بغیر کسی کے کہے اس پتھر کو خود اٹھانے کی پیش کش کی۔ آپ نے اس چٹان کو گھٹنوں تک اٹھا کر پھینک دیا، پھر دوبارہ کوشش کی تو کمر تک لے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے اس پتھر کو اٹھا لیا ہے۔ تو اب یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن پر قیامت تک رہے گا۔ یہ عہدۂ تکلیف ہے جس کو تم نے برضا و رغبت اٹھایا ہے لہٰذا اب اسے زندگی بھر اٹھائے رکھنا ہوگا۔ اور اس بارِ امانت کو پھینکنے نہیں پھینکنا، چنانچہ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی آتا ہے اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ یعنی تکلیف کی یہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتاری گئی تھی، پھر انہوں نے دنیا میں آکر اس کی تفصیلات قرآن و سنت سے معلوم کیں۔

جنید بغدادیؒ کی توضیح

حضرت جنید بغدادیؒ نے اس بارِ امانت کی توضیح اپنے انداز میں اس طرح بیان کی ہے کہ انسان نے ازل میں یہ امانت اٹھا تو لی تھی مگر دنیا میں آکر وہ غرور میں مبتلا ہوگیا، اور اس کی توجہ فرض کی ادائیگی کی طرف نہ رہی۔ خدا تعالیٰ نے یہ بارِ امانت پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیش کش بہت بڑی چیز تھی جس میں انسان کو بڑا ہی لطف و سرور آیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا خدا کی پیش کش کو ٹھکرانا نہیں چاہیئے، چنانچہ وہ اسی سرور میں مست رہا مگر یہ نہ سوچا کہ یہ ذمہ داری یا فرض مجھ سے پورا بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ اب جو شخص اس ذمہ داری کو نہیں نبھائے گا، وہ قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔

(فیاض)

لہ عازن صفحہ ۲۸ ج ۵

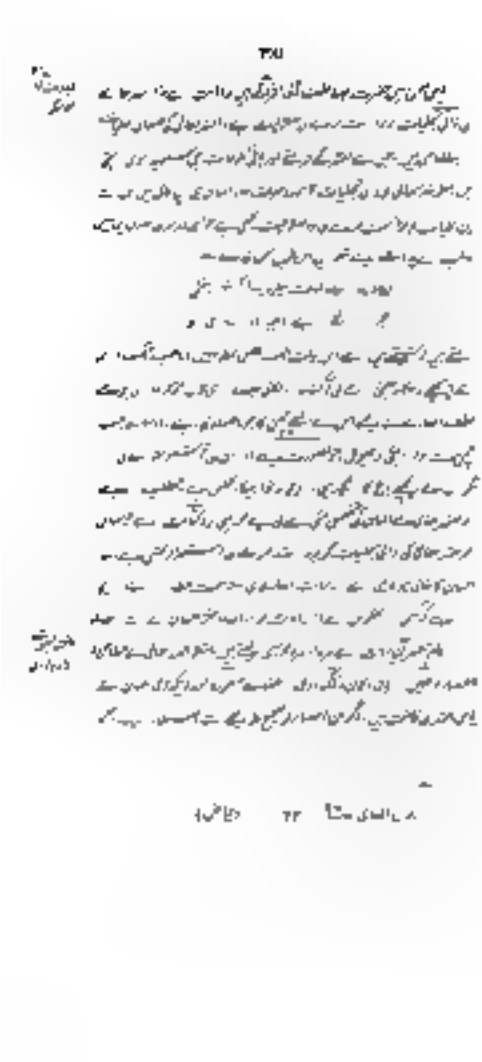

تو اس امانت کا حق ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اعضاء کے علاوہ بہت سے احکام بھی امانت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے غسل جنابت، حفاظتِ ناموس، فرائض کی ادائیگی، عہد و پیمان اور اوامر و نواہی کی پابندی اسی امانت سے متعلق ہیں۔ اس امانت میں خیانت کرنا یعنی احکام و فرائض سے غفلت اور اوامر و نواہی کی عدم پابندی انسان کے لیے وبالِ جان ہوگی۔ اور اس امانت کی حفاظت کرنے پر اللہ نے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اس امانت کی پاسداری کرنی چاہیئے۔ اس امانت کا حق نہ ادا کرنے والا آدمی منافق ہوگا۔ یا مشرک اور ہمیشہ کے لیے مبتلائے عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی[1] ہے کہ اگر انسان سے چار چیزوں کے علاوہ باقی ساری بھی فوت ہو جائیں تو اُسے فکرمند نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن میں سرفہرست امانت کی ادائیگی ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی مال بطور امانت ہے تو اُس کو واپس کرے، کوئی وصیت ہے تو پوری کرے، کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو اُس کو نبھائے، یہ سب چیزیں امانت کا حصہ ہیں۔ فرمایا دوسری چیز سچائی ہے تیسری اخلاق حسنہ، اور چوتھی رزقِ حلال جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اور وہ حلال روزی کماتا ہے اور استعمال کرتا ہے، تو پھر اگر اس کے پاس اور کچھ بھی نہ ہے تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں، کیونکہ دنیا میں ان چار چیزوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ کی تفسیر

شاہ عبدالقادرؒ[2] نے حملِ امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنی جان پہ ترس نہ کھایا اور اس بارِ امانت کو اٹھا لیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روک کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ کا حکم اُس کے خلاف

---

[1] ابن کثیر ص ۵۲۴ ج ۳ [2] موضح القرآن ص ۵۱۲ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں تو ان پر انعام و اکرام ہو، اور جو غفلت اور شرارت سے اس امانت کو ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے۔ اور جو لوگ اس بارے میں قصور کے مرتکب ہیں۔ ان سے معافی کا معاملہ ہو۔ علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ امانت ایمان اور ہدایت کا تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیر دیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف بنتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ جو امانت کا پاسدار نہیں وہ ایمان سے عاری ہے۔ انسانوں کے دلوں میں موجود ایمان کے بیج کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے گی تو ایمان کا درخت اُگے گا۔ مگر بنی نوع انسان کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں جن میں امانت کا بیج ڈال دیا گیا ہے۔ پھر بارش برسانے کے لیے رحمت کے بادل بھی وہی بھیجتا ہے۔ اور جن کے سینوں میں وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے ان کا ایمان پھلتا پھولتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت الٰہی یعنی ایمان کے تخم کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور بڑے ضائع نہ ہونے دے ایسا نہ ہو کہ امانت کا پودا اُگنے کی بجائے اس کا بیج ہی سوکھ ہو جائے۔ اس بات کی تصدیق حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امانت آسمان سے لوگوں کے قلوب پر نازل کی گئی ہے۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر قرآن و سنت سے معلوم ہوئی ہے۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا ہے۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی۔ اگر اس سے ٹھیک طور پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تو ایمان کا درخت اُگے گا، پھلے پھولے گا تو انسان کو اس کے ثمر شیریں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانے میں انسان کوتاہی کرے گا، تو ایمان کے درخت کو اُبھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان ہوگا۔ اور اگر اس

۱؎ نظری ص۴۲۳ ج ۷ و خازن ص۲۷۹ ج ۵

۲؎ ابن کثیر ص۵۲۴ ج ۳ (فیاض)

سورة
النبأ
مكية

سُوْرَةُ سَبَإٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سبا مکی ہے اور یہ چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنیوالا اور بڑا مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي
الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ
السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ
الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا
السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ
الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تُوبِّتَ لَهُمْ شَمِعًا وَبُرُوقًا كَرِيمَةً ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ
سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَجِّزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٣﴾ وَيَرَى الَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ
الْحَمِيدِ ﴿٤﴾

[illegible] ہے [illegible] کے لیے ہے
[illegible] ہے جو کچھ [illegible] ہے آسمانوں [illegible]
[illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے آخرت [illegible]
[illegible] والا اور سب چیزوں کی خبر رکھنے والا
ہے ﴿٢﴾ [illegible] ہے جو [illegible] نکلتی ہے [illegible]
[illegible] اور جو [illegible] آسمان کی طرف سے
نازل ہوتی ہے اور جو اسکی طرف چڑھتی ہے اور وہ مہربان [illegible]
والا، اور بخشنے والا ہے ﴿٣﴾ اور کہتے ہیں لوگوں نے جنہوں
نے کفر کیا کہ نہیں آئیگی ہم پر قیامت [illegible] کہہ دیجئے ہاں
[illegible] ہے کہ قسم [illegible] کی وہ تم پر
[illegible] والا ہے جس سے [illegible]
[illegible] اور [illegible] ہیں
[illegible] ہیں [illegible] ﴿٤﴾ اور

بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور
جنہوں نے اچھے کام کیے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے
بخشش اور عزت کی روزی ہے ④ اور وہ لوگ
جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں عاجز کرنے
کے لیے یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب
ہے ⑤ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا
ہے، وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ
کے پروردگار کی جانب سے، وہ برحق ہے اور وہ راہنمائی
کرتی ہے زبردست، اور حمید خدا تعالیٰ کے راستے کی طرف ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ سبا ہے جو کہ اس کی آیت ۱۵ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ سبا ایک شخص، قبیلے، شہر اور ملک کا نام تھا جس کا ذکر اس سورۃ مبارکہ کے دوسکر رکوع میں آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نور سے لے کر سورۃ سجدہ تک ساری مکی سورتیں تھیں۔ اس کے بعد پہلی سورۃ الاحزاب مدنی تھی اور یہ سورۃ پھر مکی ہے۔ آگے پھر تین سورتیں متواتر مدنی ہیں اور اس کے بعد مکی اور مدنی مخلوط سورتیں آئیں گی۔

اس سورۃ کی چون آیتیں، چھ رکوع ہیں یہ سورۃ سبا کی ۸۸۳ الفاظ اور ۴۱۵۲ حروف پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مکی دور کے زمانہ وسطیٰ میں سورۃ لقمان کے بعد نازل ہوئی۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

سابقہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت کا قانون نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھا لیا کیونکہ اللہ نے انسان میں حملِ امانت کی پوری پوری صلاحیت اور استعداد رکھ دی ہے۔ چونکہ انسان نے بزعم خود اس بارِ امانت کو اٹھایا ہے لہٰذا اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے، جو شخص اس امانت کا حق ادا

کی شکر گزاری اور ایمان کی دولت ہی نصیب ہوگی۔ انسان کے لیے جس طرح ہوا، پانی، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی مطلوب ہیں، اسی طرح اس کے لیے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جو وحی الٰہی، کتاب، شریعت یا دین کے پاکیزہ اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کے لیے اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے ——— وہی ہر چیز کا خالق، مدبر اور متصرف ہے۔ ان امور میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے نہ تدبیر کر سکتا ہے اور نہ کسی کو تصرف حاصل ہے۔ جب یہ بات ہے تو مستحق عبادت بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ مشرک لوگ خواہ مخواہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کو نذر و نیاز پیش کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ تو دنیوی نعمتوں کا دنیا ہی میں شکریہ ادا ہوا، فرمایا وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی اسی کے لیے تعریف ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو جو نعمتیں آخرت میں عطا کرے گا تو وہاں ان نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کیا جائے گا۔ جب مومن لوگ خدا کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچ جائیں گے، انہیں ہر طرح کا آرام و راحت حاصل ہوگا تو بے اختیار پکار اٹھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف ۴۳) اس خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ سب تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے ہماری رہنمائی کر کے اس مقام تک پہنچایا۔ اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم یہاں کیسے پہنچ سکتے تھے۔ جنت میں پہنچ کر اگرچہ حمد و ثنا ضروری نہیں ہوگا۔ مگر وہاں پہ اہل ایمان بے اختیار اللہ کی تعریف و حمد کے گیت گائیں گے

کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم میں لاکھوں کروڑوں خلیوں میں
اسی فیصدی پانی کا عنصر ہے۔ لہٰذا پانی کا نزول بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے
علاوہ وحی الٰہی بھی عالم بالا سے آتی ہے اور قضا و قدر کے فیصلے بھی اللہ کے فرشتے آسمان
کی طرف سے لاتے ہیں۔

پھر آسمان کی طرف چڑھنے والی اشیاء میں، انسان کی دعائیں ہیں، اس کے
اعمال ہیں۔ فرشتے بھی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں
ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم محیط کا مالک ہے کہ
وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی، نیز آسمان سے نازل ہونے
والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر ہر چیز سے باخبر ہے۔ وَهُوَ الرَّحِيمُ
الْغَفُورُ وہ بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے دنیا کی ساری چہل پہل اس کی مہربانی اور رحمت
کا نتیجہ ہے۔ انسان تو حق شناس ہیں جو اس کے انعامات کی قدر دانی نہیں کرتے۔
اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت کی وجہ سے انسانوں کو بہت سا موقع دیتا ہے،
وگرنہ وہ فوراً گرفت کرلے تو بندے کا کہاں ٹھکانا ہے؟

وقوعِ قیامت

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ
کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئیگی۔ مکے کے مشرک بھی کہتے تھے
کہ لات اور عزیٰ کی قسم کوئی قیامت نہیں آئیگی نہ کوئی جزا و سزا کا عمل واقع ہوگا۔
چنانچہ جس طرح کافر اور مشرک قیامت کا سختی کے ساتھ انکار کرتے تھے اسی طرح
جواب بھی اللہ نے سخت دیا، فرمایا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ
اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کیوں نہیں، مجھے میرے رب کی قسم قیامت تمہارے
پاس ضرور آئے گی۔ تم کیسے انکار کرتے ہو، اللہ نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا
ہے۔ آگے بھی اسی سورۃ میں آرہا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ ان مرکر مٹی میں مل جاتے
ہیں، ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں تو کیسے دوبارہ جی اٹھیں
گے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم قیامت کو بعید سمجھتے ہو حالانکہ یہ بالکل قریب ہے۔

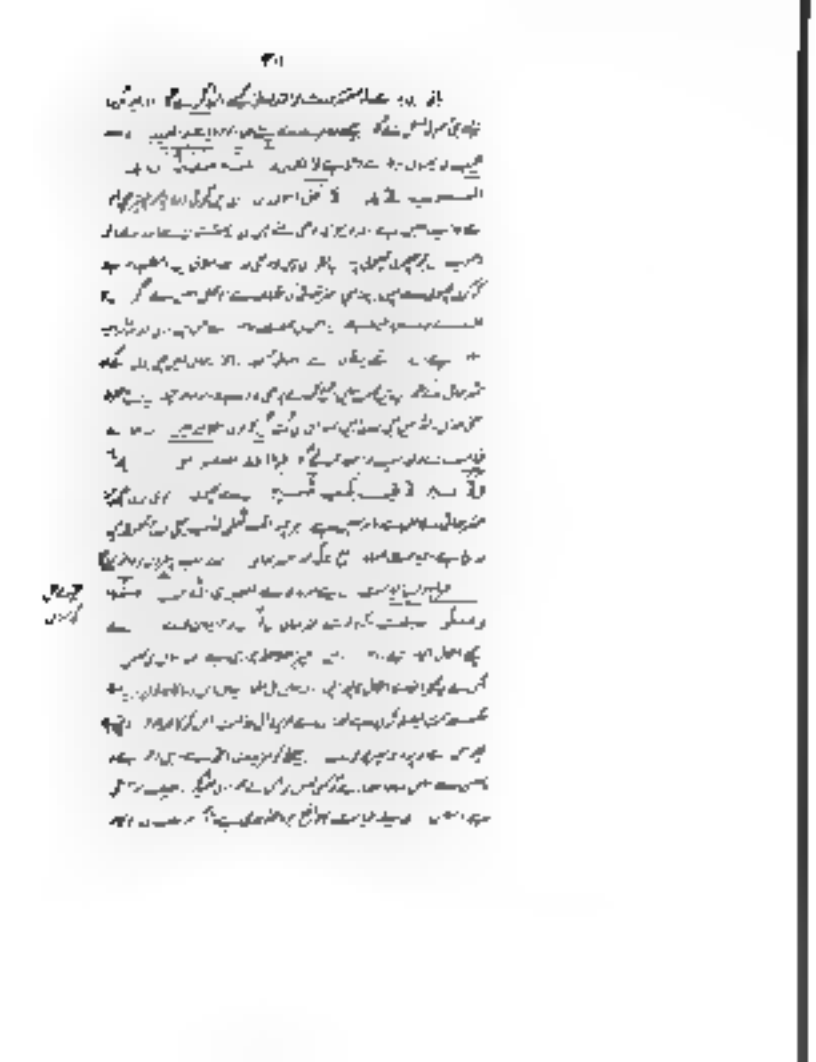

بالکل ممتاز ہو جائے اور پھر اس کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہو۔ یہی حتمی اور صحیح فیصلہ ہوگا جو اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔ اور اسی کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ کے سرانجام دینے والوں کی جزا کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور باعزت روزی ہوگی۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی رحمت کے مقام میں داخل کرے گا۔ جہاں انہیں ہر نعمت بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہوگی۔ دنیا میں تو رزق حلال حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت و دوڑ کرنی پڑتی ہے مگر وہاں کسی کام کاج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے ہر چیز مہیا کرے گا۔ امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط[1] میں یہ روایت نقل کی ہے۔ يَبْتَغُوْنَ اِلَى رِزْقٍ فِيْ حَيَاةِ الْاٰخِرَةِ اس دنیا میں زمین کے کونوں سے رزق تلاش کرو یعنی بیشک سفر اختیار کرنا پڑے، کتنی ہی محنت کی ضرورت ہو حلال راستے سے روزی تلاش کرو۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر متقی کو اس کی خواہش کے مطابق بغیر کسی مشقت کے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ باعزت روزی سے یہی مراد ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں تو کوئی چیز نایاب ہو جاتی ہے اور بعض میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر وہاں ایسی کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں ہر چیز بلا قیمت اور بافراط میسر ہوگی۔

فرمایا وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں کہ انہیں نیچا دکھا دیں یعنی قرآن کے پروگرام کو ناکام بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ یہاں تو ایسے

---

[1] المبسوط ص۔۔۔ (ناشر)

فرمان کی حقانیت

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ
جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۞ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ
السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ
الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞

ترجمہ:- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا، کیا ہم بتلائیں تمہیں ایسا شخص جو تمہیں خبر دار کرتا
ہے کہ جب تم پارہ پارہ کر دیے جاؤ گے پرزے
طریقے سے پارہ پارہ کیا جانا تو بے شک تم نئی مخلوق
میں ہو گے ۞ اس نے افترا باندھا ہے اللہ پر جھوٹ
یا اس کو جنون ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں بلکہ وہ
لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر، وہ عذاب میں
ہوں گے، اور گمراہی میں دور پڑے ہوئے ۞ کیا

نُبَئِّئُكُمْ کیا ہم بتلائیں تمہیں ایک ایسے شخص کے متعلق جو تمہیں خبر دار کرتا ہے۔
اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ کہ جب تم پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ ہو جاؤ
گے اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ تو پھر نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے ایسی
وہ اعتراض ہے جو کافر لوگ اسلام کے نظریۂ معاد کے متعلق اٹھاتے تھے۔ وہ
ایک دوسرے کو بطور تمسخر کہتے تھے کہ ذرا اس شخص (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی
طرف دیکھو جس کا دعویٰ ہے کہ جب تم سڑ کر مٹی میں مل جاؤ گے، تمہارے اجسام
کے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو ایک وقت آئے گا، جب تمہیں دوسری زندگی عطا
کی جائیگی، وہ بعث بعد الموت کی خبر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے کہ
ایسا کیونکر ممکن ہوگا۔ انہوں نے تو اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے
نہیں دیکھا۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے اللہ نے اس اعتراض کا جواب تو
ایک جملے میں دیا عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیوب کو جاننے والا ہے
زمین و آسمان کی ذرہ بھر چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ ہر انسان، اس کا عقیدہ،
اعمال، اخلاق غرضیکہ ہر چیز اللہ کے ہاں محفوظ ہے لہٰذا اس کے لیے تمام ذرات
کو جمع کر کے انسان کی نئی زندگی دینا کون سا مشکل کام ہے؟ یہ مشکل تو مخلوق میں
سے کسی کو پیش آسکتی ہے، جس کا نہ تو علم ذرے ذرے پر محیط ہو اور نہ وہ قدرت
رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سمندر کی تہہ اور جانوروں کے پیٹ سے بھی اجزاء کو نکال
کر جمع کرنے گا، لہٰذا کافروں کو بعث بعد الموت کے نظریہ سے تعجب نہیں
ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت کی علت بھی بیان کر دی کہ ہر شخص کو اپنے
عقیدے اور عمل کا پورا پورا بدلہ دینا مقصود ہے جو اس دنیا میں ممکن نہیں یہاں تو
نیکی بدی خلط ملط ہوتی ہے اور بسا اوقات دنیا میں حق و باطل اور جائز و ناجائز
کا امتیاز نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے اکثر مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح

دیوانہ کہنا تو محض ضد، عناد اور تعصب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے بدبخت لوگ تھے کہ کبھی آپ کو دیوانہ کہتے، کبھی شاعر اور کبھی کذاب کہتے۔ کفار کا یہ سلوک صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا کہ لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی خطاب دیے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل اور کذاب کہا بعض جادوگر کہتے تھے اور بعض مسحور کہتے یعنی اس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے کہتے تھے اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بہرحال کافروں نے کہا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا پھر یہ مجنون ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر و مشرک لوگ اپنی بات میں سچے نہیں ہیں۔ یہ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں مگر بالآخر یہ پکڑے جائیں گے فرمایا بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ وہ سزا کے مستحق ہیں اور وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے تو پھر اس کا راہ راست پر آنا محال ہو جاتا ہے، وہ ایسی کفر، شرک کی نجاست کے ساتھ ہی دنیا سے جاتا ہے اور لازماً سزا کا مستحق بنتا ہے۔

توحید کے دلائل

ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کیا انہوں نے آسمان و زمین میں نہیں دیکھا جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے؟ کائنات میں ذرا غور کرو اور پھر بتلاؤ کیا یہ کسی انسان کا پیدا کردہ ہے یا کسی لات اور عزیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (آیت ۶۱) ذرا کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے ہیں، اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ غیروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک بناتے ہیں۔

کو یہی سزا دی۔ قارون کا واقعہ تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ نے اس کو اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ سورۃ القصص میں موجود ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (آیت۔ ۸۱) اس قسم کے واقعات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی زمین میں دھنس گئے تھے۔ ابھی بیس سال پہلے بلوچستان کی بارہ ہزار کی پوری بستی زمین میں دھنس گئی تھی ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کا واقعہ بھی ایسا ہی تھا جس میں زمین میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی تھیں اور ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے نافرمانوں کو زمین میں دھنسا دیں۔

اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یا اگر چاہیں تو ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے کسی علاقہ میں شہاب گرا تھا۔ جس سے آگ برستی تھی۔ اس حادثہ میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی اور ان کی پوری بستی بھی الٹ دی گئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ایسی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ بیشک اس میں نشان ہے خدا کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا مرجع و ہادی سمجھتا ہے وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ اس کے انبیاء اور کتابیں برحق ہیں۔ وقوع قیامت برحق ہے۔ اور جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ بلاشبہ ایسے شخص کے لیے جگہ جگہ نشانات قدرت پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ ایمان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ جس شخص کے دل میں غرور و تکبر ہے اور جو کفر و شرک سے پاک نہیں اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی اور وہ اسی طرح اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ
مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝١٠ اَنِ اعْمَلْ
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ
اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝١١

ترجمہ۔ اور البتہ تحقیق دی ہم نے داؤد کو طرف سے اپنی بڑائی اے پہاڑو! آواز دو تم ساتھ اس کے اور پرندوں کو اور نرم کر دیا ہم نے واسطے اس کے لوہے کو ۝ یہ کہ بنا تو زرہیں بڑی اور اندازہ رکھ تو حلقوں میں اور عمل کرو تم نیکی بیشک میں ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہوں ۝

بیان القرآن

بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں بعض ایسے معجزات بھی عطا فرمائے تھے جو دوسرے انبیاء کرام کو نہیں دیئے گئے۔ ان میں سے ایک معجزہ تو یہ تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اس آیت میں اسی دوسرے معجزے کا ذکر ہے۔

اَوِّبِيْ: اوب کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی تسبیح کرنے کے ہیں۔

السَّرْد: زرہ بنانے کے لئے حلقوں کو ایک دوسرے میں پرونا۔

کا فرمان ہے وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ (آیت ۵۴) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اُس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس ضمن میں آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع رکھنے والے دو بندوں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو انابت الی اللہ رکھنے والے بندوں میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اللہ نے دونوں باپ بیٹا کو بڑی فضیلت عطا فرمائی بے مثال حکومت دی، اس کے باوصف ان میں کمال درجے کی انابت پائی جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کے فضائل

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب زبور بھی عطا فرمائی جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (آیت ۵۵) فرمایا يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (ص ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو۔ نبوت بجائے خود بہت بڑی فضیلت ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء اور نمل میں آچکا ہے اور آگے سورۃ ص میں بھی آرہا ہے جہاں اللہ نے ان کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا ہے۔ رسول اور خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کمال درجے کے عبادت گزار بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

۱؎

بہرحال جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی میٹھی اور پُرسوز آواز میں تلاوت فرماتے، تو اردگرد کے پہاڑ، شجر و حجر اور پرندے بھی آپ کے ہمنوا ہو جاتے۔ یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا، اور خرقِ عادت کے طور پر ان سے بھی ویسی ہی آواز نکلتی تھی، جیسے آپ تلاوت فرماتے تھے۔ سورۃ نمل میں ہے — عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (آیت ۱۶) اللہ نے دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں۔ اور آپ کے تابع بھی کر دیے تھے۔ وہ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

معجزہ اور کرامت

اگر اللہ تعالیٰ عادت کے خلاف کسی چیز کو پیغمبر کے تابع کر دے یا کوئی دیگر خرقِ عادت واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ معجزہ کہلاتا ہے اور یہی چیز اگر ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت انسان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جب چاہے اور جہاں چاہے ظاہر کر دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (المومن ۔ ۷۸) کسی نبی اور رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکے۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی خرقِ عادت چیز کافر، مشرک یا فاجر کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتا ہے یعنی ایسے شخص کو تعاون کی مہلت ملتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔ قربِ قیامت کے واقعات میں دجال کا ذکر بھی آتا ہے جو خدائی دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جائیں گے اور اس طرح وہ اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گا۔ مگر یہ سب استدراج ہو گا۔ جو مقررہ وقت پر ختم ہو جائے گا۔

پہاڑوں اور پرندوں کی ہمراہی

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس مقام پر ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ اے پہاڑو حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو ملاؤ یعنی ان کے ساتھ ہم آہنگ ہو

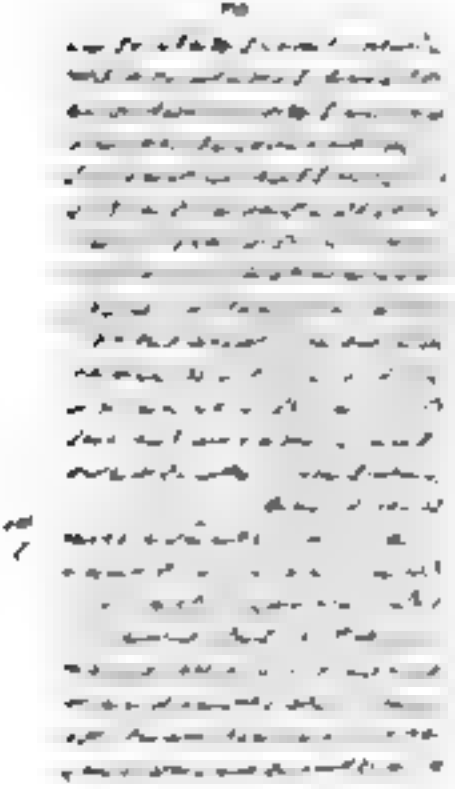

نے کپڑے سینے کا آغاز کیا۔ اس قدیمی زمانہ میں موجودہ قدر تو اٹھی دور کہلاتا ہے جب کہ پچھلی صدی کو لوہے کا دور (IRON AGE) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں لوہے سے بڑا کام لیا گیا اور بڑی مشینری تیار کی گئی جس کے ذریعے دنیا میں صنعتی انقلاب آیا اور آلات حرب و ضرب میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر ریل انجن، ٹینک، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ریل گاڑیاں لوہے کی ہی بنی ہوئی ہیں۔

لوہا ایک سخت دھات ہے جسے تیز آگ میں ہی نرم کیا جا سکتا ہے، مگر اللہ نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزانہ طور پر نرم کر دیا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپ کے لیے لوہا آٹے یا موم کی مانند تھا جس کو بغیر گرم کیے جس طرف چاہتے توڑ موڑ کر اس سے اشیاء بنا لیتے۔ لوہے سے کام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ آپ اس سے زرہیں بنائیں۔ وہی لوہے کی قمیض جو دوران جنگ میں بچاؤ کے لیے پہن لی جاتی ہے۔ یہ چیز لوہے کی چھوٹی موٹی کڑیوں کو ملا کر تیار کی جاتی ہے۔ سابقہ زمانے میں زرہ انسانی جسم کی حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ تھی۔ اب زمانہ ترقی کر گیا اور جنگی ہتھیار کے طور پر بڑے بڑے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ بہر حال اللہ نے آپ کو زرہیں بنانے کا حکم دیا۔

امام بغوی[1] نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے۔ آپ بھیس بدل کر عام شہریوں میں گھل مل جاتے اور پھر ان سے پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ نے کسی شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک ہی نقص ہے کہ وہ

---

[1] معالم التنزیل ص ۱۸۷ ج ۳ (فیاض)

اسی طرح ناصر الدین عثمانی* بادشاہ سے جو اسلام کی سلطنت کے حاکم تھے، مگر اپنے ذاتی کاموں سے گزر اوقات کرتے تھے۔ بعض دوست حضرت سے کوشش کرتے تھے کہ بیت المال پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو افضل ہے، ورنہ بیت المال سے حسب ضرورت لے لینا جائز ہے۔

پیشہ وری

ایک ذریعہ معاش پیشہ وری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں۔ کوئی لوہے کا کام کرتا ہے تو کوئی لکڑی کا، کوئی برتن بناتا ہے تو کوئی کپڑا بنتا ہے، کوئی رنگ سازی ہے تو کوئی عمارتی کرتا ہے، غرضے کوئی بھی جائز کام کیا جائے معیوب نہیں ہے، ہمارے ہاں ہندوؤں کی طرف سے آنے والی ذات پات نے بعض پیشوں کو حقیر بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کام کوئی بھی کرتا ہو انسان کا اخلاق اچھا کردار اچھا ہونا چاہیے، دین دار ہو، برائی سے بچنے والا اور نیکی کرنے والا ہو۔ ہر جائز پیشہ عبادت ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے تجارت بھی کی ہے اور بکریاں بھی چرائی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور ادریس علیہ السلام مشین پر سوئی بناتے تھے، غرض! محض پیشے کی بنا پر کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ کوئی پیشے کی بنا پر لیا دیا سے عزت ہوتا ہے بلکہ عزت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

اعتدال پسندی

اللہ نے فرمایا کہ لوہے سے زرہیں بناؤ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ[1] لوہے کی کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو۔ زرہ سازی میں کڑیوں کی موٹائی اور مضبوطی کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے اور ان کو جوڑتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس کام کو اندازے کے مطابق ٹھیک ٹھیک انجام دو۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح فرماتے ہیں کہ کسی بھی کام کے کرنے میں وقت کا انضباط بھی

---

[1] بیان القرآن صفحہ (فیاض)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ
بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ
عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾
يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا
اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:- اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے مسخر کر دیا) ہوا کو۔ اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا اور پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔ اور بہا دی ہم نے اس کے لیے آنبے کا چشمہ۔ اور وہ جنات میں سے تھے جو محنت کرتے تھے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو کوئی ان میں سے کجی (سرکشی) اختیار کرتا تھا ہمارے حکم کے سامنے، ہم چکھاتے تھے اس کو آگ کا عذاب ﴿۱۲﴾ وہ (جنات) کام کرتے تھے اس کے لیے جو وہ چاہتا تھا، یعنی قلعے، مجسمے، حوض مانند پیالے اور جمی ہوئی دیگیں۔ (ارشاد ہوا) کام کرو اے آلِ داؤد شکر گزاری کے لیے اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے

خطبہ ۱ کے حواشی

۱ خطبہ ۔۔۔ [illegible]

۲ جلد ۔۔۔ [illegible]

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں چار شخصیتوں کو تقریباً پوری دنیا پر غلبہ حاصل رہا ہے۔ ان میں سے دو ہستیاں اہل ایمان میں سے ہیں یعنی سکندر ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام اور دو کافروں میں سے ہیں، ایک بابل کا بادشاہ بخت نصر اور دوسرا آشوریوں کا بادشاہ نمرود ان میں سے سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب سے ممتاز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو وسائل حکومت عطا فرمائے تھے ان کا تھوڑا سا تذکرہ آج کے درس میں آرہا ہے۔

سلیمان کا لشکر

ارشاد ہوتا ہے وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر ہر جاندار بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔ یونانی دور میں ہوا کو لطیف مادہ مانا جاتا تھا لیکن سائنس کی تحقیق کے مطابق ہوا مرکب ہے اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور تھوڑی سی دوسری گیسیں بھی ہوتی ہیں۔ ہوا کا سب سے ضروری عنصر آکسیجن ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہر جاندار کے اندر جاتا ہے اس کے ذریعے جاندار کا خون صاف ہوتا رہتا ہے۔ درخت دن کے وقت پتوں کے ذریعے آکسیجن کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں۔ آکسیجن ہوا کا لطیف ترین حصہ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر اس کے لیے بھی سانس رک جائے تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ اس قدر ضروری چیز ہے، اس لیے اللہ نے اسے بالکل فری مہیا کیا ہے، ہوا پر کسی طاقت کی اجارہ داری نہیں اور یہ ہر ایک کو بلا محنت اور بلا قیمت میسر ہے، ہوا کے بعد دوسری ضروری چیز پانی ہے یہ بھی وافر ہونا چاہیے اور ہر حکومت کو بلا کسی پانی کی بہم رسانی کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد غور کا نمبر آتا ہے جو انسان محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ آپ

جان کی بنیاد فرمائی اللہ تعالیٰ نے پانی پر رکھی ہے کرۂ ارض کے ارد گرد پانی احاطہ کیے ہوئے ہے مگر زندگی کی بنیاد اللہ نے ہوا پر رکھی ہے انسانی زندگی کی یہ بنیاد بڑی کمزور ہے تھوڑی دیر کے لیے سانس رک جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ کرۂ ارض کے ارد گرد پانچ سو میل تک ہوا پھیلی ہے۔ اگر ہوا کا یہ احاطہ نہ ہو تو اوپر سے آنے والے کروڑوں شہاب زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیں اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہاب ثاقب کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ کوئی پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقے پر گرا تھا جس سے مکانات کو آگ لگ گئی اور سینکڑوں جانیں تلف ہو گئیں تھیں۔

تانبے کا چشمہ

فرمایا ایک تو ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا اور دوسری چیز یہ کہ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ہم نے آپ کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تانبہ ایک مفید اور قیمتی دھات ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بڑے بڑے برتن بنائے جاتے تھے۔ یہ دھات بجلی کی تاروں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ بجلی کی منتقلی میں بہترین ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں وغیرہ بناتے تھے، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے تانبے کے چشمے جاری کر دیے تھے۔ وہاں سے تانبہ نکال کر آپ ظروف بناتے تھے۔ اب بھی صنعت و حرفت میں تانبے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

جنات کی تسخیر

ہوا اور تانبے کی تسخیر کے علاوہ اللہ نے فرمایا وَمِنَ الْجِنِّ اور ہم نے جنات کو بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کام کرتے تھے۔ جنات سے مراد وہی غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح مکلف ہے مگر درجے میں ان سے کم تر ہے۔ جنات کی مختلف شکلیں

محرابوں کی تعمیر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کا ذکر فرمایا ہے جو جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انجام دیتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے اس کی حسب منشا کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں تو محراب مسجد کے اس حصے کو کہا جاتا ہے، جہاں پر امام کھڑا ہوتا ہے، مگر یہ اس لفظ کا صحیح مصرف نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اسلام میں تو مسجدوں کے محراب نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ تو پہلی صدی کے آخر میں بنے شروع ہوئے۔ محراب خلفاء کی حفاظت کے لیے بنانے شروع ہوئے تاکہ نماز کے دوران کوئی حملہ آور نہ ہو۔ اب یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مسجد میں ایک صف کی مزید گنجائش نکل آتی ہے۔ تاہم فقہاء احناف کہتے ہیں کہ امام کو محراب کے بالکل اندر نہیں کھڑا ہونا چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کی نظر سے اوجھل ہو جائے بلکہ تھوڑا سا باہر نکل کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ ویسے محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا کمرہ ہے جس کا اطلاق عبادت خانے پر بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر محاریب سے مراد عمدہ قسم کے قلعے اور مکانات ہیں جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تعمیر کرتے تھے، اور جن میں سرخ و سفید نفیس قسم کے پتھر لگائے جاتے تھے اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں بھی گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات نے پانی کے حوض پر شیشے کا خوبصورت فرش لگا دیا تھا، بلکہ جانے سمجھ کر یہ پانی ہے حالانکہ وہ شیشے کا نفیس فرش تھا جس کے نیچے پانی تھا۔

قدیم مجسمہ سازی

فرمایا ایک تو جنات محراب بناتے تھے اور دوسرا وَتَمَاثِیْلَ وہ مجسمے (STATUES) بھی بناتے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے ادیان میں مجسمہ سازی ممنوع نہیں تھی مگر ہمارے دین میں کسی مخلوق، پتھر یا دھات کا مجسمہ بنانا یا ہاتھ سے تصویر بنانا یا کیمرے سے فوٹو لینا سب حرام ہے۔ قدیم زمانے میں کسی نیک آدمی کی شکل پر کوئی بت تراش لیتے تھے، اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس

اَلْمُصَوِّرُوْنَ تصویر کشی کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویر کشی کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے اس شخص کو قریب بلا کر فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ حضور نے جاندار چیزوں کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے، وہ شخص کہنے لگا کہ یہ تو میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم نے یہی پیشہ اختیار کرنا ہے تو کم از کم جانداروں کی تصویریں تو نہ بناؤ۔ بہرحال تمثیل کا لفظ صریح نہیں ہے۔ اس میں جاندار بھی آتے ہیں اور غیر جاندار پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر قدیم زمانے میں لوگ جانداروں کے مجسمے بناتے تھے تو یہ ان کی شریعت میں تو مباح ہو سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں قطعی حرام ہے۔

حوض نما پیالے اور دیگیں

تیسری چیز جس کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات بناتے تھے، وہ ہے وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ حوضوں کی مانند بڑے پیالے تھے۔ چونکہ سلیمان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہوتا تھا، اس لیے وہ لشکر کو کھانا اپنی حوض نما پیالوں میں کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيٰتٍ ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی ہانڈیاں بھی بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لشکر کی کثرت کے پیش نظر ان کے لیے وافر کھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جسے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا اور حوض نما پیالوں میں ڈال کر کھایا جاتا تھا۔ یہ کام بھی جنات کے سپرد تھا کہ وہ اتنی بڑی بڑی تانبے وغیرہ کی دیگیں تیار کریں۔ جن میں بڑی مقدار میں کھانا تیار کیا جا سکے۔ یہ اتنی بڑی بڑی دیگیں ہوتی تھیں، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ جہاں ایک دفعہ رکھ دی گئیں وہیں پڑی رہتی تھیں اور وہیں ان میں کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ اس کی بعض مثالیں آج بھی ملتی ہیں مثلاً اجمیر شریف میں ایک بہت بڑی دیگ ہے جو سو من کی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری دیگ بھی ہے

شکر ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور یہ بھی ایک انعام ہوتا ہے۔ اللہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے داؤد! جب تم سمجھ گئے کہ ساری نعمت میری جانب سے ہے تو تم نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آلِ داؤد کی مانند وہ شخص ہوگا، جو خوشی اور غصے میں عدل کرتا رہے گا، دولت مندی اور اضطرار میں میانہ روی کو اختیار کرے گا، اور جس کے دل میں پوشیدہ اور ظاہر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوگی۔ ان تین خصوصیات کا حامل شخص آلِ داؤد کی طرح شکر گزاروں میں شامل ہوگا۔

مگر اللہ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر لوگ میری نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں مگر نہ زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں اور قلب سے جب آدمی ان تین اعضاء کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جب زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب دل میں خشیت الٰہی آجائے تو یہ قلب کا شکر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص دعا کیا کرتا تھا۔ کہ پروردگار! مجھے قلیل لوگوں میں سے بنا۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مِنْ قَلِيلٍ۔ قَلِيلٍ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم یہ کیسی دعا مانگتے ہو کہ کثرت سے قلت میں آنا پسند کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں لہٰذا میں قلت میں شامل ہونا اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عمر سے تو سارے لوگ ہی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

لہ در منثور ص ۲۲۹ ج ۵ (فیاض)

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ
مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝

[illegible] ۝

† [illegible]

سر آپس کرتے تو ان پر آگ کے کوڑے برستے تھے۔

بیت المقدس کی تعمیر

گزشتہ درس میں جنات کے ذریعے بڑے بڑے قلعوں اور دیگر عمارات کی تعمیر کا ذکر آیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر بھی جنات کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ دور دور سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور پھر انہیں تراش کر عمارت میں لگاتے۔ اس عمارت کا نقشہ بھی بہت خوبصورت تھا اور اس پر بیش بہا بیش قیمت نفیس لگایا گیا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز تو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر وہ آخری وقت میں بقیہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے یہ کام اپنی خلافت کے چوتھے سال میں جنات کے ذریعے شروع کیا اور بعض روایات کے مطابق اپنے دور خلافت میں اسے مکمل کر لیا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ عمارت کا کام تو آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا البتہ اس کی آخری زیب و زیبائش باقی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ابھی سال بھر کا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا آخری وقت آ گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تعمیر کا تھوڑا سا کام باقی تھا کہ آپ نے صخرہ پتھر پر کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مولیٰ کریم تو نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اور جو فضیلت بخشی ہے مجھے اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں یہ دعا بھی کی کہ پروردگار! جو شخص تیرے اس عبادت خانے میں داخل ہو، اس کو یہ پانچ چیزیں عطا فرما۔ یعنی

(۱) اگر اس مسجد میں کوئی گنہگار داخل ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کیونکہ مومن کے مقامات عالیہ میں سے پہلا مقام توبہ کرنے سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ ... (التوبہ-۱۱۲) اللہ کے نیک بندے

---

۱ مدارک ص ۳۲۱ ج ۳ ۲ ۳ قرطبی ص ۲۲۹ ج ۱۳

۴ ۵ قرطبی ص ۲۵۱ ج ۱۳ (فیاض)

[illegible]

(۱) اگر کوئی شخص (۲) اپنے اس بیٹے میں (۳) جو نابالغ اس کا

(۴) [illegible]

(۵) اگر [illegible] سے [illegible] ہو [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] ہو [illegible] ہو [illegible] ہو

رہتے تھے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں لہٰذا وہ اپنا کام کرتے رہے سلیمان علیہ السلام اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر ایڈیڑ عبادت کر رہے تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قبض عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت ہر ذی روح کے لیے لازمی ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) اس سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، لہٰذا سلیمان علیہ السلام بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ یاد رہے کہ پیغمبروں کا یہ خاصہ ہے کہ ان کو وفات سے پہلے اطلاع دے دی جاتی ہے اور دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اس کے بعد جب ان کی طرف سے "ہاں" ہو جاتی ہے تو جان قبض کر لی جاتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام شیشے کے کمرے میں بند ٹیک لگائے کھڑے تھے یا بیٹھے تھے۔ جنات کام کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ آپ مصروف عبادت ہیں مگر اندر جانے کی کسی جرأت نہیں کرتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے مگر جنات انہیں زندہ سمجھتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو رہا تھا تاکہ جنات کام نہ چھوڑ بیٹھیں لہٰذا کسی کو سلیمان علیہ السلام کے کمرے میں نہیں جانے دیا۔ اس کی مثال عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ اللہ نے ان پر سو سال تک کے لیے موت طاری کر دی۔ آپ کا گدھا تو فنا ہو گیا اور اس کی ہڈیاں بھی بکھر گئیں مگر آپ کا کھانا بالکل تر و تازہ رہا۔ اصحاب کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ تین سو سال تک غار میں پڑے رہے مگر اللہ نے کسی کو وہاں جانے نہیں دیا۔ جب خود اللہ نے بیدار کیا تو حقیقت حال واضح ہوئی۔

جنات کو وفات کا علم

جنات اسی حالت میں کام کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور ہیکل بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

(ضیاء)

۱؎ خضری صفحہ ۲۸۰

اعتقاد کی وجہ سے کہ غلط چیزیں بھی مشہور ہوگئیں جنہیں لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں موجود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بجائے جنات کے بنائے ہوئے جادو پر چل نکلے اور کفر اور شرک باقاعدہ طور پر عمل میں آگئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ انہوں نے ان غلط چیزوں کو شیاطین کا کارنامہ قرار دینے کی بجائے انہیں سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اللہ نے واضح فرمائی وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ ۱۰۲) کہ یہ کفریہ کتاب اور سلیمان علیہ السلام کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ یہ تو شیاطین لوگوں کو سکھاتے تھے بہرحال اس طرح کے غلط عقائد میں سے بنی اسرائیل میں ایک یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جنات علم غیب جانتے ہیں، یہ قصہ آج بھی کسی نہ کسی حد تک جہال میں پایا جاتا ہے چنانچہ جنات سے غیب کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں۔ جو کہ صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنات چونکہ لطیف مخلوق ہے اور ان کی رفتار بھی بہت تیز ہے اس لیے وہ بعض چیزوں کو دیکھ کر ان کا علم رکھتے ہیں مگر بے وقوف لوگ اسے غیب پر محمول کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ غیب کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی مقرب سے مقرب ہستی کو بھی نہیں دیا۔ اسی چیز کی تصدیق اس آیت کریمہ میں خود جنات کی زبان سے ہو رہی ہے کہ اگر ہم غیب دان ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک سال تک مشقت میں نہ پڑے رہتے۔ الغرض اللہ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرما دیا ہے۔

جنات کی تسخیر پر لیے عملیات

ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ بعض لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تسخیر کر کے ان سے بعض کام لیتے ہیں، ہماری شریعت میں اس فعل کے متعلق کیا حکم ہے اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی[1] اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں

---

[1] بیان القرآن ص۷۵ ج ۱ [2] (خواص)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ
عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۚ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ
غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ
الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ
اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾
ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۚ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ
اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے ان کی بستی میں نشانی تھی۔ دو باغات دائیں اور بائیں جانب۔ کھاؤ اپنے پروردگار کی عطا کردہ روزی میں سے اور اس کا شکر ادا کرو۔ یہ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش کرنے والا ﴿۱۵﴾ پس اعراض کیا ان لوگوں نے، پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر نالہ زوردار سیلاب کا۔ اور ہم نے تبدیل کر دیے ان کے لیے دو باغوں کے بدلے دو ایسے باغ جن کا پھل کھیلا تھا، اور کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر ﴿۱۶﴾ یہ ہم نے بدلہ دیا ان کو اس وجہ سے کہ انہوں نے کفران نعمت کیا اور ہم نہیں ایسا

ایک صحابی حضرت فروہ ابن مسیک یمن کے رہنے والے تھے، اور ان کا تعلق وہاں کے قبیلہ مراد سے تھا۔ یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کے ایمان لانے والوں کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے کفار و مشرکین سے جنگ کروں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کا امیر بھی مقرر کر دیا۔ پھر جب میں آپ کی مجلس سے چل دیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے بلوایا اور فرمایا کہ پہلے تم اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو شخص اسلام قبول کرے تم بھی اس کو قبول کرو، اور جو شخص ایمان نہ لائے تم اس کے ساتھ جلد بازی نہ کرنا بلکہ میری طرف سے مزید ہدایات کا انتظار کرنا۔

حضرت عروہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی سورۃ سبا نازل ہوئی اور اس بات کا چرچا ہوا کہ اللہ نے قرآن میں قوم سبا کا ذکر کیا ہے تو آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ما سبا یعنی سبا کیا ہے، کیا یہ کسی خطے کا نام ہے یا کسی مرد یا عورت کا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ اس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے، اور چار شام کے علاقے میں چلے گئے۔ اس شخص کے نام پر اس قوم کا نام سبا مشہور ہوا اور پھر ملک کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ سبا کی اولاد میں سے جو یمن میں آباد ہوئے ان قبیلوں کے نام، زد، اشعر، حمیر کندہ، مذحج اور غافر ہیں۔ اسی طرح شام میں آباد ہونے والے قبیلوں کے نام لخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور! یہ انمار کیا ہے۔ فرمایا انمار وہ ہیں جن سے آگے خثعم اور بجیلہ کے قبیلے آباد ہوئے۔ یہ قبیلہ انمار کی مزید شاخیں ہیں۔ سبا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سبا ابن یشجب ابن قحطان۔ اسی لیے اس علاقے کے لوگ قحطانی عرب کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی عرب

لہ خازن ص ۲۸۷ و ابن کثیر ص ۵۳۱ و طبری ص ۴۶ و جمل ص ۲۶۶ (فیاض)

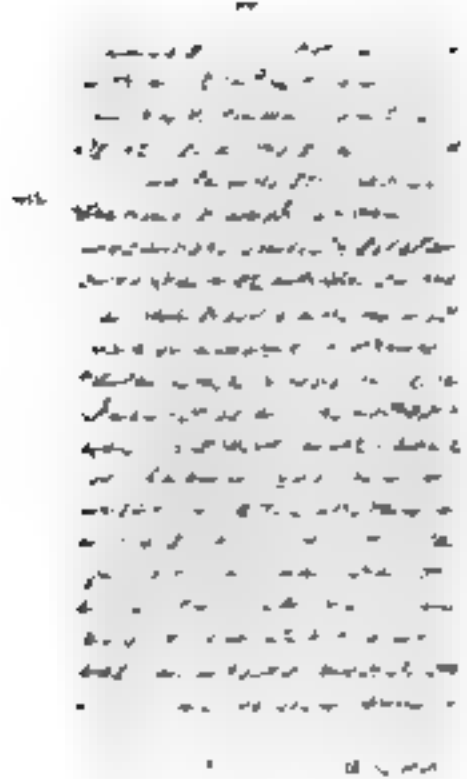

سے بہہ کر ریگستان میں منسلک ہو جاتا ہے۔ اور کاشتکاری کے لیے استعمال نہیں ہو پاتا۔ قوم سبا نے پہاڑوں اور وادیوں میں بڑے بڑے بند باندھ کر پانی کو روک لیا اور اسے کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے بند تھے مگر ان میں سب سے بڑا اور مشہور بند سد مآرب تھا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ اب اس کا ایک حصہ افتادہ ہے، تاہم تقریباً ایک تہائی لمبی ٹوٹی پھوٹی دیوار اب بھی نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک ارناڑنامی سیاح کا مجلہ "فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی" میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے سد مآرب کا نقشہ عدگی کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اس کے مطابق بند کی دیوار پہاڑ کاٹ کاٹ کر بنائی گئی تھی، جو کہ پڑھ گئے۔ بند کے اوپر نیچے کھڑکیاں تھیں جن کے ذریعے ڈیم کا پانی کھولا جا سکتا یا بند کیا جا سکتا تھا۔ اس بند کے دائیں اور بائیں یعنی شرق و غرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر سیدھ درست زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظام آبپاشی کے ذریعے دائیں بائیں جانب اس ریگستانی اور شورزدہ ملک میں تین سو میل لمبی تک بہشت نظر تیار ہو گئی تھیں جن میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ ان کو قرآن کریم میں جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ کہا گیا ہے۔

ایک یونانی مؤرخ جو مسیح علیہ السلام سے ۲۵۰ سال قبل ہوا ہے اور قوم سبا کا ہم عصر تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ سبا سرحد کے سرسبز و شاداب حصے میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ سرحد کے کنارے پر خوبصورت درخت ہیں اور اندرون ملک بکثرت، دارچینی اور چھوہارے کے بلند و بالا درختوں کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جن سے نہایت شیریں خوشبو نکلتی ہے۔ کہتا ہے کہ درختوں کی اقسام اور تنوع کی کثرت کے سبب اس

لہ ارض القرآن ص۲۵۹ ج ۱ (فیاض)

[illegible]

دوسری جگہ ہے کہ وَاشْكُرُوا لَهُ اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ اس کا عام قانون یہ ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم - ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بڑی سخت ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ یہ ایک پاکیزہ شہر ہے وَرَبٌّ غَفُورٌ اور تمہارا پروردگار گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

یہ پاک شہر کا لفظ بہت بڑی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ہمارے لیے بڑی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یا تو کسی ملک کی بستی ہی پاکیزہ ہوگی جب کہ فتنہ و فساد سے پاک ہو گا۔ اگر شہروں میں شر پسند لوگوں کا غلبہ ہو۔ انتشار کی وجہ سے لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوں، تو ایسا شہر یا ملک ہرگز پاکیزہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی ملک یا شہر پر ظالم لوگ چھا جائیں گے وہ لوگ کو ظلم و جور کا نشانہ بنائیں گے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، بدکاری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگا۔ امن و سکون برباد ہو جائے گا۔ اگر شہر میں اہلِ صلاح کا دور دورہ ہو یعنی نیک لوگ کام کرتے ہوں، اچھے لوگ اپنا کام رکھتے ہوں، تخریب کار پوشیدہ طور پر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہوں، خوراک اور پانی میں زہر ملانے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں جگہ جگہ دھماکے کرتے ہوں، ہوائی جہازوں کی ٹکر دلاتے ہوں، عام قتل کا بازار گرم ہو۔ ملک لوٹے جاتے ہوں تو ایسے ملک یا شہر کو پاکیزہ کیسے کہہ سکتے ہیں جہاں اصلاح کی بجائے فساد کی تعلیم دی جاتی ہو، ملک کو لوٹ کر کے ساتھ اور کارخانے دار کو مزدور کے ساتھ برسرِ پیکار کر دیا جائے تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اسی طرح لوگ عادتِ قبیحہ یعنی شراب نوشی، زنا، لواطت اور جوا وغیرہ سے پھل پھولے اور انعام پائیں تو شہروں میں بربادی ہی آئے گی، سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ چوری، سود، رشوت اور اس قسم کی بہت سی قبیح حرکات بھی شہروں کی اصلاح کی بجائے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور ایسے شہر اور ملک پاکیزہ کہلانے کے مستحق نہیں ہو

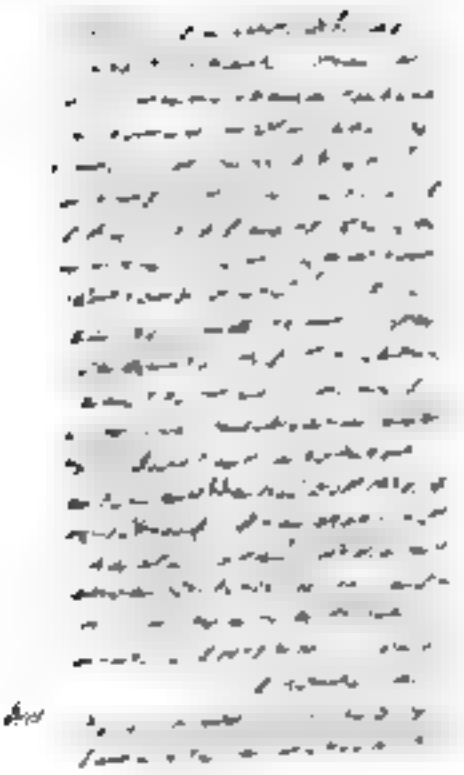

کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے فَاَعْرَضُوْا اپنے پروردگار سے اعراض کیا، اس کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اُس سے دوری اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ کہ ہم نے اُن پر زوردار سیلاب بھیج دیا وہی سدِّ مآرب جو اُن کی خوشحالی کا باعث بنا ہوا تھا، اُن کے لیے تباہی کا باعث بن گیا۔ بند کی اطراف میں گھاس پھونس کو آگ لگی جسے چوہوں نے کھا کھا کر دیوار کو کھوکھلا کر دیا۔ بند میں شگاف پڑ گیا اور ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پورے ملک میں تباہی پھیلا دی کھیتیاں تباہ ہو گئیں، باغات اجڑ گئے۔ مکانات اور شہر و قریش کے تمام ذخیرے بہہ گئے اور اس طرح ایک خوشحال ملک کھنڈرات کا ڈھیر بن گیا۔ گذشتہ آیت میں جن دو پھل آور باغات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ہم نے اُن دو باغات کے بدلے دو ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ جن کا پھل کسیلا ہوتا ہے وَاَثْلٍ اور جھاڑ کے درختوں ہوتے ہیں جن میں پھل آتا ہی نہیں وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ اور کچھ جنگلی بیر رہ گئے باقی پھل دار درخت سارے تباہ ہو گئے۔

فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے اُن کو یہ بدلہ اُن کی ناشکری کی وجہ سے دیا۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا بلکہ اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تو اللہ نے اُن کو یہ بدلہ دیا۔ فرمایا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکر گزاروں کو۔ الغرض سبا کو تو اُن کی ناشکری کی سزا مل گئی۔ اللہ نے دوسرے لوگوں کو بھی سمجھایا کہ اگر توحید، رسالت، کتاب الٰہی اور حیات کا انکار کرو گے تو ناشکر گذاروں میں شمار ہو گے اور تمہارا حشر بھی قومِ سبا سے مختلف نہیں ہوگا۔

پر۔ پس بنا دیا ہم نے اُن کو قصے کہانیاں اور ہم نے
اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بیشک اس میں نشانیاں ہیں
ہر صابر اور شاکر شخص کے لیے (۱۹) اور البتہ تحقیق سچ
کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنے گمان کو، پس انہوں نے
اس کا اتباع کیا سوائے مومنین کے ایک چھوٹے سے
گروہ کے (۲۰) اور نہیں تھا اُس (ابلیس) کا ان پر کوئی
غلبہ مگر تاکہ ہم ممتاز کر دیں اُس کو جو ایمان رکھتا ہے
آخرت پر اُس شخص سے جو اس سے شک میں پڑا ہوا ہے
اور تیرا پروردگار ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے (۲۱)

ربط آیات

اس رکوع میں اللہ نے قوم سبا کا ذکر فرمایا ہے۔ گزشتہ آیات میں پہلے اس قوم پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے اُن کو شہروں کی پراس زندگی اور ہر طرح کی خوشحالی عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے اعراض کیا تو اللہ نے تاریخی ڈیم میں سے تباہ کن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات اور شہری آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور اُن کی زمین سے زرخیزی کی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ اب پھل اور خوشی کی بجائے، وہاں جنگلی جھاڑ جھٹ اُگ آتا جو یا تو بے پھل ہوتا تھا یا اس کا پھل کڑوا کسیلا تھا۔ البتہ بہت کم مقدار میں بعض جگہ جنگلی بیر ہو جاتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے کچھ مزید حالات بیان فرمائے ہیں۔

نمایاں بستیاں

ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً اور بنا دیں ہم نے اُن سبا والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ نمایاں بستیاں بابرکت بستیوں سے مراد شام و فلسطین کی بستیاں ہیں جنہیں اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات سے نوازا ہے جہاں سرسبز و شاداب باغات اور کھیت کام کر رہے ہیں اللہ نے اس خطہ میں بہت سے نبیوں کو مبعوث فرمایا جن میں حضرت

لے کر شام تک اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر، قصبے اور دیہات تھے۔ اس راستے سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یمن کے ساحل کے بالمقابل ہندوستان (موجودہ پاکستان) کا ساحل ہے لہٰذا ہندوستان کا تجارتی مال یمن کے ساحل پر اُتر کر اونٹوں کے ذریعے شام و فلسطین پہنچتا اور وہاں سے مصر اور دوسرے افریقی ممالک تک جاتا۔ اسی طرح افریقہ کا مال سبا اور یمن کے راستے ہندوستان واپس جاتا۔ چنانچہ یہ شاہراہ سارا سال مصروف رہتی اور یہ نمایاں بستیاں بھی پُر رونق رہتیں۔ چین تک کا تجارتی مال اسی راستے سے آتا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ بھی اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔ اور ان نمایاں بستیوں کی وجہ سے انہیں بڑا آرام تھا۔ ٹھہرنے کے لیے سرائیں تھیں اور ضروریات کی اشیاء بھی مل جاتی تھیں۔ سبا کی یہ آبادی مسیح علیہ السلام سے آٹھ سو سال قبل اپنے جوبن پر تھی، پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اس علاقے کو ملیامیٹ کر دیا گیا جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

"ارض القرآن" کے مصنف لکھتے ہیں[1] کہ سبا کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری بھی کرتے تھے اور ان کے باغات سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔ دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی۔ سونا، قیمتی پتھر، مصالحے، خوشبو، ہاتھی دانت وغیرہ کا لین دین ہوتا تھا۔ برصغیر کا مال یمن کے ساحل پر اترتا اور پھر وہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے ہوتا ہوا شام و فلسطین اور آگے افریقہ تک جاتا تھا۔ اور پھر اسی راستے سے واپسی تجارت ہوتی۔ اس شاہراہ کو قرآن پاک میں "امام مبین" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی سفر کو سورۃ قریش میں رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ یعنی موسم گرما اور

---

[1] ارض القرآن ص ۲۶۸/۱ (فیاض)

بعد اہل سبا کے چھ خاندان یمن میں اور چار شام و فلسطین میں جا آباد ہوئے اور اس طرح یہ مصروف ترین شاہراہ بھی بند ہو گئی۔ فرمایا اس سرسبز و شاداب علاقے سے قوم سبا کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ہم نے ان کو افسانے بنا کر رکھ دیا۔ ایسی بربادی آئی کہ ان کا نام صرف تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لوگ اُن کی خوش حالی، جاہ و حشمت، تاریخی ڈیم اور پھر اُن کی تباہی کی داستان عبرت کے طور پر سنتے سناتے تھے۔ فرمایا وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ہم نے اُن کا شیرازہ اس طرح بکھیرا کہ پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، کوئی کدھر چلے گئے اور کوئی کسی دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ ارض القرآن[1] کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اہل سبا کے زوال کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا، اور ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارت کو بری راستے سے بحری راستے پر ڈال دیا اب تجارتی مال بحر احمر کے راستے سواحلِ مصر و شام پر اُترنے لگا۔ اس طریق تجارت نے یمن سے شام تک بری راستے کی خاک اڑا دی اور سبا کی تمام بستیاں ویران ہو گئیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ بے شک اس میں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو شخص یا قوم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور مصائب پر صبر کا اظہار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ ناشکر گزاری کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی کس طرح شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بلاشبہ نشاناتِ عبرت ہیں۔

شیطان کی کارگزاری

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ اور البتہ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر برتری عطا کی ہے لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ (بنی اسرائیل-۶۲) میں اس کی اولاد کے منہ میں ضرور لگام ڈالوں گا۔ اور انہیں گمراہ کروں گا۔ چنانچہ ابلیس نے بنی سبا کو گمراہ کر کے اشکری پر مائل کیا۔ جو اُن کی تباہی کا سبب بنا۔ اور اس طرح

[1] ارض القرآن ص ۲۶۹ ج ۲

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾
وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ
حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا ۙ قَالَ
رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبرؐ!) پکارو تم اُن کو جن کو تم گمان کرتے ہو (معبود) اللہ کے سوا۔ نہیں مالک وہ مقدار ایک ذرے کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہیں اُن کے لیے اِن دونوں میں کسی قسم کی کوئی شراکت۔ اور نہیں ہے اس (اللہ) کے لیے اِن میں سے کوئی مددگار ﴿۲۲﴾ اور نہیں کام دے گی سفارش اُس (اللہ) کے پاس مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے اُن (فرشتوں) کے دلوں سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمھارے پروردگار نے؟ وہ کہتے ہیں کہ اُس نے حق بات فرمائی ہے، اور وہ بلند ہے اور بڑائی والا ہے ﴿۲۳﴾

ان سے کہہ دیں کہ پکارو تم ان کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو کہ یہ ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں یا ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ان میں الوہیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو کہ یہ تمہاری کون سی حاجت پوری کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ و عرب، لات، منات اور عزیٰ وغیرہ سے مشکلات حل کرواتے تھے، یہ سب شرکیہ باتیں ہیں، جو نزول قرآن کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں اور آج بھی بدستور موجود ہیں۔ اللہ نے ان کا رد فرمایا ہے

شرک فی التدبیر والتصرف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرتا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے یعنی تدبیر اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی تدبیر کر کے ہمارا کام بنا دیتے ہیں، حالانکہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ وہی ہے جو قرآن پاک نے بیان کیا ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدۃ ۵) آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی تدبیر خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے جس میں کسی کو دخل نہیں مگر لوگ قسمت کے بنا بگاڑ کر ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ اس پر ان کا کام کرنا مدار ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اختیار عیسیٰ علیہ السلام کو سونپ رکھے ہیں۔ مدار وہی لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں بعض لوگ دوسری ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں مگر اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ شرک فی التدبیر ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے شرک کی اسی قسم کا ذکر کیا ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا کارساز مانتے ہیں وہ لَا يَمْلِكُونَ

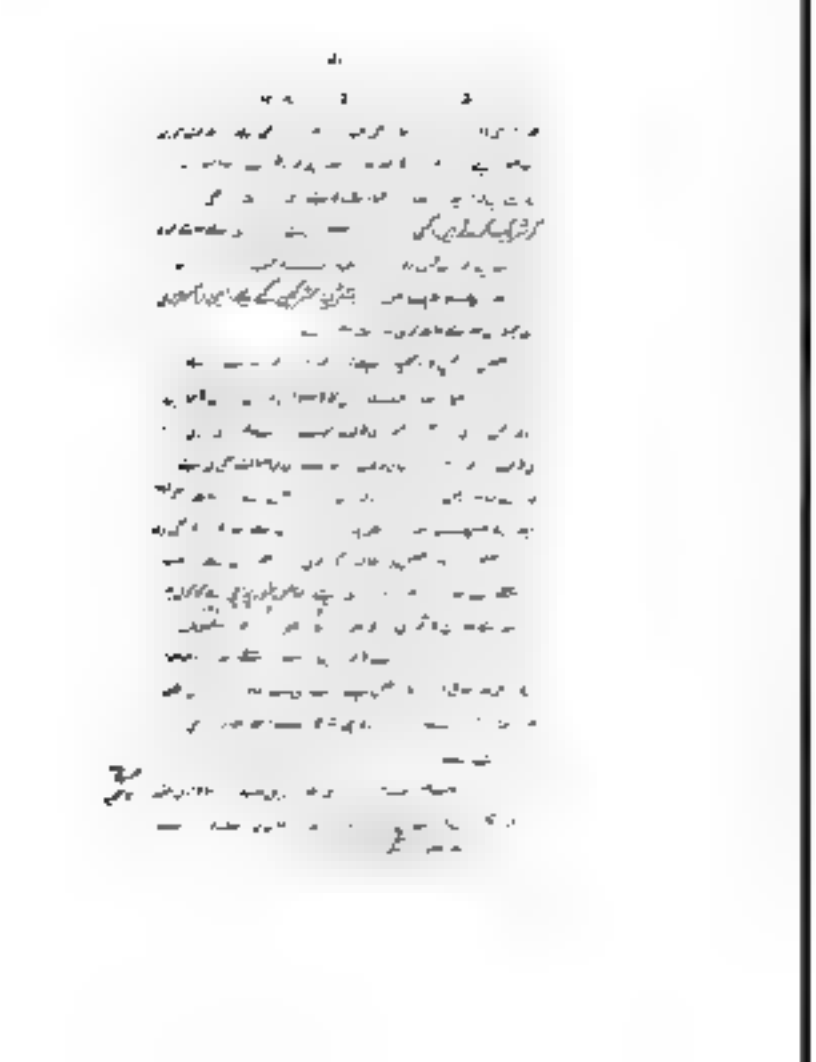

بادشاہوں پر قیاس کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی بادشاہ، صدر، امیر یا وزیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے درمیان میں واسطے اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خدا تک پہنچنے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر وہ مخلوق میں سے اپنے سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو ان کی بات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں، قرآن پاک نے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس-۱۸) اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں جو سفارش کر کے دنیا میں ہماری پگڑی بنوا دیں گے اور آخرت میں عذاب سے چھڑا دیں گے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ان خود ساختہ معبودوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ان پر چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو ان کے نام کی نذریں کیوں مانتے ہو۔ اور ان کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہوتے ہو تو جواب دیتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) کہ ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ہماری دعا تو وہ قبول نہیں کرتا یہ سفارش کر کے خدا تعالیٰ کو منا لیتے ہیں خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو۔ مگر اللہ کے ہاں ایسی سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ نے یہاں بھی اسی بات کا اعادہ کیا ہے وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اللہ کے ہاں کوئی سفارش مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہ دے۔ غرضیکہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

جائز سفارش

البتہ دین میں جائز سفارش کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔ آپ حدیث میں پڑھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت والے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے تو شفاعت صغریٰ بھی کریں گے اور شفاعت کبریٰ بھی۔ شفاعت کبریٰ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہوگی اللہ تعالیٰ احساب کتاب شروع کریں گے اور شفاعت صغریٰ صرف امت کے حق میں ہوگی حضور علیہ السلام

[illegible]

اور کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ پھر اوپر کے طبقے والے فرشتے بتلاتے ہیں قَالُوا الْحَقَّ کہ اللہ نے حق بات فرمائی ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت و بڑائی والی ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ کے خوف سے بے حواس ہونے والے ہیں، وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا شریک بنا لینا۔ تو فرشتے صاف کہہ دیں گے کہ پروردگار! ہم تو خود تیرے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سُبْحَانَكَ تیری ذات پاک اور منزہ ہے، ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اس کی عبادت میں شریک بنا لو۔

الغرض اس مقام پر شرک کی تردید میں اللہ نے دو باتیں فرمائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ کے ہاں جبری سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری یہ کہ تدبیر اور تصرف میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آگے توحید کے مزید دلائل اور قیامت کا ذکر آئے گا۔

قل من يرزقكم من السمٰوٰت والأرض قل
الله وإنا أو إياكم لعلىٰ هدى أو في ضلٰل
مبين ﴿٢٤﴾ قل لا تسـٔلون عما أجرمنا ولا
نسـٔل عما تعملون ﴿٢٥﴾ قل يجمع بيننا ربنا ثم يفتح
بيننا بالحق وهو الفتاح
العليم ﴿٢٦﴾ قل أروني الذين ألحقتم به شركاء
كلا بل هو الله العزيز الحكيم ﴿٢٧﴾ وما
أرسلنٰك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا
ولكن أكثر الناس لا يعلمون ﴿٢٨﴾ ويقولون
متىٰ هذا الوعد إن كنتم صٰدقين ﴿٢٩﴾ قل
لكم ميعاد يوم لا تستأخرون عنه ساعة
ولا تستقدمون ﴿٣٠﴾

بارے میں جو ہم نے کیے ہیں۔ اور ہم سے نہیں پوچھا
جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کرتے ہو ﴿۲۵﴾
آپ کہہ دیجئے، جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا پروردگار
پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ۔ اور وہ
فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶﴾ آپ
کہہ دیجئے، مجھے بتلاؤ وہ جن کو تم نے ملایا ہے اُس کے
ساتھ شریک بنا کر۔ خبردار، بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال
قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے ﴿۲۷﴾ اور نہیں بھیجا
ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے
والا اور ڈر سنانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۸﴾
اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ اگر
تم سچے ہو ﴿۲۹﴾ آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے وعدہ
ہے ایک دن کا۔ نہیں پیچھے ہٹو گے تم اُس سے
ایک گھڑی بھر بھی اور نہ اُس سے آگے ہو گے ﴿۳۰﴾

ربط آیات

ابتدائے سورۃ میں اللہ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے پھر درمیان میں شکر گزاروں اور ناشکر گزاروں کا حال ذکر کیا ہمیں شرک اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تدبیر اور تصرف میں غلط عقائد کی نفی کی اور ساتھ ساتھ جبری اور قہری سفارش کے مزعومہ نظریات کی تردید کی۔ فرمایا بعض لوگ فرشتوں کو اپنا کارساز اور سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے سامنے خوفزدہ رہتے ہیں اور اللہ کے حضور ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔ اُن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اُن کی دہشت کسی حد تک دور ہوتی ہے تو نیچے بسنے والے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، وہ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے

گیا، اب زمین کو چیر کر اس سے نہایت ہی نرم و نازک پودے کو نکالا اور پھر اسے حد کمال تک پہنچا کر انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں بھی فرمایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور پھر اس کے ذریعے تمہارے خوراک کے لیے پھل پیدا کیے۔ عربی میں سما ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادل بھی چونکہ اوپر ہی ہوتے ہیں اس لئے ارض کے مقابلے پر سما کا لفظ ہی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اوپر سے مراد اوپر سے نازل ہونے والا حکم الٰہی بھی ہے۔ دراصل اسی حکم کے ذریعے بارش نازل ہوتی ہے ورنہ بسا اوقات بادل بھی آتے ہیں مگر بارش بالکل نہیں ہوتی یا کسی دوسری جگہ ہو جاتی ہے۔

رزق پہنچانا خدا

دراصل روزی رسانی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الروم ۳۷) جس کیلئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اسی لئے فرمایا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذٰریٰت ۲۲) تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق آسمان سے ہے اوپر سے حکم آتا ہے تو تمہیں اس حکم کے مطابق کم و بیش روزی مہیا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں موجود ہے فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (العنکبوت ۱۷) رزق ہمیشہ اللہ سے مانگو کیونکہ اسباب رزق کا مالک وہی ہے اللہ نے خود بھی بار بار اعلان فرمایا کہ روزی رسانی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے۔ فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ کتنے ہی جاندار، چرند، پرند ہیں جو اپنی روزی پشت پر نہیں اٹھائے پھرتے، مگر اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی جس طرح خشکی پر رہنے والے ہر جاندار کیڑے مکوڑے انسان، حیوانی، پرند، چرند اور درند کی روزی اللہ کے ذمے ہے، اسی طرح سمندروں کی تہ میں

اگر یہ لوگ انسانوں، جنوں یا فرشتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں، اللہ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ اُن میں سے نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے اور نہ مدبر و متصرف ہے، تو یہ تمہاری کون سی مشکل حل کریں گے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اگر مخاطب کو اس بہترین انداز میں تبلیغ کی جائے کہ اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے دلیل توحید پیش کرنے کے بعد فرمایا۔ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ مقصد یہ کہ مشرک اور موحد میں جو نظریات کا اختلاف ہے اُس کی وجہ سے ایک فریق یقیناً ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریق نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں کا عقیدہ غلط ہوگا بلکہ ان میں سے ایک ضرور صراط مستقیم پر ہے۔ اب یہ ہمارا اور تمہارا فرض ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کو سمجھانے کا یہ بہترین انداز اختیار فرمایا ہے۔

ذمہ داری اپنی اپنی

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اہل ایمان ان کے بتوں کی مذمت بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی بتوں کی برائی بیان کر کے تم نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کے مقرب ہیں اور اُن کی توہین لامحالہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر توحید خداوندی کا اثبات اور شرک کا رد جرم ہیں تو پھر ہم ان کا اقرار کرتے ہیں ——— اور ان مفروضہ جرائم کے بارے میں تم سے

لہ

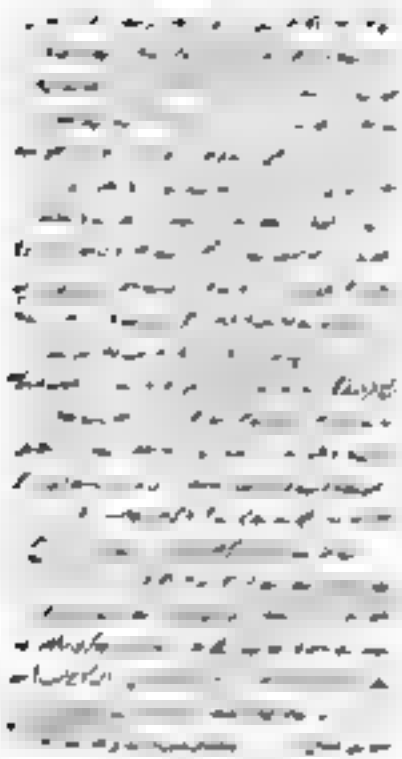

الْمَلِكُ بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کل قدرت کا مالک، ہر چیز پہ غالب اور کمال حکمتوں والا ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے رسالت کے بیان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر۔ کافۃ للناس کا مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے خواہ ان کا تعلق کسی ملک، قوم، نسل سے ہو، آپ سب کی طرف رسول ہیں۔ عربی ترتیب کے لحاظ سے یہ لفظ بشیر و نذیر کے بعد آنا چاہیے تھا مگر مضمون کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اسے پہلے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ صرف عرب کے خطے یا عرب قوم کے لیے نبی اور رسول بن کر نہیں آئے بلکہ آپ کی رسالت کا دائرہ زمین پر بسنے والے ہر انسان تک وسیع ہے۔ اب اس میں کسی زمانے کی قید بھی نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنیوالی نسلیں آپ ہی کی امت کا حصہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے دوسرے انبیاء کے مقابلے میں بعض خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى كَآفَّةِ لِلنَّاسِ یعنی میں تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور میری یہ خصوصیت بھی ہے وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ میں ہر کالے اور گورے کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس میں کسی قوم، رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے عالمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

۱؎ مظہری ص ۳۰ ج ۸ ۲؎ مظہری ص ۳۰ ج ۸

۳؎ ابن کثیر ص ۵۳۹ ج ۳ (فیاض)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ
وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم
ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

قیامت کا وعدہ اس مقررہ دن پر پورا ہو جائے گا۔ اور اس میں ذرہ بھر کمی بیشی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

قرآن پاک کی حقانیت

اب قرآن پاک کی حقانیت کے ضمن میں قیامت کے دن اس کے منکرین کے دو گروہوں کے درمیان مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں اس کا انکار کرنے والے آخرت میں پچھتائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر الزام دھریں گے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا تھا۔ اس کی وجہ ہم آگے آ رہی ہے کہ اللہ کی کتابوں میں مذکور پروگرام ان لوگوں کے خود ساختہ رسم و رواج پر مشتمل پروگرام سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی فرسودہ رسوم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہٰذا وہ آسمانی کتابوں کا سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی خدائی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے اور کبھی سرے سے ناقابل عمل قرار دے دیتے۔ اللہ نے دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو قیامت اور محاسبۂ اعمال کا تصور نہیں تھا، ورنہ یہ قرآن اور توحید کا انکار نہ کرتے۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک تو ہر شخص کے عقیدے، عمل اور اخلاق پر پابندیاں عائد کرتا ہے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے، ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے تو وہ دلکش رسم و رواج کی مخالفت کرتا ہے، اس لیے مشرک لوگ نہ تو قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے اور نہ وہ اپنی آزادی کی راہ میں کوئی پابندی قبول کرنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔

انگریز بھی قرآن پاک کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، یہ قوم حس پرستی، خواہش پرستی، لذت پرستی، گندی ذہنیت، گندی فکر اور کفر و شرک میں مبتلا

تابع اور متبوع کی کشمکش

آگے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا آج تو منکرین توحید، منکرین رسالت، منکرین قرآن اور منکرین معاد دندناتے پھرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں مگر قیامت والے دن ان کی حالت قابل دید ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے اے مخاطب وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم لوگ کھڑے کئے جائیں گے اپنے پروردگار کے سامنے يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ اس وقت ان میں بعض بات کو دوسروں کی طرف لوٹائیں گے، یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے جب اپنے اعمال پر نظر ماریں گے تو سخت مایوسی ہوگی اور پھر وہ اپنی بدبختی کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ پھر يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا پیچھے چلنے والے کمزور لوگ متکبر اور مغرور لوگوں سے کہیں گے لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً ایماندار ہوتے اور یہ رسوائی نہ اٹھانا پڑتی۔ مطلب یہ کہ ہم دنیا میں تم سے کمزور تھے، تم ہمارے لیڈر، پیشوا، مل مالک اور جاگیردار تھے۔ ہم ہر کام میں تمہارا اتباع کرتے رہے جس کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ تم خود بھی جہنم میں جا رہے ہو اور تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی اسی راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ عام محاورہ بھی ہے اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ لوگ اپنے بادشاہوں یا بڑوں کے دین پر ہوتے ہیں، انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں تو قیامت والے دن تابع لوگ متبوعین سے کہیں گے کہ ہمارا بیڑا تم نے غرق کر دیا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اس کے جواب میں متکبر لوگ کمزور لوگوں سے کہیں گے اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ کیا ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ مطلب یہ کہ ہم نے تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر تو صراط مستقیم سے نہیں روکا تھا بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے، یعنی غلط

کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر میں بڑا روپیہ صرف کر رہے ہیں وہ عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ (آل عمران - ۱۱۶) کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس مال کا وبال انہی پر پڑے گا۔ جب اللہ کی گرفت آئی تو لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے

امیر شکیب ارسلانؒ نے لکھا ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے قرآن پاک اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور جو ہو چکے ہیں۔ وہ بدظن ہو جائیں مشرقی علوم کے ماہر مغربی دانشور (مستشرقین) ایسا سبق پڑھاتے ہیں اور ایسے طریقے سے گمراہ کرتے ہیں کہ سادہ لوح لوگ اُن کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایوب کے زمانے میں فضل الرحمان نے ایک قبیح شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام نہیں ہے۔ اُس شخص کو حکومت میں بڑا عہدہ ملا ہوا تھا۔ اور بڑے انعام و اکرام ملے تھے۔ مگر اس نے اس قسم کا شوشہ چھوڑا، تو ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ جس کی بناء پر اُسے حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ شخص مولانا شہاب الدینؒ کا فرزند تھا جو کہ خود بڑے صالح اور نیک آدمی تھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے مگر مغرب والوں نے ایسا چکر دیا کہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے بہاولپور کا ایک پروفیسر مغربی تعلیم حاصل کر کے آیا تو اُس نے ایک مقالہ لکھا تھا جس میں حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ پر بڑے غلط قسم کے اعتراضات کیے تھے، اس سے حضور علیہ السلام کی زندگی کو عام سیاستدانوں جیسی زندگی ثابت کرنا مقصود تھا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ عیسائی اور یہودی لابیوں سے متاثر ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے پاس کثیر فنڈ ہوتے ہیں جنہیں خرچ کر کے وہ اپنے قبیح مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہی اُن کا شب و روز کا فریب ہے، وہ حدیث کی تحقیق کے نام پر گمراہ کن کتابیں شائع

اللہ کے طوق پڑے ہوئے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے ہماری گردنیں اونچی ہو رہی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی چیزیں قیامت والے دن ان کے لیے ذلت کا سبب بن جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص خواب میں اپنے آپ کو ہتھ کڑی یا بیڑی پہنے ہوئے پائے تو یہ اس کے لیے اچھی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پکا ہے۔

قبر پرستی

اب دیکھ لیں کس کس قسم کی بدعات کا طوق گلے میں ڈال رکھا ہے۔ قبروں کو پختہ بنایا جا رہا ہے۔ اُن پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں، سنگ مرمر لگتا ہے، پھر انہیں عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے اور اُوپر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، آخر یہ کہاں کی لیکی ہے اور صاحب قبر کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خانہ کعبہ کو غسل دینا اور اس پر غلاف چڑھانا تو بجا طور پر جائز ہے مگر قبروں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ چادریں مکھیوں کی تن پوشی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتیں؟ فرمایا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کو ان کے خود کردہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کفر کے راستے پر چلنے والوں کا انجام بھی اللہ نے بیان فرما دیا۔

وما أرسلنا في قرية من نذير إلا قال مترفوها
إنا بما أرسلتم به كافرون ﴿٣٤﴾ وقالوا نحن أكثر
أموالا وأولادا وما نحن بمعذبين ﴿٣٥﴾ قل
إن ربي يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر ولكن
أكثر الناس لا يعلمون ﴿٣٦﴾ وما أموالكم ولا
أولادكم بالتي تقربكم عندنا زلفى إلا من
آمن وعمل صالحا فأولئك لهم جزاء الضعف
بما عملوا وهم في الغرفات آمنون ﴿٣٧﴾ والذين
يسعون في آياتنا معاجزين أولئك في العذاب
محضرون ﴿٣٨﴾ قل إن ربي يبسط الرزق لمن
يشاء من عباده ويقدر له وما أنفقتم
من شيء فهو يخلفه وهو خير الرازقين ﴿٣٩﴾

ہیں مال اور اولاد میں اور نہیں ہم سزا دیے ہوئے لوگ (۳۷)
آپ کہہ دیجئے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے
روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس
کے لیے چاہے) لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے (۳۶) اور
نہیں ہیں تمھارے مال اور نہ تمھاری اولادیں کہ تم کو
قریب کر دیں ہمارا مگر وہ شخص کہ جو ایمان لایا اور جس
نے اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دگنا اجر
ہوگا اس وجہ سے جو انھوں نے کیا۔ اور وہ بالاخانوں میں
امن سے رہنے والے ہوں گے (۳۷) اور وہ لوگ جو کوشش
کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ان کو کمزور کرنے کے لیے
یہ لوگ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے (۳۸) آپ
کہہ دیجئے، بیشک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے روزی جس
کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر
دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو تم خرچ کرتے ہو
پس وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، اور وہ بہتر روزی دینے
والا ہے (۳۹)

ربط آیات

پہلے توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت کو واضح کیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسالت کا ذکر بھی کیا۔ اور پھر مجرمین کا حال بیان کیا اور حشر میں پیش آنے والے بعض حالات سے آگاہ کیا۔ اب آج کے درس میں اللہ نے نبوت و رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول کسی بستی شہر یا علاقے میں مبعوث ہوا۔ اور اس نے لوگوں کو کتاب، شریعت، ایمان اور توحید کی دعوت دی تو سب سے پہلے اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ہی مخالفت کی۔

ہو، ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ مالدار لوگوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے انہیں مال و اقتدار پر فخر ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو گمراہی کے اسباب میں بیان کیا ہے۔

قرآن پاک میں جن انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے ان میں سے کوئی مثال ہی ہوگا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ ابتدائی دور میں نبیوں پر ایمان لانے والے عام طور پر غریب اور مساکین ہی ہوتے رہے ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ ابتداء میں اکثر مخالفت کرتے رہے اور پھر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ تو آخر میں چل کر ایمان لائے ہرقل کے واقعہ[1] میں موجود ہے کہ اس نے ہجرت کر کے آنیوالے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی دعوت کے متعلق سوال جواب کیے۔ پھر مکے کے رہنے والے کسی دوسرے آدمی کو طلب کیا تو ابوسفیانؓ کو پیش کیا گیا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ ہرقل والی روایت نے دیگر سوالات کے علاوہ ابوسفیانؓ سے یہ بھی پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کیسے لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں جب کہ بڑے بڑے رؤسا مخالف ہیں۔ ہرقل پہلی کتابوں کا علم رکھتا تھا، کہنے لگا کہ ہر نبی کے اولین متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

شانِ نزول

اس آیت کی شانِ نزول میں امام ابن کثیرؒ[2] نے ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں دو تاجر اکٹھے شراکت دار تھے۔ ان میں ایک دور کہیں کسی علاقے میں تجارت کے سفر پر تھا جب کہ دوسرا اپنے گھر میں تھا۔ مسافر تاجر نے وہیں یہ خبر سنی کہ مکے کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اس نے اپنے شراکت دار کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مکے میں کوئی مدعی نبوت پیدا ہوا ہے اگر ہے تو مجھے

---

[1] بخاری ص۵ (فیاض) [2] ابن کثیر ص۳۲۴ (فیاض)

کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی کی فراوانی اچھائی کی علامت نہیں ہے، بہت سے شریر، نافرمان، ملحد اور دہریے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ بعض اہلِ ایمان اور خدا پرست لوگ تنگی کی حالت میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہوتے ہیں لہٰذا آسودہ حالی کوئی پسندیدگی کی علامت نہیں ہے وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور وہ ظاہری خوشحالی کو ہی اپنی مقبولیت کی نشان سمجھتے ہیں، یہ تنگی اور فراخی تو اللہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے کبھی وہ کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کبھی ان چیزوں سے محروم کر کے امتحان لیتا ہے، پھر جو بندے اس کے امتحان میں پورے اترتے ہیں، وہی مقبولِ بارگاہ ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول[1] ہے۔

وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهِ
بُؤْسُ اللَّبِيبِ وَطِيبُ عَيْشِ الْأَحْمَقِ

اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر یہ دلیل ہے کہ بسا اوقات عقلمند اور دانا لوگ نہایت تنگدستی میں وقت گزارتے ہیں، جب کہ بیوقوف لوگ عیش و راحت میں رہتے ہیں۔ سعدیؒ کا قول بھی ہے۔

؎ اگر روزی بدانشش بر خزیدے
نہ نادان تنگ تر روزی نہ بودے

اگر رزق کی وسعت محض عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتی تو بیوقوف بیچارے بھوکوں مر جاتے۔ بہرحال تنگی و فراخی اللہ کی حکمت اور منشاء کے مطابق ہوتی ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پاتے۔

---

[1] نفحۃ العرب صـ۱۱۲ (فیاض)

لانے ہے وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ اور ایسے نیکوکار لوگ جنت کے بالاخانوں میں نہایت امن وسکون کے ساتھ گزر اوقات کریں گے، ان کے عالیشان مکان ہوں گے جن کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ باہر کا نظارہ اندر بیٹھے ہو سکے گا، وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، کسی محنت ومشقت کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔

مومنین کے لیے سزا

فرمایا وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں، کمزور کر دیں اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بالآخر عذاب میں پکڑے جائیں گے اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ بیشک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی تقسیم کرتا ہے۔ پھر جس کو زیادہ دیتا ہے اس کو بھی امتحان میں ڈالتا ہے کہ وہ میرے احکام کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اور جس کو کم دیتا ہے۔ اس کے صبر وشکر کا بھی امتحان لیتا ہے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

چونکہ اکثر مالدار لوگ کنجوس واقع ہوئے ہیں لہٰذا آگے اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ کا قانون بھی بتلا دیا۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ تم جو چیز بھی اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتا ہے لہٰذا مال کو ہمیشہ صحیح جگہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اپنی جائز ضروریات بھی پوری کرو مگر حقداروں کے حقوق بھی ادا کرو۔ جس نے مال کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کے لیے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ
مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ
اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ
فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

پر سودہ حال لوگ ہی کرتے تھے کیونکہ نبی کی سیادت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ متاثر ہوتی تھی۔ اللہ نے خوشحالی کو اسباب گمراہی میں شمار کیا ہے، اللہ کے ہاں مقبولیت کا تعلق مال و دولت یا جاہ و حشمت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے۔ اللہ نے رزق کا قانون بھی بیان فرمایا کہ یہ تقسیم اس کے اپنے قبضۂ قدرت میں ہے، جس کا چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ یہ تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جسے مخلوق نہیں جان سکتی۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو زندگی کا لائحہ عمل بنا لے۔

فرشتوں کی عبادت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن مشرکین کی کیفیت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، ان سے ان کی بے عقیدگی اور بداعمالی کے متعلق باز پرس ہو گی وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس وقت انسان، جن، عابد اور معبود سب جمع ہوں گے ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا۔ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ کیا یہ لوگ دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں کے نام پر ہیکل بناتے ہیں۔ بعض ان کو مشکلات میں پکارتے ہیں اور بعض یا جبرائیل یا میکائیل والے تعویذ لکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ فرشتوں کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو جب مشرک لوگ اپنے شرک کی کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہیں، وہ جسمانیت اور ہیئت سے پاک ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں، ان کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے، وہ جواب دیں گے

ہم نے ان کو ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔

جنات کی پرستش

فرشتے مزید عرض کریں گے بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ اور ان میں سے اکثر انہیں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آسکتے ہیں۔ جنات کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور پھر اللہ کے سوا دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے نبی یہی کہتے آئے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اِنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ۔ ۱۱۷) جو تمہارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی رب ہے۔ وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (انعام۔ ۱۶۴) اور وہی ہر چیز کا پروردگار ہے اور ہم بھی اسی کی عبادت کی دعوت دیتے ہے

اللہ فرماتا ہے فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا آج کے دن تم ایک دوسرے کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس دن عابد اور معبود، تابع اور متبوع کا عنصر بالکل نمایاں ہو گا اور کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت نفع نقصان کا مالک اللہ ہی ہے مگر دنیا میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں، مگر آخرت میں تو صریحاً بے بسی ہو گی اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ تمام خود ساختہ معبود حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اظہار کر دے گا، اور کہے گا اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم۔ ۲۲) دنیا میں تم مجھے شریک بناتے تھے، میں بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ میں نے تو تمہیں گمراہی کی دعوت دی تھی، شرک کرنے والے تو تم خود ہو۔ اللہ نے تمہیں عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ۔ ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی کا راستہ بھی واضح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد تم نے خود گمراہی کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر اور شرک کیا۔ اب

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ جس چیز کو یہ خدا کا کلام قرآن کہتا ہے وہ تو محض افترا کیا ہوا جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) گویا قرآن پاک کا بھی انکار کر دیتے۔ اکثر مشرکین یہی کہتے تھے کہ یہ شخص تمہیں دھوکا دے کر اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسی لیے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نبی نہیں ہے تو پھر لوگ اس کی بات کیوں مانتے ہیں، جو آدمی ایک دفعہ اس کے قریب آجاتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، آخر بات کیا ہے؟ اس بات کے جواب میں مشرکین نے یہ فلسفہ گھڑا ہوا تھا۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ تو کافروں نے حق بات کے متعلق کہا جب کہ وہ ان کے پاس آگئی اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہ یہ تو کھلا جادو ہے، کہنے لگے اس شخص کی بات میں اثر اس لیے ہے کہ اس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعے یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، ورنہ نہ تو یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ ہی قرآن اللہ کا کلام ہے بلکہ تو ایک خود ساختہ چیز ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے (العیاذ باللہ) مشرکوں کا یہ چرچا عام ہے کہ جب دلائل کا جواب دلائل سے نہیں دے سکتے تو حقیقت کو جادو سے تعبیر کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں پہلے لوگ بھی جب کوئی نشانی دیکھتے تو کہتے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

عربوں کی حالت

نزول قرآن سے قبل تقریباً دو ہزار سال تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا تھا، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مانے ہوئے دین پر قائم تھے، ان میں شرک کی بیماری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں شرک کی ابتدا ہوئی۔ ایک شخص عمرو ابن لحی کسی بیرونی ملک سفر پر

کر سابقہ اقوام کی نسبت عرب لوگ دسویں حصے کے بھی مالک نہیں۔ تاہم بعض دوسرے لغت کے امام اس کا معنی عشر العشیر یعنی دسویں کا دسواں حصہ کرتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ ان کو سو یا ہزار ہاں حصہ بھی نہیں ملا۔ نہ تو عربوں میں پہلے لوگوں کی سی جسمانی قوت ہے جیسے کہ قدیم مصریوں، عاد، ثمود، کلدانیوں اور آشوریوں کو حاصل تھی اور نہ ان جیسا دولت اور اقتدار ہی حاصل ہے۔ عربوں کے پاس تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کس چیز پر تکبر کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا فَكَذَّبُوا رُسُلِي ان پہلے لوگوں نے بھی میرے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پھر کیسی ہوئی میری گرفت، قوم نوحؑ، قوم شعیبؑ، قوم سبا، قوم لوط اور دیگر کافر قوموں میں سے کیا فرد واحد بھی اللہ کے عذاب سے بچ سکا؟ نہیں بلکہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ جب وہ نہیں بچ سکے جو ان سے ہزار گنا زیادہ طاقتور اور مالدار تھے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کو بھی اپنا انجام یاد کر لینا چاہیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حق کے مخالفین ذلیل و خوار ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

ترجمہ ۱۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک میں تم کو
نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ
کے لیے دو دو اور ایک ایک۔ پھر تم غور و فکر کرو، تمہارے
صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ مگر تمہیں
ڈر سنانے والا (اللہ کے) شدید عذاب سے پہلے ﴿۴۶﴾
آپ کہہ دیجئے اگر میں تم سے سوال کروں کسی بدلے کا
پس وہ تمہارے لیے ہی ہے۔ نہیں ہے میرا بدلہ مگر
اللہ کے ذمے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۴۷﴾ آپ کہہ دیجئے
بیشک میرا پروردگار پھینکتا ہے حق کو (یعنی نازل کرتا
ہے اوپر سے) وہ جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کا ﴿۴۸﴾
آپ کہہ دیجئے حق آگیا ہے، اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی
چیز کو اور نہیں وہ لوٹاتا ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے، اگر میں
بہک جاؤں، پس بیشک میں بہکوں گا اپنے نفس کے
لیے، اور اگر میں ہدایت پاؤں، پس اس وجہ سے جو
وحی کی ہے میری طرف میرے پروردگار نے۔ بیشک
وہ سب کچھ سننے والا قریب ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر تو
دیکھے جب یہ لوگ گھبرائیں گے پس بھاگ نہیں
سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب جگہ سے ﴿۵۱﴾
اور کہیں گے ایمان لائے ہم اس پر۔ اور کہاں ہو گا
ان کے لیے پا لینا دور جگہ سے ﴿۵۲﴾ اور تحقیق کفر
کیا انہوں نے اس کے ساتھ اس سے پہلے، اور پھینکتے
ہیں وہ (تیر سے ہی) بغیر دیکھے دور جگہ سے ﴿۵۳﴾ اور
رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان اور اس چیز

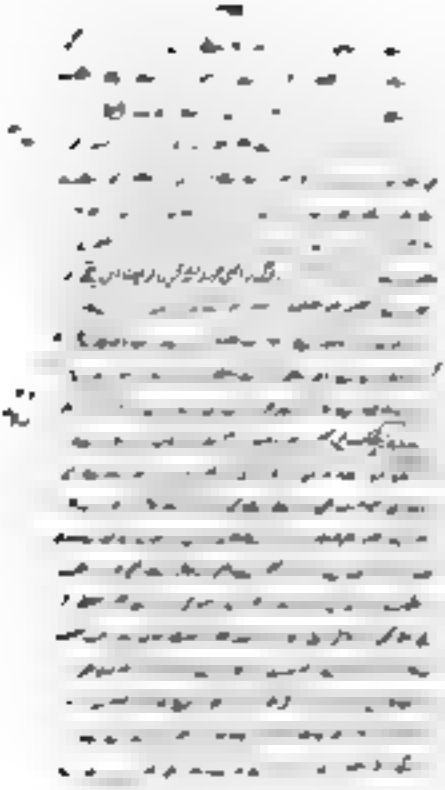

کہ تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفائی میں فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ آپ کو دیوانہ، بعض شاعر اور بعض کاہن کہتے ہیں۔ مگر جب اس کے افعال و کردار پر نظر کرو گے اور تعلیم میں غور و فکر کرو گے تو اس میں دیوانگی والی کوئی چیز نہیں پاؤ گے۔

اس مقام پر پیغمبر علیہ السلام کے لیے صاحب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ التکویر میں ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (آیت-۲۲) تمہارا صاحب مجنون یا دیوانہ نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (آیت ۲۴) اور وہ غیب کی باتوں پر تنگ دل بھی نہیں ہے۔ اور تمہیں آپ کی حقیقت معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیئے، کیونکہ تم اُنہیں بچپن سے جانتے ہو، اور اس کے عادات و اطوار اور اخلاق سے واقف ہو۔ انہوں نے خود تمہیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس-۱۶) میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزارا ہے، کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تمہیں میری صداقت و امانت میں کوئی شک ہے؟ صاحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے انہی میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں بڑے ہوئے اور عمر کا ایک حصہ اُن میں گزارا جو شخص چالیس سال تک جھوٹ میں پل سکتا، وہ یکایک کیسے کذب بیانی کرنے لگے گا۔

جب حضور علیہ السلام کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو آواز دے کر کوہ صفا پر جمع کیا۔ تقریباً چالیس آدمی اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے

لہ بخاری ج ۲ ص ۷۰۳ و ج ۲ ص ۷۴۳ و مسلم ص ۱۱۴ ج ۱ (فیاض)

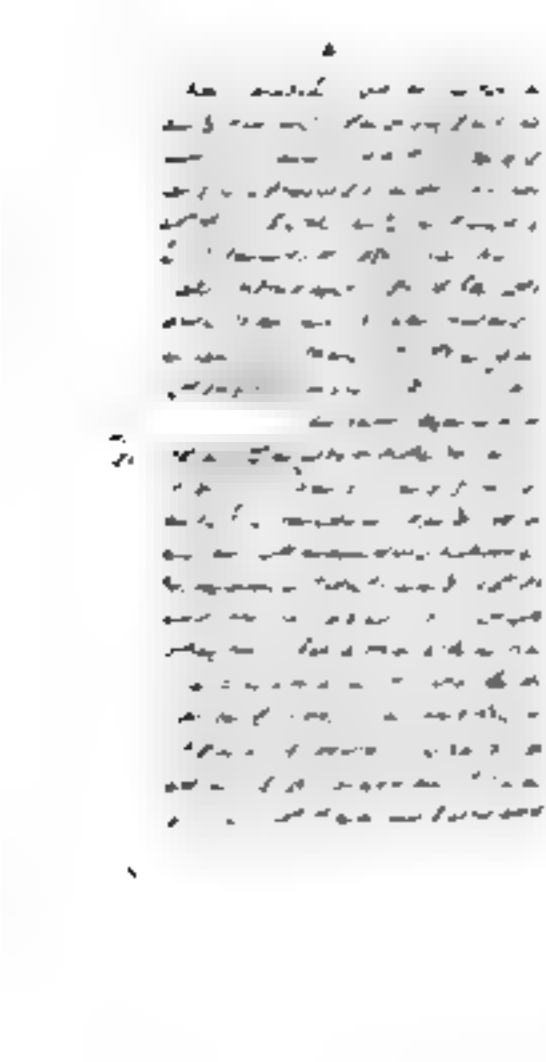

ذاتی مفاد وابستہ نہیں۔

حق و باطل کی کشمکش

فرمایا قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ آپ کہہ دیں کہ بے شک میرا پروردگار ہی حق کو نازل کر رہا ہے یعنی دینِ حق کو وہی پھیلا رہا ہے۔ وہ اپنا کلام جبرائیل علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر اتارتا ہے، پھر وہ کتاب کی صورت میں پوری بنی نوع انسان کے لیے لائحہ عمل اور دستورِ فرزندِ خلاع بن جاتا ہے۔ قذف کا لفظی معنی پھینکنا یا ڈالنا ہوتا ہے۔ ——— یعنی جب اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر ڈالتا ہے تو باطل دب جاتا ہے۔ فرمایا عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ وحی الٰہی کیا ہے؟ گویا آسمان سے بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے۔ اب یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اس رحمت سے اپنے دامان کو بھر لیں اور اسے اپنے لیے نجات کا ذریعہ بنالیں۔

فرمایا قُلْ جَآءَ الْحَقُّ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا ہے، سچا دین نازل ہو چکا ہے وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ اس کے مقابلے میں باطل نہ تو کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔ گویا باطل کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ اس کے اثرات۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے آپ بتوں کو گراتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۔ ۸۱) حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل کو جانا ہی تھا۔ ساتھ ساتھ یہ آیت بھی آپ تلاوت فرماتے جاتے تھے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ مطلب یہی ہے کہ غالب ہمیشہ حق ہی ہوتا ہے اور باطل تو ہر حال باطل ہے، جو نہ کسی چیز کی ابتدا کر سکتا ہے اور نہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے۔ ہر چیز کا خالق مالک

لے

اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ دراصل
سے گزر کر وہ کنارے پر پہنچ چکے ہوں گے وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ
مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ تو اس وقت ان کا دور سے ایمان کو پالینا کہاں ممکن ہوگا۔ اس
وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی اور خدائی فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔
اس قسم کا مضمون سورۃ المومن میں بھی آتا ہے۔ اہل ایمان سرد و زن پل صراط پر سے
گزر رہے ہوں گے۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہوگا۔
ان کے پیچھے منافق لوگ گھپ اندھیرے میں گرتے پڑتے آ رہے ہوں گے۔
اور پیچھے سے اہل ایمان کو آواز دیں گے کہ ہماری طرف نظر شفقت کریں۔
کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر سکیں، مگر آگے سے جواب آئیگا
قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (آیت ۱۳) پیچھے لوٹ جاؤ
اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ اب روشنی کہاں میسر آئے گی۔ یہ نور حاصل کرنے کا
موقع تو دنیا میں تھا جس کو تم نے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم دنیا میں واپس جا سکتے ہو
اور نہ نور ایمان حاصل کر سکتے ہو۔

ارشاد ہوگا وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وہ اس سے پہلے ایمان اور
توحید کا انکار کر چکے ہیں۔ مگر اب ان کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ وَيَقْذِفُوْنَ
بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ اور یہ بغیر دیکھے دور جگہ سے پھینکتے ہیں (یعنی
بات کرتے ہیں) بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بے نشانہ تیر چلا دیا جاتا ہے۔ اور
وہ کسی ان دیکھی منزل پر جا گرتا ہے۔ اور پھر وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا
يَشْتَهُوْنَ پھر ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے
گی كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ جیسا کہ اسی جیسے لوگوں
کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔ سابقہ اقوام کے لوگوں نے بھی آخری وقت میں
ایمان لانے کا اقرار کیا مگر وہ بے سود گیا فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل
کے خدا پر ایمان لایا، مگر اس وقت گرفت آ چکی تھی اور وہ سب قوم پانی کی موجوں

ہر فرد کے لیے ہدایت اور تزکیہ و تعلیم کا انتظام فرمایا ہے۔ اس کے بعد ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہی

سورة
الفاطر
مكية

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ فاطر مکی ہے۔ یہ پینتالیس آیات اور پانچ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جو ٹھہرانے والا ہے فرشتوں کو پیغام لانے والے بازوؤں والے دو دو، تین تین، چار چار۔ اور زیادہ کرتا ہے تخلیق میں جو چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ①

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے یہ نام سورۃ کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ فاطر سے ماخوذ ہے۔ مفسرین کرام نے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ ملائکہ بھی ذکر کیا ہے

---

① الوسیط ۳۳۳ ۔ روح المنثور ۲۳۳/۵ ۔ مدارک ۳۳۲/۳ (فیاض)

ہے قدم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ستر تعالیٰ نے ایمان اور توحید قبول کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں دی ہیں اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر کیا ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

عاطر یا بدیع

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں۔ سابقہ سورۃ سبا کی ابتداء بھی انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں دو مزید سورتوں کی ابتداء بھی انہی الفاظ سے ہوئی ہے یعنی سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام فرمایا سب تعریفیں اور ستائشیں اس ذات کے لیے ہیں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ فاطر اور بدیع کا قریب قریب ایک ہی مفہوم ہے یعنی پیدا کرنے والا۔ قرآن پاک میں بعض جگہ فاطر کا لفظ آیا ہے اور بعض مقامات پر بدیع بھی استعمال ہوا ہے جیسے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ-۱۱۷)

فطور کا لغوی معنی کسی چیز کو پھاڑنا یا اس میں شگاف ڈالنا ہوتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ کے صحیح مفہوم کے متعلق تردد تھا لہٰذا میں اس کی ٹوہ میں تھا کہ کس طرح اس لفظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائے۔ اس زمانے میں دیہاتی عربی کو معیاری زبان سمجھا جاتا تھا اسی لیے رؤسائے عرب اپنے بچوں کی ابتدائی پرورش دیہات میں کرانا پسند کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو عرب بدوؤں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے پایا۔ ان کے درمیان ایک کنویں کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا

۱۔ مصباح اللغات ص۶۳۸ ۲۔ ابن کثیر ص۵۲۶ ج۳ و قرطبی ص۳۱۶ ج۱۴ (ریاض)

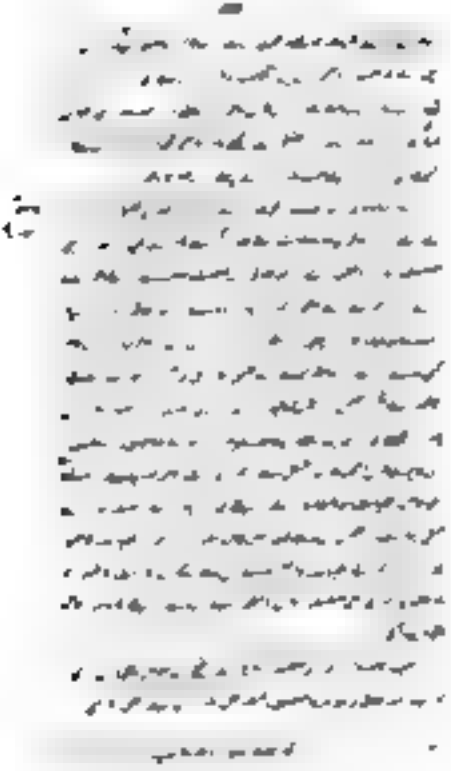

ہے کہ کسی چیز کا مادہ موجود ہو اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۶۲) چنانچہ انسان، ملائکہ، جنات، جنت اور دوزخ وغیرہ سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی صفت خلق کی واضح مثال یہ ہے کہ اس نے زمین کو صفت ابداع کے ذریعے بغیر مادے، آلے اور نمونے کے پیدا کیا۔ اور پھر زمین کے مادے مٹی سے انسان کو صفت خلق کے ذریعے پیدا فرمایا۔ اس کا ارشاد ہے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور پھر فطرۃً آپ کی نسل انسانی کو چلایا۔ اسی طرح انسان اور جنات کے متعلق فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن - ۱۴-۱۵) اللہ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح ملائکہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو اللہ نے ایک خاص قسم کے نورانی مادے سے تخلیق فرمایا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے یا ایک معمولی سی گٹھلی سے بہت بڑا درخت بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ صفت خلق کے ذریعے کوئی چیز پیدا فرما دیتا ہے۔ تو تیسرے نمبر پر اس کی صفت تدبیر کام کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے پیدائش کے بعد کسی چیز کو تدریج بڑھانا، گھٹانا، کسی چیز کو آگے پیچھے کرنا۔ ارتقاء و تنزل کے مراحل سے گزارنا، زندہ یا قائم رکھنا، موت دے دینا یا فنا کر دینا یہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ خود انجام دیتا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی اس کو کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ یہ کام اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

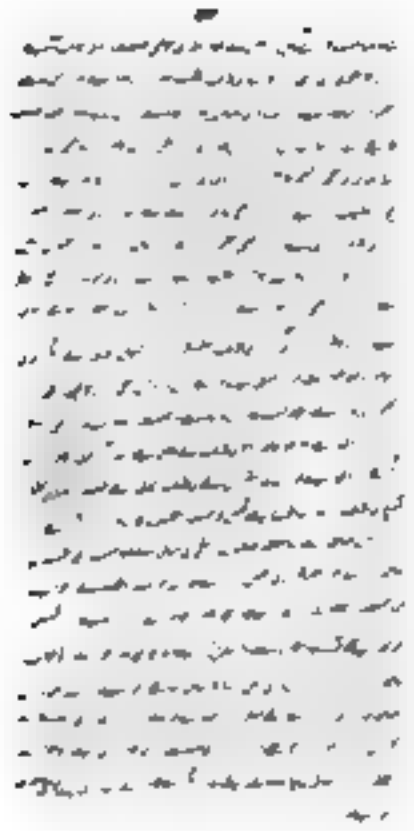

فرشتوں کی جنس

آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ نے اپنی صفت ابداع یا فطر کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا جو فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہ بھی ہے، کہ وہ انبیاء کے نبیوں کے پاس اللہ کا پیام لاتے ہیں۔ اس فرض کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے تدبیر کے مختلف کام لیتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بیشتر فرشتوں کے ذریعے ہی کائنات پر حکم پہنچتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اربوں، کھربوں سال پہلے انسان کی مصلحت کی خاطر اپنے فضل کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ انسانوں کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ تاہم فرشتے درجات میں انسان سے کمتر ہیں۔ فرشتوں کے سات مختلف طبقات ہیں۔ اور ہر طبقہ کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ ملاء اعلیٰ کا تخلق لطیف نوراء سے ہوا ہے جن میں جبرائیل، میکائیل وغیرہ شامل ہیں اور ملاء سافل کی تخلیق اس سے کمتر مادہ سے ہوئی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرشتوں کے مادۂ تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اس آگ جیسی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو طور پر ظاہر ہوئی تھی۔ حقیقت میں یہ حجاب نوری تھا یا ناری تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک درخت سے نکل رہی ہے مگر درخت کو جلاتی نہیں بلکہ مزید روشن کر دیتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو لطیف مادے سے پیدا کیا ہے۔ ان میں روحیں اور عقل و شعور ہے اور وہ ہر وقت بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

فرشتوں کی صلاحیت

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پیام لانے والا بنانے والا ہے۔ اور فرشتوں

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ ص۲۳ ج۱ ۲؎ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۶ ج۱ ۳؎ ایضاً

کے دائقہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

تخلیق میں اضافہ

اس آیت کریمہ میں یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ کے الفاظ توجہ طلب ہیں اس کا بظاہر معنی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پروں میں حسب منشا اضافہ بھی کرتا ہے۔ تاہم مفسرین کرام اس کے عمومی معنی بھی لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ کی ہر قسم کی تخلیق میں اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسان کو اللہ نے تمام اعضاء عطا فرمائے ہیں جو عام طور پر عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کے لیے کچھ اضافہ بھی فرما دیتا ہے کسی کو غیر معمولی حسن عطا کر دیا، اس کی آنکھوں، کانوں اور ناک کو بہترین انداز میں بنا دیا۔ کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ حسین نظر آتا ہے۔ کسی کو خوبصورت اور سریلی آواز دے دی، کسی کو اضافی عقل و ذہانت عطا کر دی، کسی کے قد میں اضافہ اور کسی کی جسمانی قوت کو غیر معمولی بنا دیا۔ کسی کو خوش الحانی اور کسی کو تحریر و تقریر میں زیادتی عطا کر دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جن کی قدر کرنی چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس نے ہر چیز اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بنائی ہے۔ انسانوں پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ ایمان اور توحید کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

لے کشاف ج ۲ ص ۲۹۶ و خازن ص ۲۹۶ ج ۵ و نظری ص ۲۱ ج ۸ (فیاض)

ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها
وما يمسك فلا مرسل له من بعده وهو
العزيز الحكيم ۝ يا أيها الناس اذكروا نعمت
الله عليكم هل من خالق غير الله يرزقكم
من السماء والأرض لا إله إلا هو فأنى
تؤفكون ۝ وإن يكذبوك فقد كذبت
رسل من قبلك وإلى الله ترجع الأمور ۝

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ سب تعریفیں اور ستائشیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کنندہ ہے جس نے فرشتوں کو پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ فرشتوں کے متعدد پر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ فرشتے پیغام رسانی کے علاوہ فیضان رسانی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی رحمت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی صفت خلق کو بیان کیا ہے ساتھ ساتھ شرک کی تردید ہے اور آخر میں بھی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

باب رحمت

ارشاد ہوتا ہے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ کھول دے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا یہ دروازہ انسان کے جسمانی فوائد کے لیے بھی کھلا ہے اور روحانی ضروریات کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ انسانی جسم کی نشوونما اور بقاء کے لیے بارش برساتا ہے، اس کے ذریعے پھل اور اناج اگاتا ہے جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انسانی جسم کی نشوونما کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح مالک، الملک، انسان کی روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا ہے۔ اک پر وحی نازل فرماتا ہے، شرائع اور قوانین عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنی آخری اور جامع کتاب قرآن حکیم عطا فرمائی۔ قرآن کریم ہدایت انسانی کے لیے ایک ایسا خزانہ ہے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے منبع رشد و ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے ان کو بقائے دائمی کا سامان حاصل ہوتا ہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ ترین ثمرہ ہے۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کوئی بھی بند نہیں کر سکتا۔ اسی

دوسرا گروہ کہتا ہے مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا ہم پر فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ فرمایا ایسے لوگ کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر وہ ستاروں کو حقیقی مؤثر مانتے ہیں تو قطعی کافر ہیں۔ اللہ نے سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ تم ایسی چیزوں کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اللہ کی رحمت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ تو شرک والی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب بارش ہوتی تو یوں کہتے مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ یعنی ہم پر فتح کے نوا (ستارے) کے ساتھ بارش ہوئی۔ اور پھر یہ آیت تلاوت فرماتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ ... الخ۔ فتح سے مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جس پر وہ خود رحمت کا دروازہ بند کر دے اسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز کے بعد اکثر یہ ورد کیا کرتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری، مسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! انہیں کوئی روکنے والا اس چیز کو جو تو عطا کرے، اور نہیں کوئی دینے والا وہ چیز جو تو روک دے۔ اور تیرے

لہ در منثور ص۲۹۳ ج ۶ و ابن کثیر ص۵۴۲ ج ۳

لہ خازن ص۲۹۶ ج ۵ و معالم التنزیل ص۱۹۴ ج ۳ (فیاض)

گئی ہے جیسے ارم نذیر یا مسز ناصر وغیرہ۔ یہ کون سی عزت افزائی ہے؟ عورت کو فیکٹری میں ملازمت دے کر یا فوج، پولیس اور دفتر میں بھرتی کر کے مزدور بنا دیا گیا ہے حالانکہ عورت تو گھر کی زینت اور اس کی ذمہ دار ہے۔ اللہ نے عورت کو چاروں باعزت مقام عطا کیے ہیں۔ بحیثیت ماں عورت کا بڑا بلند مقام ہے۔ اللہ نے اولاد کی جنت ماں کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔ بحیثیت بہن بھی عورت کو نہایت احترام کا مقام دیا گیا ہے۔ بحیثیت بیٹی اس کا مشفقانہ مقام ہے اور بحیثیت بیوی وہ گھر کی مالکہ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے درجے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے مگر ان کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے کسی عورت کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنا اسے زندہ درگور کرنے والی بات ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضور علیہ السلام نے ماں کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ باپ کے مقابلے میں خدمت کے لیے ماں زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرمایا والدین کے لیے اذیت کا باعث نہ بنو۔ چہ جائیکہ ان کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا جائے یا ان سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

چند مستثنیٰ کنندہ آیات

عامر ابن قیسؒ ایک بزرگ گزرے ہیں جو غالباً صحابی ہیں ان کا قول ہے۔ کہ قرآن کریم میں چار آیات ایسی ہیں کہ جب میں ان کی تلاوت کر لیتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ میری صبح کیسے گزرے گی اور شام کیسے؟ گویا یہ آیات مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہیں فرماتے ہیں کہ ان چار آیات میں سے پہلی آیت تو یہی آیۃ زیر درس ہے یعنی مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ ..... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس ذات...

لہ درمنثور، ص ۲۴۴ ج ۵ (فیاض)

آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی قویٰ عطا فرمائے ہیں، دیکھنے، سننے، چلنے پھرنے، بولنے اور غور و فکر کرنے کی کتنی ہی نعمتیں ہیں کہ انسان ان سب کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بندے اگر اس کا تھوڑا سا شکریہ بھی ادا کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے، ورنہ کوئی شخص کسی نعمت کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے فرشتے اگرچہ ہمہ تن عبادت میں مصروف رہتے ہیں مگر شکریہ کا حق ادا کرنے میں وہ بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

رازق صرف اللہ ہے

ارشاد ہوتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچاتا ہو۔ یہ استفہامیہ انکار کہلاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی نہیں ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جاندار کو روزی بھی وہی پہنچاتا ہے۔ مگر انسان کس قدر نادان واقع ہوا ہے کہ اس روزی کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجات طلب کرتا ہے اور اس طرح شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ روزی کا اختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے جو خالق ہے اور جسے ہندو، یہود، مشرک، مجوسی، سب تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی گزر چکا ہے کہ خدا کے سوا روزی کا مالک کوئی نہیں لہٰذا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (العنکبوت ۔ ۱۷) لہٰذا اسی کے ہاں رزق تلاش کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرو۔ ہر روزی رساں کے حالات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی کا دروازہ کھولتا ہے۔ فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک ۔ ۱۴) کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو نہایت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فرمایا جب اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے جو تمہارے لیے روزی کا سامان

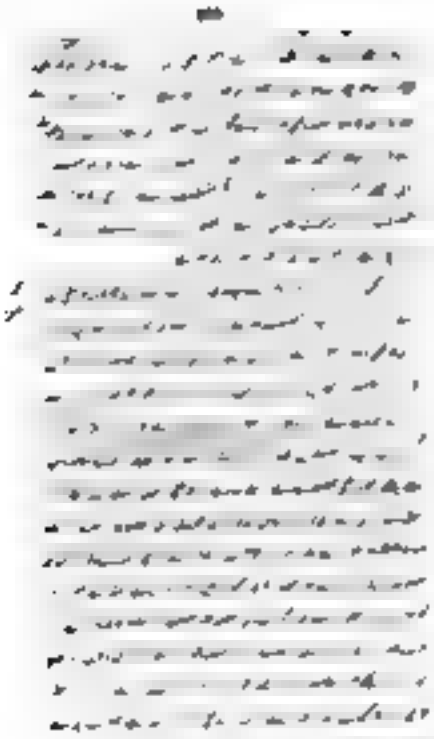

تو ہمارے تمہارے لئے عبرت کی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب کوئی غم لاحق ہو تو میرا اسوہ سامنے رکھو

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق بڑی غلط بات کی۔ کہنے لگا کہ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف کرو۔ آپ کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسمان والے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم کہتے ہو انصاف جاتے رہو۔ اس قدر پریشانی کے باوجود آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں نے سخت الزام لگائے، آپ کی تکذیب کی مگر انہوں نے ہمت سے کام لیا۔

فرمایا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا۔ آپ تسلی رکھیں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۔۔۔
يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
كَبِيْرٌ ۝

۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔
۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں تو آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے لوگ بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ان مکذبین کو ضرور سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ نے عام بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے اغوا سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی۔ محاسبے کا وقت آئے گا، اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وقوع قیامت کا وعدہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسباب ضلالت میں سے دو اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا جو وعدہ لوگوں کے ساتھ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ہر شخص کو بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وقوع قیامت برحق ہے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ قرآن پاک کا تقریباً ایک تہائی حصہ اسی مسئلہ قیامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام کتب سماویہ میں بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قیامت کی جس قدر تفصیلات قرآن پاک نے بیان کی ہیں۔ اتنی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

فرمایا، لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ گویا اس دنیا کی زندگی کا ظاہری عیش و آرام اور اس کی رنگینیاں اسباب ضلالت میں سے پہلا سبب ہے۔ اسی میں الجھ کر آخرت کو نہ بھلا بیٹھنا۔ یہ زندگی تو اللہ نے آزمائش کے لیے دی ہے، کہ انسان یہاں آکر کیسے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اس فانی دنیا میں مگن ہو کر اپنے اصلی مقام کی فکر بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ سورۃ الملک کی ابتدا میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ

اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ سارے کے سارے دوزخ والے بن جائیں
وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بہت بڑی جماعت
بن جائے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ عَدُوٌّ خ کی زبر کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا
معنی دھوکہ باز یا فریبی ہے اور اگر یہی لفظ خ کی پیش کے ساتھ ہو تو معنی دشمن
ہوگا۔ تو فرمایا شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔

شیطان سے بچنے کا طریقہ

امام قشیریؒ چوتھی صدی کے بزرگ گذرے ہیں، وہ اپنی کتاب رسالہ قشیریہ[1] میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ جس کے متعلق خود اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف - ۲۷) وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی دشمنی انسان کے لیے ہر لحظہ جاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس نے انکار کیا تو وہ مردود ٹھہرا مگر اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا، پروردگار لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر - ۳۹) میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ کہنے لگا، میں آگے پیچھے، دائیں بائیں غرضیکہ ہر راستے سے آکر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان اور اس کے چیلے ہر وقت انسان کے درپے رہتے ہیں۔ تو ایسے ازلی دشمن سے بچنے کے لئے امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے۔ اس مسئلہ میں حضور علیہ السلام نے بعض کلمات بتائے جن کے ورد سے شیطان کے شر سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ مثلاً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ گناہ سے بچنا اور نیکی کی انجام دہی بس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے اسی طرح اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ

---

[1] رسالہ قشیریہ ص ۔

[2] (فیاض)

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ حرکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ یٰسین میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

کفر اور ایمان کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً برا ہوگا۔ کفر کا معنیٰ دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔ دوسرے

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۚ فَإِنَّ
اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا
تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ
فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ
فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ
النُّشُورُ ﴿٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ
الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ
السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ
أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾

ترجمہ:- بھلا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل، پس وہ اس کو اچھا خیال کرتا ہے پس بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اللہ راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے۔ پس آپ نہ ہلاک ہوں اپنے نفس کو ان پر حسرت کرتا ہوا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو کچھ یہ لوگ بناتے ہیں ﴿٨﴾

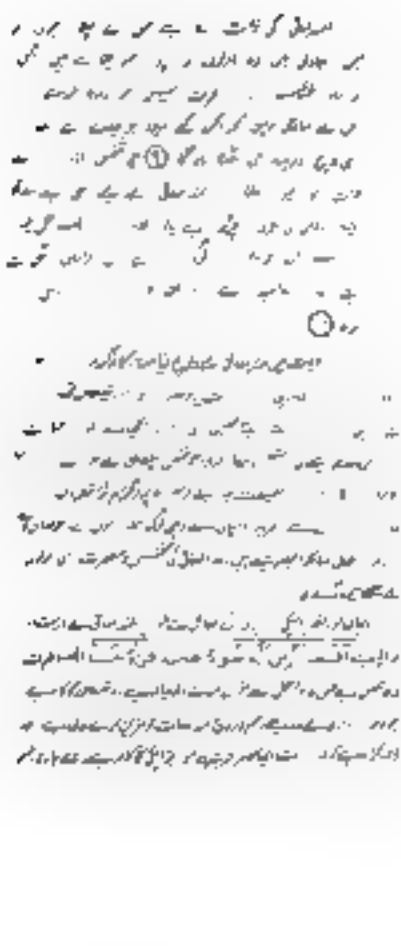

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ جب انہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت آئی تو انہوں نے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، بلکہ ان کے دل مزید سخت ہو گئے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (آیت ۴۳) اور شیطان نے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا، لہٰذا انہوں نے توبہ نہ کی۔ پھر اچانک اللہ کی گرفت آئی اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

تو فرمایا جس شخص کی نظر میں برے اعمال اچھے ہیں کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے فضل سے نیکی اور برائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی کو اختیار کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جو شیطان کی پیروی کر رہا ہے اور شقاوت کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے، اور دوسرا نیکی کو اپنا کر سعادت کے راستے پر چل رہا ہے۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے

آگے اللہ نے گمراہی اور ہدایت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے ہدایت اور گمراہی دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ مگر اس نے اس ضمن میں قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو شخص تعصب، ضد اور عناد کی بنا پر توحید کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا بلکہ فرمایا نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں اور پھر وہ بالآخر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جس شخص میں استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ حق کی تلاش میں کوشش کرتا ہے ہم اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (الرعد - ۲۷) وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ہدایت طلب کرتا ہے۔ اور جن کو ہدایت کی خواہش ہی نہیں ہوگی انہیں صراطِ مستقیم میسر نہیں آ سکتا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

لقائے الٰہی کے وسائل

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی زندگی کو برپا کرنے کا نظام قائم کرے گا، اور اس ضمن میں فرمایا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اللہ کا یہ وعدہ کل کے لئے اور یہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس سلسلے میں اللہ نے اپنے رسول، کتابوں اور مبلغین تک کی زندگی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اس دنیا کی زندگی کی بقاء کے لیے بھی انسان کو تمام وسائل مہیا فرما دیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے فَتُثِیْرُ سَحَابًا وہ ہوائیں بادلوں کو ابھارتی ہیں۔ فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ پس ہم چلاتے ہیں اسکو ایک خشک زمین کی طرف۔ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا پھر ہم اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ نے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے انتظام کی طرف ایک اجمالی اشارہ کیا ہے۔ ہر جاندار کی زندگی کا انحصار پانی اور خوراک پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق سمندروں سے بخارات اٹھاتا ہے، پھر ہواؤں کو چلاتا ہے جو انہیں اٹھا کر خشک علاقے کی طرف لے جاتی ہیں۔ جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق جس خطے میں جتنی چاہتا ہے۔ بارش نازل فرماتا ہے جس سے مردہ زمین میں تر و تازگی آجاتی ہے، اس میں قوت روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر اسی بنجر زمین میں پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اور اللہ نے اسی پر تمام جانداروں کا مدار حیات رکھا ہے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو قابل کاشت بنا دیتا ہے، كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ اسی طرح دوبارہ بھی اٹھنا ہوگا، جب قیامت کا بگل بجے گا تو تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ سب کو میدان حشر میں اکٹھا کیا جائے گا، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزاء اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ احادیث میں بعث بعد الموت کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے جب

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اہل ایمان کے لیے ہے عزت اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، اس کی اطاعت کرے گا، نیکی کے کام انجام دیگا اور اللہ کا ذکر کرے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص قوت کا متلاشی ہے تو یہ چیز کسی انجینئر یا سائنسدان یا سرمایہ دار کے ہاں نہیں ملے گی بلکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ - ۱۶۵) قوت اور طاقت کا سرچشمہ بھی فقط ذات خداوندی ہے اللہ چاہے تو ناتواں سے ناتواں شخص اور جماعت کو قوت بخش دے اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کمزور کر دے۔ غیر اللہ کے پاس نہ عزت ہے اور نہ طاقت۔ جو لوگ ان چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ محروم رہیں گے۔

کلمہ طیبہ اور عمل صالح

غرضیکہ بارگاہِ الٰہی میں عزت کا مقام اُس شخص کو حاصل ہوگا۔ جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ نے فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، کہ اس کا پاک کلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد اللہ کا ذکر، دعا، قرآن کی تلاوت، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر وہ نیک بات ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور دین میں مفید ہو۔ کوئی شخص جو بھی نیکی کا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور انسان کا نیک عمل اُس کلمہ کو مزید بلند کرتا ہے۔ گویا ہر نیک بات کرا گر عمل صالح کی تائید بھی حاصل ہوگی تو ایسے کلمہ کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اُسے بارگاہِ رب العزت میں کمال درجے کی قبولیت حاصل ہو گی۔ اگر یہ نیک بات کی قبولیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ساتھ نیک عمل بھی ہو تو وہ نور علیٰ نور ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ (الانبیاء - ۹۴) جو شخص اچھا عمل کرے بشرطیکہ ایماندار ہو تو اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ وہ عمل اللہ کے ہاں ضرور قبول ہوگا۔ اور اچھا عمل کیا ہے؟ اس میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر واجبات، سنن

بے ادب ہیں غلط تدبیر سوچتا ہے وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْہِ شَرًّا وَقَعَ فِیْہِ جو آدمی اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ غرضیکہ مخالفین حق کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں مگر بالآخر یہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور دین حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اس میں تمام کافروں کا مضمون بھی آگیا ہے۔

مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ
بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ ع

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے - پھر (نوع انسانی کو) نطفۂ آب سے - پھر بنایا ہے تمہیں جوڑے - اور نہیں اٹھاتی کوئی مادہ اور نہیں جنتی (اس کو) مگر اس کے علم سے - اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو اور نہیں گھٹائی جاتی اس کی عمر مگر وہ کتاب میں (لکھی ہوئی ہے) بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے (۱۱) اور نہیں برابر دو سمندر، ایک میٹھا، خوشگوار، پیاس بجھانے والا اور دوسرا کھاری، کڑوا - اور ہر ایک سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت، اور نکالتے ہو تم زیور جس کو تم پہنتے ہو - اور دیکھے تو کشتیوں کو سمندر میں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تلاش کرو تم اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو (۱۲) وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو - ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک - یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار - اسی کی بادشاہی ہے - اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا، نہیں مالک وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے (۱۳) اگر تم ان کو پکارو تو نہیں سنتے تمہاری پکار کو - اور اگر سن لیں تو وہ تمہارا کام

ابنا آدم و آدم من تراب کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ لہذا کسی انسان کو دوسرے کے مقابلے میں تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر کسی ماحول میں کسی خاندان کے ذریعے کوئی شرافت یا عزت بخشی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے، نہ کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرہ آب سے ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا مرد اور عورت میں تفریق کر کے دو صنف بنا دیے۔ پھر ان کے ملاپ سے نسل انسانی کے بقا کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ کوئی عورت نہیں حاملہ بچہ اپنے پیٹ میں اور نہ اسے جنتی ہے۔ مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ عورت کے رحم میں حمل قرار پانا اور پھر مقررہ مدت کے اندر تکمیل اور بچہ کا پرورش پانا اور پھر باہر آجانا سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح سے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر إِلَّا فِي كِتَابٍ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو پھر وہ کتنی عمر پاتا ہے، چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتا ہے یا لمبی عمر پاتا ہے انسان کی زندگی میں کیا کیا تغیرات آتے ہیں۔ بیماری، تندرستی، دولت مندی، تعلیمی شقاوت، سعادت ہر چیز کو اللہ جانتا ہے ہر چیز اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ تھوڑی، درمیانی یا لمبی عمر کی حکمت اور مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے علم میں نہیں ہے۔

فرمایا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اسے کوئی کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس مقام پر شاہ عبدالقادرؒ

ہوتے ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو تو پکڑنے کے بعد ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر مچھلی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کے لاکھوں انسانوں کی معیشت کا دارومدار مچھلی کے شکار پر ہے۔ ساحلی لوگ عام طور پر مچھلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ مصنوعی طور پر حوضوں اور تالابوں میں بھی مچھلی پالی جاتی ہے جو لوگوں کی خوراک کا حصہ بنتی ہے

فرمایا ایک تو تم ان پانیوں سے مچھلی کا شکار کرتے ہو اور دوسرا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ان سمندروں سے پہننے کے زیورات بھی نکالتے ہو۔ زیورات سے مراد موتی اور مونگا ہیں جن کے ہار بنا کر پہنے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیورات تو مردوں کے لیے جائز نہیں البتہ موتیوں کے ہار مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ میٹھے اور کھاری ہر دو سمندروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام کی تقویت مسلمانوں کے ذریعے تو مسلّم ہے ہی غیر کی طرف سے بھی صریح و ضریح کی صورت میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا اس کے علاوہ سمندروں اور دریاؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ پہلے زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جو چھوٹے پیمانے پر نقل و حمل میں کام دیتی تھیں مگر اب سائنسی دور میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز موجود ہیں آپکے میں نہ صرف مسافروں کو سفر کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں بلکہ لاکھوں ٹن وزنی تجارتی سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں سامان کی بین الاقوامی نقل و حمل میں بحری جہاز بڑا اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں ان کے بغیر سامان کی ترسیل بہت مہنگی اور دشوار ہوتی ہے۔ فرمایا جہاز رانی کا فائدہ یہ ہے لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ بین الاقوامی تجارت روزی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ نے بنی نوع انسان پر یہ احسان بھی جتلایا کہ اس نے کشتی رانی کے ذریعے تمہارے لیے

لاشریک ہے۔ اُس کی توحید کو مان کر اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جب ہر چیز کا مالک، مدبر اور متصرف وہی ہے تو پھر اپنی حاجات دوسروں کے سامنے پیش کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت برآری چاہتے ہیں، فرمایا مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، وہ تو اتنی معمولی سی چیز بھی نہ بنا سکتے اور نہ کسی کو دے سکتے ہیں ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ کسی کی تکلیف دُور کر سکتے ہیں۔ فرمایا اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم اُن کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سُن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ تو لکڑی یا پتھر کے بے جان مجسمے ہیں یا پھر شجر و حجر ہیں۔ وہ تمہاری پکار کو کیسے سنیں گے؟ وَلَوْ سَمِعُوْا اور اگر بالفرض تمہاری بات کو سن بھی لیں مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب تک نہیں دیں گے۔ وہ تو بے جان ہیں اور قوتِ گویائی سے محروم ہیں۔ وہ تمہیں کیسے جواب دیں گے؟ اور اگر تم جاندار ہستیوں مثلاً ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء کرام کسی دوسری ہستی کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سُن کر بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ ۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذات سفارش بھی نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ تمہاری مشکل کیسے حل کریں گے؟

فرمایا یہ ہستیاں تمہاری مدد کرنے کی بجائے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، جب اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری عبادت کریں۔ تمہارے سامنے نذر و نیاز پیش کریں اور تم سے حاجات طلب کریں تو ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء سب انکار کر دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے بعد ہمیں اپنا

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ
وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ
وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ:۔ اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف
اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ﴿۱۵﴾ اگر وہ چاہے
تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ﴿۱۶﴾ اور نہیں
یہ بات اللہ پر کوئی مشکل ﴿۱۷﴾ اور نہیں اٹھائے گا
کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور اگر کوئی
بوجھل اپنا بوجھ اٹھانے کی طرف کسی کو بلائے گا، تو
نہیں اٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز اگرچہ وہ قرابتدار
ہی کیوں نہ ہو۔ بیشک آپ ڈر سناتے ہیں ان
لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے۔

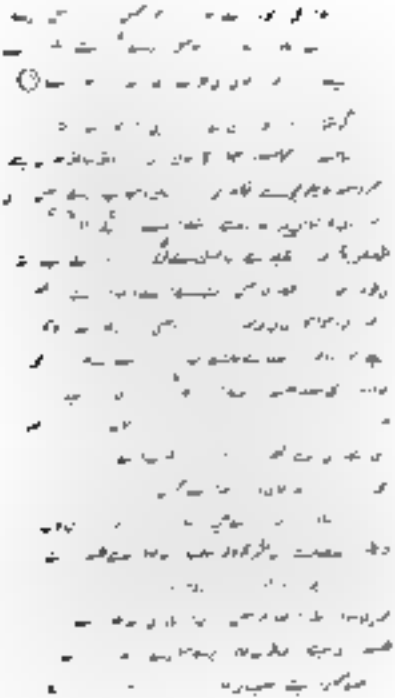

حال ہی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات میں سوال کرتے ہیں۔ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی و عروج اور انعامات کے طالب ہیں اور اپنے اللہ سے درخواست کرتے ہیں۔ حاجت کا اپنا انداز ہے۔ غرضیکہ ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے اور اسی کے آگے دست سوال دراز کیے ہوئے ہے۔

فرمایا وہ صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتی ہے بلکہ سب اس کے سوالی ہیں۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اور وہ ذات خدا کی ہے جو بے نیاز اور تعریفوں والی ہے، واجبی تمام کمالات کے ساتھ متصف ہے، ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ساری مخلوق اسی سے استعانت کرتی ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ غنی اور حمید وہ ذات ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور اس کو کسی قسم کا احتیاج نہیں ہوتا۔ ہندی زبان میں ایسی ذات کو "نراوھار" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ جو ذات اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتی اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے، کہ مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتا۔ اور انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوجاتا ہے مگر رب تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر میرے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ ایک مشہور عربی شاعر عبید ابن ابرص کہتا ہے

مَنْ يَّسْئَلِ النَّاسَ يَحْرِمُوْهُ
وَسَائِلُ اللّٰهِ لَا يَخِيْبُ

جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس کو محروم رکھتے ہیں اور جو اللہ سے طلب کرتا ہے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے ایک علیائی

لہ ابن ماجہ ص (ضیاء)

شاعر نے اپنے ممدوح لوگوں کے بارے میں کہا ۔

سَأَلْنَا فَأَعْطَيْتُمْ وَعُدْنَا فَعُدْتُمْ
وَمَنْ أَكْثَرَ الْسُّؤَالَ يَوْمًا سَيُحْرَمُ

ہم نے ایک دفعہ مانگا، تم نے دے دیا۔ ہم نے پھر طلب کیا تم نے پھر دے دیا۔ اور جو زیادہ مانگے گا ایک نہ ایک دن آکر اس کو محروم کر دیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ سے جس قدر زیادہ مانگا جائے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو نہیں مانگتا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ حضرت علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ لہٰذا اسی سے مانگنا چاہیئے اور غیروں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ کہ اگر چاہے تو تم سب کو صفحہ ہستی سے لے جائے اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق کر دے آئے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ قوم عاد و ثمود کی تباہی کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ اللہ نے قوم عاد کے متعلق سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ ان ظالموں پر سات رات اور آٹھ دن تک سخت تند ہوا چلی تو وہ تباہ ہو گئے اور ان کی لاشیں کھجور کے تنوں کی طرح پڑی تھیں فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (آیت ۸) اب دیکھو کیا ان کا ایک فرد بھی نظر آتا ہے؟ سب ختم ہو گئے فرمایا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ایک قوم کو نابود کرنا اور دوسری قوم کرے آنا اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے انسانوں کے کام میں تو رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، ان کے وسائل میں کمی آ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اس کا کوئی کام نہیں رکتا۔ وہ جب کسی کام

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے رستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

عاقبت کی فکر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا احساس دلایا ہے کہ محض دنیا کی رنگ رلیوں میں ہی کھو کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کا بھی کچھ خیال کرو ہر شخص سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا، ایمان، عقیدے، اخلاق اور حقوق کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اس وقت ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کی خود جوابدہی کرنا ہوگی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا اور اگر کوئی بوجھل کسی کو بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا کہ ذرا میری مدد کرو تو اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی جائے گی اور مدد طلب کرنے والے کو مایوسی ہوگی۔ روایات میں آتا ہے کہ ہر خاوند اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاوند اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھ، میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، تمہاری تمام فرمائشیں پوری کیں اور تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی اب اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دیدو۔ وہ کہے گی کہ میں تو خود اس معاملہ میں فکرمند ہوں، تجھے کہاں سے دوں؟ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اسی طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی بیٹا! میرا پیٹ تیرے لیے ظرف تھا جس میں تجھے نو ماہ تک اٹھائے پھری، پھر میری چھاتی تیرے لیے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جب چاہتے تھے سیراب ہوتے تھے، میری گود تیری لیے گہوارہ تھی۔ جس میں تم آرام کرتے تھے، اب میری مدد کرو اور اپنی نیکی مجھے دیدو۔ بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں اسلیے میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے لہذا میں خود مجبور ہوں غرضیکہ قریبی عزیز بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں کوئی دوسرا نیکی نہ طلب

کہے۔ قرآن پاک نے اس صورتِ حال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ۝ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ ۝ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْہِ قیامت کے دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی اور بیٹے سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ اس دن ہر شخص ایک ہی فکر میں مبتلا ہوگا۔ اور کوئی کسی کا بار نہیں اٹھائے گا۔ وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی اگرچہ وہ قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرنا ہوگا۔

ایمان بالغیب

آگے نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں۔ شرک کفر اور معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، عناد اور تعصب کی بنا پر سچائی سے بچتے بھی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ آپ ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی رب ہے جو ہم پر نگران اور داروغہ کی حیثیت سے کام کرے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اللہ اور اس کے نبی کی بات کو نہیں مانیں گے، کلامِ الٰہی پر یقین نہیں کریں گے تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ دنیا کا نظام تو ایسا ہی ہے کسی نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا، نہ ملائکہ کو دیکھا ہے اور نہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے تو نبی علیہ السلام پر نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا۔ مگر باقی سب لوگ تو ان تمام چیزوں پر ایمان بالغیب ہی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، اس کے رسول برحق ہیں اس کی کتابیں سچی ہیں اور پھر محاسبہ اعمال کا وقت آنے والا ہے تو فرمایا کہ آپ تو انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں

اقامت الصلوٰۃ و تزکیہ

فرمایا محاسبہ اعمال سے ڈرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں جو کہ ایمان کے بعد سب سے ضروری عبادت اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہے۔ قیامت کے دن سب

سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے ادا کیا تھا یا نہیں۔ فرمایا کہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ انجام دینے کے بعد وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ جو شخص تزکیہ حاصل کرے گا یعنی اپنے آپ کو پاک بنائے گا تو اس کے اپنے نفس کے لیے ہی مفید ہوگا۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں[1] کہ تزکیہ سے مراد ظاہر باطن ہر طرح کی پاکیزگی شامل ہے۔ جسم، لباس، مکان اور ماحول کی پاکیزگی کے علاوہ فکر، ذہن، قلب، دماغ اور روح کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بظاہر پاک صاف ہے مگر اس کی خوراک اور لباس مال حرام سے ہے تو آدمی نجس ہے۔ ایسے شخص کی عبادت مقبول نہیں۔ دھوکہ، فریب، سود، چوری اور سمگلنگ کی کمائی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکمل تزکیہ حاصل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا ہی بھلا ہے، ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور خدا کی رحمت کے مقام میں جگہ ملے گی۔

فرمایا کہ ہمیں چاہیے کہ اپنی فکر کریں اپنے ماحول کو، شہر اور ملک کو، مسجدوں اور مدرسوں کو پاک کرنا ہوگا، مسجدوں میں شور و شر کرنا، بیہودہ گفتگو کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا، دوسروں پر کیچڑ اچھالنا، کسی پر الزام لگانا یہ سب تزکیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔ ہماری مسجدوں کو ان نجاستوں سے پاک صاف ہونا چاہیے۔

فرمایا جس نے تزکیہ حاصل کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے۔ یاد رکھو وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور سب کو خدا تعالیٰ کی

---

[1] تفسیر عزیزی ص (ناقص)

طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور اپنی کارگزاری کا خود جواب دینا ہے، اگر اس دنیا سے تزکیہ لے کر جاؤ گے تو انجام اچھا ہوگا، اور اگر نجاست سے آلودہ ہو کر جاؤ گے تو بہت بُرا حشر ہوگا۔ اللہ کے سامنے سب کی پیشی ضروری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ
وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن
فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا
خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ
ع أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور نہیں برابر اندھا اور بینا (۱۹) اور نہ اندھیرے
اور نہ روشنی (۲۰) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (۲۱) اور
نہیں برابر زندہ اور مردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے
جس کو چاہے، اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو
قبروں میں پڑے ہوئے ہیں (۲۲) نہیں ہیں آپ مگر
ڈر سنانے والے (۲۳) بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ
کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور

نہیں گذری کوئی امت مگر وہ کہ ہوا ہے اس میں ڈر سنانے
والا (۲۴) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں، پس بے شک
جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گذرے ہیں۔
آئے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں، جیسے
اور روشن کتاب لے کر (۲۵) پھر پکڑا میں نے ان کو
جنہوں نے کفر کیا۔ پس کیسی طرح ہوئی میری گرفت (۲۶)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا۔ نیز ساری مخلوق کے احتیاج اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا۔ اس بنا پر تمام حاجات اللہ وحدہٗ لاشریک سے طلب کرنی چاہئیں اور اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ چاہے تو ساری مخلوق کو صفحۂ ہستی سے نابود کر کے اس کی جگہ دوسری مخلوق کر سکتا ہے لہٰذا ہر انسان کو محاسبہ اعمال کی فکر کرنی چاہیئے۔ قیامت والے دن کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی کسی دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گا۔ آپ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ظاہری و باطنی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو کوئی پاکیزگی اختیار کرے گا تو اس میں خود اسی کا فائدہ ہے جس کا نتیجہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت سامنے آئے گا۔ اس طرح اللہ نے قیامت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔

نیک و بد کی مثال

گذشتہ درس میں بینا اور کور، سمندر کی مثال بیان کی گئی تھی کہ یہ دونوں برابر نہیں مگر مخلوق خدا میں سے کسی پر فائدہ اٹھاتی ہے۔ اب اسی تسلسل میں بعض اور مثالیں بیان کی ہیں کہ متضاد چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں مرتبہ رکھتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ بینا آدمی اندھے سے بہتر ہے کیونکہ وہ دیکھ کر اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ کر محفوظ چیزوں

سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح فرمایا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ اندھیرے اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اندھیرے میں انسان ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ جب کہ اجالے میں سارے کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا ان کو بھی کوئی شخص برابر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ سایہ اور دھوپ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سائے میں آدمی کام کاج کر سکتا ہے، کچھ دیر کے لیے مسافر آرام کر سکتا ہے۔ جب کہ دھوپ کی شدت ہو، تو ٹکروں سے کوئی کام ہو سکتا ہے اور نہ ہی آرام کر سکتا ہے یہ بھی متضاد چیزیں ہیں جن میں سے ایک مفید اور دوسری غیر مفید ہے۔ فرمایا وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ زندہ اور مردہ بھی برابر نہیں ہیں۔ زندہ انسان دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، کام کاج کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ مردہ انسان قبروں میں خاموش پڑے ہیں۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہی مثال نیک اور بد یا مومن اور کافر کی ہے، ایک طرف وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں اللہ نے روشن کر رکھی ہیں، اس کو بصیرت ہے۔ جس کے ذریعے وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ جس طرح ظاہری روشنی کو دیکھ رہا ہے اسی طرح دل کی بصیرت سے وحی کے اجالے کو بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی منزل کو طے کرتے چلا جا رہا ہے ظاہری روشنی آنکھوں کے لیے ضروری ہے۔ جب کہ وحی الٰہی کی روشنی عقل کے لیے لازمی ہے جب تک انسان کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو۔ وہ اپنی منزل نہیں کر سکتا۔ عقل ایک قیمتی جوہر ہے مگر تمام چیزوں میں وہ بھی خود مکتفی نہیں ہے۔ بلکہ وحی الٰہی کی محتاج ہے۔ جو شخص وحی الٰہی کی روشنی میں آخرت کے سفر پر گامزن ہوتا ہے وہ بالآخر جنت القدس اور جنت تک پہنچ جاتا ہے، دوسری طرف جو شخص وحی الٰہی کی بصیرت سے محروم ہے۔ اور اس کے دل پر کفر اور شرک اور معاصی کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، وہ خدا کی جنت کے مقام میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ وہ جہنم کی آگ میں ہی پہنچے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو بھی مُردہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا دل ذکر الٰہی سے خالی ہے۔ وَمَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰہَ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ یعنی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ زندہ شخص تو نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، امکان ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ایمان قبول کر لے مگر مردہ شخص تو دارالعمل سے نکل کر دارالجزا میں پہنچ چکا ہے، اب اس کے لیے کوئی نصیحت قطعاً مفید نہیں ہو سکتی۔ وہ نہ تو کسی ایمان کی بات کو سُن سکتا ہے، نہ کہی کا سکتا ہے اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مومن اور کافر بھی ایسے ہی ہیں۔ مومن کی مثال ایک زندہ کی ہے جو نیکی کما رہا ہے اور کافر ایک مردہ ہے جو ایک رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی ضمن میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ سنا دیتا ہے جس کو چاہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اور آپ نہیں سُنا سکتے اُن کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح آپ قبروں والے مردوں کو نہیں سُنا سکتے یعنی اُن پر آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر اور شرک کرنے والوں کے لیے بھی آپ کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ اسی بات کو سورۃ القصص میں اس طرح فرمایا اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت کا نور اُس کو حاصل ہوتا ہے جس کو اللہ چاہے وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوریٰ۔ ۵۲) آپ تو صرف سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، باقی ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یعنی ہدایت اللہ کی حکمت اور ارادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو کسی کافر، مشرک کو ہدایت نصیب ہو جائیگی اگر اُس کی مشیت نہیں تو پھر ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنی مرضی سے قبر والوں یعنی کفار و مشرکین کو سنانا چاہیں تو

نہیں سنتے۔

سماع موتیٰ کا مسئلہ

سماع موتیٰ سے متعلق اس قسم کی آیت سورۃ نحل، نمل، روم اور آگے سورۃ احقاف میں بھی ہے، یہ تمام آیات بظاہر سماع موتیٰ کے متعلق ہیں مگر دراصل ان سے مردے نہیں بلکہ کافر مراد ہیں، یعنی کافروں کی حالت مُردوں جیسی ہے جن پر نصیحت کی کوئی بات کارگر نہیں ہوتی، چونکہ ان آیات سے بعض مُردوں کے سُننے یا نہ سُننے کی بحث چھیڑ لی جاتی ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے کہ مختلف فیہ چلا آرہا ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سماع موتیٰ سے انکار کرتی ہیں اور جو احادیث سماع کے حق میں آئی ہیں ان کی تاویل کرتی ہیں، بعض دیگر صحابہؓ بھی ان کے ہم مسلک ہیں، البتہ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ کئی الجملہ مُردوں کا سُننا صحیح احادیث سے ثابت ہے، بعض فرماتے ہیں کہ جن جن مقامات پر مُردوں کے سُننے کا ذکر آیا ہے صرف انہی مقامات پر سماعت کا عقیدہ رکھیں گے نہ کہ ہر وقت اور ہر مقام پر، چنانچہ فقہائے حنفیہ کے امام ابن ہمامؒ لکھتے ہیں۔ کہ مُردے عام طور پر نہیں سنتے البتہ بعض مقامات پر اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، وہاں مُردے سنتے ہیں، البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنی آواز ضرور ہی کسی مردے کو سنا سکتا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ کام کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مردے فی الجملہ نہیں سنتے تو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔

امام بخاریؒ نے تو باب باندھ کر سماع موتیٰ کو ثابت کیا ہے۔ باب یہ ہے بلکہ

لہ روح المعانی ص ۵۵ ج ۲۰ لہ بخاری ص ۱۷۸ ج ۱ (فیاض)

اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کی آواز سنتا ہے۔ یہ وہ دلیل کی حدیث ہے جس کی کوئی بھی توجیہ یا تاویل نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مُردوں کے لیے بھی سلام کا وہی طریقہ بتلایا ہے جو زندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جب تم قبرستان میں جاؤ تو اس طرح سلام کرو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اگر یہ سماع فی الجملہ نہ ہو تو یہ کلام ہی بے مقصد ہے۔ محدثین کرام ایسی احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو مردہ اس سلام کو سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اس کے جواب کو نہیں سن سکتے۔ اگر مردہ سلام کرنے والے کو دنیا میں پہچانتا تھا تو بعد از مرگ بھی پہچانتا ہے۔ محدث ابن عبدالبر نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب نے مذکورہ آیات کو عام معانی میں لیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس بنا پر انہوں نے سماع موتیٰ والی احادیث کی تاویل کی ہے۔ جبکہ بعض نے احادیث کو صحیح مان کر آیات کی تاویل کی ہے تاکہ بات سمجھ میں آئے۔ ائمہ بیہقی[1] امام قرطبی[2] اور صاحب روح المعانی[3] وغیرہ کہتے ہیں کہ مردوں کے سننے سے متعلق سننا مراد نہیں بلکہ ایسا سماع مراد ہے جو مفید ہو۔ آپ قبر پر کھڑے ہو کر دو گھنٹے تک وعظ و نصیحت کریں مگر مردے کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمل کی دنیا سے نکل کر جزا کی دنیا میں پہنچ

---

[1] بیہقی ص۳۶۱ ج۲ [2] قرطبی ص۳۳۰ ج۱۴ [3] روح المعانی ص۵۵ ج۲۲
[4] البحر المحیط ص۳۰۹ ج۷ (فیاض)

چکا ہے بالکل اسی طرح کافر حضور علیہ السلام کی آواز تو سنتے ہیں مگر یہ سماع ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ مگر ان آیات میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے کہ مُردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل سنتے ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ جو ان مسائل میں بڑے شدید ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مردے سلام بھی سنتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے کی آواز بھی سنتے ہیں۔

الغرض ان آیات کا یہی مفہوم لینا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی مرضی سے کسی مُردے کو سنا دے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے مشیت خداوندی ضروری ہے۔ اور اگر بلا ارادہ کوئی مردہ سنتا بھی ہے تو سنتا ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض لوگ سماع موتیٰ کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے شرک پھیلنے کا خطرہ ہے اگر سماع مانیں گے تو لوگ ان سے مرادیں مانگنے لگیں گے اس میں شرک کو داخل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مراد مانگنا تو مُردہ چھوڑ زندہ سے بھی جائز نہیں وہ بھی شرک ہے۔ بہرحال سماع موتیٰ کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ عام مُردوں کے سماع کے سلسلے میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں تاہم مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ نبیوں کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جاکر درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ اس کو سنتے ہیں۔ اسی لیے صاحب فتح قدیر اور بعض دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ کی قبر پر جاکر درود و سلام پیش کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے حق میں دعا کی درخواست بھی کرے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں خاتمہ بالایمان کی سفارش فرما دیں۔

اس زمانے میں بعض احباب نے سماع موتیٰ کا بالکل انکار کیا ہے حالانکہ اہل حدیث بزرگ مولانا نذیر حسینؒ بھی فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی قبر پر جاکر درود شریف پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں تاہم دور سے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب

جلال الدین سیوطی نے بھی اس مسئلہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ملا علی قاری نے بھی یہ بات کہی ہے کہ عام سماع موتی کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے اب کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اس کی حقیقت تو قبر میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی کہ سماع ہوتا ہے یا نہیں۔ بہرحال یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ ماننے یا نہ ماننے والے پر کفر یا شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی عام مردوں کے متعلق بھی عدم سماع کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہ حضرات بھی دلائل ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ قرآن و حدیث میں سماع اور عدم سماع دونوں کا ذکر ہے لہٰذا جس نے جو بھی پہلو اختیار کیا ہے وہ درست ہے دوسرے فریق کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ انبیاء کے سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ حضرت گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں تین رائے لکھی ہیں کہ انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں کسی ایک معتبر عالم کا بھی ذکر نہیں ملتا جس نے اختلاف کیا ہو۔

ہر قوم کے لیے مبعوث

بہرحال فرمایا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ آپ ڈرانے والے ہیں آپ کسی شخص کو اپنے اختیار سے راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ البتہ تمام انبیاء علیہم السلام بشیر اور نذیر ہوتے ہیں جو اپنی اپنی قوم کو نیک اعمال کی شارت اور برے اعمال سے ڈراتے رہے۔ تاریخ میں حضرت علاؤ الدین رسنانی کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے یہ بڑی قیمتی نکتہ بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لیے تشریف لائے کہ مخلوق کی آنکھیں اس طرح پر کھول دیں کہ ان کو اپنا عیب اور حق تعالیٰ کا کمال نظر آنے لگے۔ اپنا عاجزی اور اللہ کی قدرت نظر آنے لگے۔ اپنی ظلم و زیادتی اور حق تعالیٰ کا عدل و انصاف نظر آنے لگے۔ اپنی جہالت اور حق تعالیٰ کا علم نظر آنے لگے۔ اپنی پستی اور حق تعالیٰ کی عزت نظر آنے لگے۔ اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی الٰہیت نظر آنے لگے اپنا فقر اور حق تعالیٰ کا غنا نظر آنے لگے، اپنا گدا ہی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں نظر آنے لگیں۔ اپنا فقہ اور بقا حق صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بیشک

ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کے لیے جنت میں اعلیٰ مقام کی بشارت ہے جب کہ کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بڑے انجام کی وعید ہے۔ فرمایا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا گزرا ہے کوئی ایسی امت نہیں جس میں شر کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی یا ان کے نائب نہ آئے ہوں۔ نبیوں کے بعد ان کی امت کے مبلغین ہی انذار کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ تسلسل کے ساتھ ہر قوم و ملک میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔

فرمایا وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو گھبرائیں نہیں یہ قرآن کی پرانی ریت ہے۔ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے رسول ان کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں، احکام اور دلائل لے کر آئے۔ وَبِالزُّبُرِ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے۔ اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر صحیفے بھی نازل فرمائے وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اور وہ روشن کتابیں بھی لائے۔ چار آسمانی کتابیں زبور، تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ان کے علاوہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک سو چھوٹے چھوٹے صحیفے بھی نازل فرمائے۔ جب اللہ نے انبیاء اور کتب کے ذریعے حجت پوری کر دی، اور جو پھر بھی نہ مانے تو فرمایا ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر میں نے کفر کرنے والوں کو پکڑ لیا۔ پہلے انذار کیا، مہلت دی مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میری گرفت آئی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ پھر دیکھو میری گرفت کیسی ہوئی۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو پھر نافرمان قوم کا فرد واحد بھی نہ بچ سکا۔ سب دنیا سے ناپید ہو گئے۔ فرمایا دیکھو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا
بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ
بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ
سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ
اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے
اتارا آسمان کی طرف سے پانی۔ پھر نکالے ہم نے اس کے
ساتھ پھل مختلف رنگوں کے۔ اور پہاڑوں میں سے بعض

گھاٹیاں سفید ہیں اور سُرخ۔ اُن کے مختلف رنگ ہیں اور
کچھ انتہائی درجے کی سیاہ ہیں (۲۷) اور لوگوں، کیڑوں
مکوڑوں اور مویشیوں میں سے جن کے مختلف رنگ ہیں
اسی طرح۔ بیشک ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُس
کے بندوں میں سے علم والے لوگ۔ بیشک اللہ تعالیٰ
غالب اور بخشش کرنے والا ہے (۲۸) تحقیق وہ لوگ جو
پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور
خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی
دی ہے پوشیدہ اور ظاہر۔ وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی
تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہوگی (۲۹) تاکہ وہ بدلہ دے
اُن کو اُن کا پورا پورا۔ اور زیادہ دے گا اُن کو اپنے
فضل سے۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا اور
قدردان ہے (۳۰) اور وہ جو ہم نے وحی نازل کی ہے
آپ کی طرف کتاب سے، یہ برحق ہے۔ تصدیق کرنے
والی ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں کے ساتھ البتہ خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے (۳۱)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں انذار کا بیان تھا۔ اللہ نے اہلِ ایمان اور کفار کی الگ
الگ حیثیت کو بیان فرمایا تھا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح
اندھا اور بینا، اندھیرا اور روشنی، سایہ اور تپش، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے
اسی طریقہ سے کافر، مشرک، گمراہ اور ایماندار برابر نہیں ہو سکتے، اُس کے بعد اللہ
نے رسالت و نبوت کے بیان میں فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنانے
والے بھیجے ہیں، اور آپ کو بھی ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اگر یہ لوگ
انکار کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں ہے

آپ اطمینان رکھیں، پہلے انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔ پہلے انبیاء بھی واضح دلائل اور کھلے معجزات لے کر آئے تھے اور سمجھانے والے انگر کافروں نے تسلیم نہ کیا، پھر اللہ کی ایسی گرفت آئی کہ صفحہ ہستی سے نابود کر دیے گئے۔

اب آج کی آیات میں بھی دلائل قدرت بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے اگر انسان غور کریں تو توحید خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر انسان کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ انہی آیات میں اللہ نے بیان لانے اور سمجھ سکنے والے لوگوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور پھر ان کا انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

پھلوں اور پہاڑوں کی مختلف قسمیں

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ عربی زبان میں سماء کا اطلاق آسمان کے علاوہ بادل اور فضا پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندروں سے بخارات کو اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش کی ضرورت مقصود ہوتی ہے ہوائیں انھیں اٹھا کر وہاں لے جاتی ہیں۔ آسمان کا ذکر اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ بارش برسانے کا حکم اوپر ہی سے آتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریٰت ۲۲) تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے سب آسمانوں میں ہے یعنی حکم آسمان میں سے آتا ہے۔ فرمایا اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا الوانُهَا پس اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جن کے مختلف رنگ ہیں اللہ نے یہ چیزیں انسانوں کی غذا اور تفریح کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔

اب ذرا ان پھلوں کی ساخت، رنگ اور ذائقہ میں غور کریں، ہر ایک کا رنگ الگ الگ، ساخت الگ الگ، ذائقہ اور خواص ہیں ہر قسم کے پھل بھی مختلف ہیں جنہیں انسان جانور اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے زمین کے مختلف خطوں اور مختلف باغات کی طرف توجہ دلا کر

فرمایا ہے۔ يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ (آیت ۴) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر اس سے پیدا ہونے والے بعض پھلوں کو بعض پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے۔ پانی تو وہی ہے جو بارش کے ذریعے نازل ہوتا ہے۔ پھر وہ کبھی ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں بہہ نکلتا ہے۔ کبھی چشموں کی شکل میں زمین کے اندر رک جاتا ہے، اور پھر کنوؤں کے ذریعے نکالا جاتا ہے مگر یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ ایک ہی پانی حاصل کرنے والے پھلوں میں سے کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے۔ رنگ بھی مختلف ہیں اور سائز میں بھی تفاوت ہے بہرحال اناج اور پھل اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

پہاڑوں کی گھاٹیاں

فرمایا جس طرح اللہ نے پانی کے ذریعے مختلف پھل پیدا کیے ہیں اسی طرح وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا پہاڑوں کی گھاٹیاں بھی سرخ و سفید ہیں ان کے مختلف رنگ ہیں وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے اور پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، کہیں سیاہ پتھر ہیں تو کہیں مٹیالے۔ کہیں سفید ہیں تو کہیں سُرخ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہر چیز کا خالق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ انسان، پھلوں اور پہاڑوں کی تخلیق میں ہی غور کرلے تو اسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

جانداروں کی تخلیق

بے جان چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے جانداروں کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ اور لوگوں میں سے اور زمین میں چلنے پھرنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے۔ وَالْاَنْعَامِ اور مویشیوں میں سے ذرا ان تمام جانداروں میں غور کرو مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ کَذٰلِكَ اسی طرح ان کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ انسان بھی ظاہری شکل و صورت اور رنگت کے اعتبار سے مختلف ہیں، کوئی سیاہی مائل ہے، کوئی گورا چٹا، کوئی زردی مائل، اور کوئی گندمی رنگ والا۔ قد و قامت کے لحاظ سے بھی کوئی پست قامت ہے۔

کوئی درمیانہ اور کوئی طویل قامت ہے۔ اسی طرح کوئی موٹا ہے اور کوئی پتلا۔ قوت کے لحاظ سے کوئی بڑا طاقتور اور کوئی کمزور ہے۔ مختلف خطوں کے لوگوں کے خواص بھی مختلف ہوتے ہیں۔ باطنی طور پر بھی لوگوں کے خصائل مختلف ہیں کوئی ایماندار ہیں اور کوئی کافر، مشرک، مجوسی اور دہریے۔ کوئی خوش اخلاق ہیں اور کوئی بداخلاق لوگوں کے عزائم بھی مختلف ہیں اور سوچ اور فکر بھی مختلف ہوتی ہے گویا ان ازل میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی تفاوت دیگر جانداروں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

دراصل نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی جارہی ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے پریشان نہ ہوں۔ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے جیسے فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (ھود-۱۱۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر انسان برابر اختلاف کرتے رہیں گے۔ سورۃ النحل میں فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِيْنَ (آیت-۹) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا مگر وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے، اللہ نے لوگوں کا انجام واضح کر دیا ہے۔ اگر ایمان لائے گا تو جنت الفردوس جیسے پاک مقام کی رکنیت حاصل ہو جائے گی اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر و شرک کے راستے پر چل نکلا تو آگ کی قباؤں والی جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہرحال ان اختلافات کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان غمگین نہ ہوں۔

اہل علم کی تعریف

فرمایا اللہ کی مختلف قسم کی تخلیق میں اختلاف تو موجود ہے لیکن اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ کے بندوں میں سے

اہل علم ہی ڈرتے ہیں، جن لوگوں میں علم اور سمجھ کی کمی ہوتی ہے اُن میں خوفِ خدا کا بھی فقدان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہیں، جو اللہ کی عظمت و جلال کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، خدا کی توحید اور صفات کو سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے سارے لوگ عالم نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سمجھ رکھنے والوں کی صفت ہے۔

اللہ کے عالم بندوں کی شناخت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم باللہ جس اللہ کا وہ بندہ ہے جو خدائے رحمان کو جاننے والا ہے لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو یعنی شرک آدمی عالم کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم آدمی وہ ہے اَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ جس نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهٗ اور اس کی وصیت کی حفاظت کی وَاَيْقَنَ اَنَّهٗ مُلٰقِيْهِ وَهُوَ حَاسِبُهٗ اور یقین رکھا کہ ایک دن اُس سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ضرور حساب لے گا۔

امام حسن بصریؒ عالم کی تعریف میں فرماتے ہیں اَلْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ عالم شخص وہ ہے جو بن دیکھے خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے ایسا شخص اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہی اپنے دل میں خوف رکھتا ہے جس چیز کی اللہ نے ترغیب دی ہے، وہ بھی اُس کی ترغیب دیتا ہے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ بھی اس سے منع کرتا ہے، اور جس چیز میں خدا کی ناراضگی ہے اُس سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ
وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ

لہ موضح القرآن ۔ (فیاض)

زیادہ روایات یاد ہونا علم کی علامت نہیں بلکہ خوف خدا کی زیادتی علم کی نشانی ہے۔
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے مَنْ لَّا خَشْيَةَ لَهٗ
لَيْسَ بِعَالِمٍ جس میں خشیت نہیں وہ عالم نہیں، صاحب روح المعانی[1]
فرماتے ہیں کہ علماء حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ کی ذات اور اس کی صفات جلیلہ
کو جانتے ہیں، جو اس کے افعال حمیدہ کا علم رکھتے ہیں اور اس کی تمام تقدیر و تدبیر
کو بھی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں ہے
جس کو زیادہ روایتیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی عطا کردہ روشنی
سے روشن ہے، خدا کی معرفت حاصل ہے اور اس کی ذات و صفات کو جانتا
اور پہچانتا ہے۔ مفسر قرطبیؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں
کہ فلاں عالم فقیہ ہے حالانکہ فقیہ کامل تو وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت
سے مایوس نہیں کرتا، نہ کسی کو خدا کی معاصی کی اجازت دیتا اور لوگوں کو
عذاب الٰہی سے بے فکر نہیں کرتا۔ عالم کو بھی قرآن سے اعراض نہیں کرتا۔ نیز
فرماتے ہیں لَا خَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيْهَا کہ جس عبادت میں کوئی جزء
علم نہیں جس میں علم کا دخل نہیں۔ گویا عبادت علم کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر کی
جائے تو مفید ہوگی، ورنہ نہیں۔
خواجہ علی ہجویریؒ کا مقولہ بھی ہے اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا عِلْمٍ كَالْحِمَارِ
فِي الطَّاحُوْنِ بغیر علم کے عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے
جو دن بھر چکی کے گرد گھومتا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں کرتا، اسی طرح بے علم کی حالت ہے بغیر سمجھ
کے علم درست نہیں اور سمجھ میں ضروری چیز ایمان ہے جس کے بغیر کوئی عبادت
قابل قبول نہیں۔ خدا کی توحید اس کی صفات، عالم بدء اور آخرت کی منازل
وغیرہ سب ضروری چیزیں ہیں جن کے متعلق عالم کو علم ہونا چاہیئے۔ اسی طرح فقیہ

---

[1] روح المعانی ص ۲۱۲ ج ۲۲ [2] قرطبی ص ۳۲۴ ج ۱۴ (فیاض)

بھی رہی ہوگا، جو سمجھ اور فصاحت رکھنے والا ہوگا، حضرت علیؓ کا مقولہ ہے لَا خَیْرَ فِیْ عِلْمٍ لَا تَدَبُّرَ فِیْہِ قرآن کی جس تلاوت میں تدبر نہیں ہے اس کی کوئی خاص فوقیت نہیں کیونکہ قرآن کی آیات پر غور و فکر اور تدبر ضروری ہے۔ اللہ نے شکوہ کیا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (محمد ۲۴) لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

پرویز جیسے بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت کا غلط معنی کیا ہے۔ اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ عالم سے مراد سائنسدان ہیں۔ یہ تو صریحاً قرآن پاک کی تحریف ہے اس شخص نے اپنے آپ کو مفکرِ قرآن کے نام سے مشہور کر رکھا ہے، رسالہ طلوعِ اسلام جاری کیا مگر گمراہ ہوگیا۔ اس نے خود ساختہ لغت بھی جاری کیا۔ اس نے نہ صرف عالم کا معنی غلط کیا بلکہ سورۃ نمل میں جہاں وَلَقَدْ اٰتَیْنَا (آیت ۱۵) کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس نے طیر کا معنی پرندہ نہیں بلکہ جنگلی آدمی کیا ہے۔ اللہ کا معنی قانون کیا ہے، اور حور عین سے پاکیزہ فکر مراد لی ہے۔ اس نے اہل کا معنی آئیڈیل کی بجائے دل بھی کیا ہے۔ اسی طرح اس نے علماء سے مراد سائنسدان لیا ہے۔ اگرچہ سائنس بھی ایک علم یا فن کا شعبہ ہے جس کے ذریعے تجربات حاصل کیے جاتے ہیں اور فزکس، کیمسٹری، بائی، فلکیات، وغیرہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں، مگر عالم سے مراد محض سائنس دان لینا تو بالکل ہی غلط ہے۔ سائنس دان تو مومن، کافر، دہریے بھی ہیں مگر وہ عالم نہیں کہلا سکتے۔ عالم بندہ سے قرآن کی مراد ایسا شخص ہے جسے اللہ کی توحید، اس کی صفات، ذات، احکام اور آخرت کا علم حاصل ہے اور اس علم کے مطابق وہ عامل بھی ہے۔ عالم کے لیے تو عقیدے کی درستگی ضروری ہے جو غیر مسلموں میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا وہ عالم کہلانے کے حقدار نہیں ہو سکتے۔

فرمایا اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے کہ جب وہ کسی

سرکش کر پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ وہ ضرور بھی ہے کہ توبہ کرنے پر گناہوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔

نفع بخش تجارت

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وہ لوگ جو کہ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے۔ اس میں سے مخفی اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی ظاہر کر کے خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے فرمایا۔ ایسے لوگ یَرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں۔ جو کبھی برباد نہیں ہوگی۔ وہ بیع یعنی تجارت ہے جس میں لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وہ یہ ہے کہ ان کو پورا پورا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ وہ مذکور بندوں کو ان کے عقاید و اعمال کا پورا اجر دے گا۔ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ بلکہ اپنی مہربانی سے ان کے استحقاق کی نسبت زیادہ انعام اکرام بھی دے گا جس کی کوئی حد نہیں کیونکہ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ اس خدا کی یہ شان ہے کہ وہ غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کرنے والا بھی ہے اور معمولی سے معمولی کار خیر کا قدر دان بھی ہے۔ وہ کسی کی محنت و کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

امام غزالیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور فرمایا کرے فلاں! کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو بخش دیا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، وہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی، البتہ جب اذان ہوتی تو اس کا جواب بڑے احترام سے دیتی تھی۔ خدا نے اس کا — یہی عمل قبول کر لیا ہے۔ حدیث کا مضمون بھی ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھو، شاید اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول ہو اور تمہارے لیے نجات کا باعث بن جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر بعض چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے لگ جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی

عظمت اور قدرت والی کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوٹے سے عمل کا بہانہ بنا کر بھی بخش دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

قرآن کی حقانیت

آگے قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر کیا ہے وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ، اور ہم نے آپ کی طرف کتابوں میں سے جو وحی کی ہے وہ برحق ہے یعنی اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ کتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اگلی میں پیدا کی گئی خرابیوں کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور ہر شخص کا عقیدہ اور عمل اس کی نگاہ میں ہے۔ وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ
وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا
فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾
وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ
نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ

ع ۱۲ الَّذِيْنَ ۚ فَذَوَّقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ:- پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے، پس بعض ان میں زیادتی کرنے والے ہیں اپنی جان پر، اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں، اور بعض ان میں سے سبقت کرنے والے ہیں بھلائیوں کے ساتھ اللہ کے حکم سے یہ بڑی فضیلت کی بات ہے ﴿۳۲﴾ باغات ہمیشہ کے داخل ہوں گے ان میں، پہنائے جائیں گے ان کو کنگن سونے کے اور موتیوں کے اور لباس ان کا ریشم کا ہوگا ﴿۳۳﴾ اور کہیں گے، سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے غم۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور قدردان ہے ﴿۳۴﴾ وہ جس نے اتارا ہے ہمیں ٹھہرنے کی جگہ میں اپنے فضل سے، نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی مشقت، اور نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی تھکاوٹ ﴿۳۵﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ فیصلہ کیا جائے گا ان پر کہ وہ مر جائیں اور نہ تخفیف کی جائے گی ان سے اس (دوزخ) کے عذاب سے۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکرگزار کو ﴿۳۶﴾ اور وہ چلائیں گے اس میں کہ اے اللہ اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! نکال دے ہم کو کہ ہم عمل کریں اچھا سوائے اس کے جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے۔ (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت

پکڑے اس کے اندر جو نعمت پکڑنا چاہتا ہے۔ اور آپ
تمہارے پاس نذیر سنانے والا۔ اب چکھو اپس نہیں ہے
ظالموں کے لیے کوئی مددگار ﴿۳۷﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی مختلف اقسام کو توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا۔ پھر فرمایا کہ خشیتِ الٰہی علم اور سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اہلِ ایمان کی بعض صفات بیان فرمائیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ نفع بخش تجارت کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ برحق ہے، پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لیے اس کتاب میں بڑا سامان ہے، خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وراثت کتاب

کتابیں اور صحیفے پہلے نبیوں پر بھی نازل ہوئے اور پھر آخر میں اللہ نے قرآن پاک جیسی عظیم المرتبت کتاب عطا فرمائی جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

پھر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ امم پر فضیلت بخشی اور اس کو آخری کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت، تعلیم اور اس پر عمل کرنا اسی امت کی ذمہ داری ٹھہری۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل کتاب کو تورات کا وارث بنایا مگر انہوں نے یہ امانت پورے طریقے سے ادا نہ کی۔ جس کی وجہ سے کتاب میں تغیر و تبدل پیدا ہوا، اور اب یہ اس آخری امت کی آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کا بار احسن طریقے سے اٹھائیں۔

فرمایا جس طرح اللہ کی تخلیق مختلف ہے، انسان، جانور، کیڑے مکوڑے،

پھل، اناج، پہاڑوں وغیرہ میں بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی ایک مخلوق بھی ایسی نہیں ہے، اسی طرح وارث کتاب یعنی آخری امت کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ منتخب بندوں میں سے ہیں مگر معاصی میں بھی ملوث ہیں حتیٰ کہ کبائر سے بھی پرہیز نہیں کرتے مطلب یہ کہ ایمان لانے کے باوجود گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی ہی جانوں پر زیادتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں کبھی گناہ کا ارتکاب بھی کر لیا اور کبھی کبھار توبہ بھی کر لی اور اس کی تلافی کر لی۔ نیز ساتھ نیکی کے کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ متقی تو نہیں لیکن گناہوں میں بھی زیادہ انہماک نہیں رکھتے بلکہ درمیانی چال چلتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی توفیق سے نیکیوں کو سمیٹتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ فرائض واجبات سنن اور مستحبات کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ انہی کے متعلق فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو ان لوگوں پر ہوگا۔

اہل جنت کے لیے انعامات

ایسے لوگوں کی جزا کے متعلق فرمایا جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا پہلے کے بیانات میں جن میں وہ داخل ہوں گے یعنی وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ دنیا میں تو اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے مگر جب یہ جنت میں پہنچیں گے تو وہاں

ہیں یہ چیزیں میسر آئیں گی۔ جنت میں اہل جنت جس قسم کے سنہری زیورات اور حریر کے اور جس قسم کے ریشم کا لباس پسند کریں گے ان کی خواہش کے مطابق مہیا کیا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں گروہ یعنی اپنی جان پر ظلم کرنے والے میانہ روی اختیار کرنے والے اور نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے اہل ایمان ہی کے گروہ ہیں اور یہ سب کے سب اللہ کی رحمت کے مقام میں داخل ہوں گے ہاں یہ بات ہے کہ ظالموں کو اپنی زیادتیوں کا بھگتان کرنا ہوگا اور سزا بھگت کر وہ بھی بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ اس امت کے گنہگار لوگوں کو معافی ضرور مل جائے گی کسی کی سفارش ہوگی۔ اور کسی کے حق میں اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائیں گے۔

جب یہ لوگ بہشتوں میں داخل ہو جائیں گے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ تو کہیں گے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آج ہم سے غم کو دور کر دیا۔ دنیا میں تو ہم طرح طرح کے غم و آلام میں مبتلا تھے کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا، مگر اب سارے غم دور ہو گئے اور تمام تکالیف مٹ چکی ہیں۔ اللہ نے ہماری عمر کی سی اطاعت کی بڑی قدر کی ہے اور اپنی بخشش سے نوازا ہے۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ بیشک ہمارا پروردگار بخشش کرنیوالا اور قدردان ہے الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ وہی جس نے اپنے فضل سے ہمیں اقامت کے گھر یعنی ٹھہرنے کی جگہ میں اتارا ہے۔ اقامت کے گھر سے مراد اللہ تعالیٰ کا بہشت ہے جو انسان کا دائمی مقام ہے۔ اس سے پہلے تو انسان مختلف مقامات پر عارضی طور پر قیام پذیر ہوتا ہے کبھی عالم ارواح میں کبھی باپ کی پشت میں کبھی ماں کے شکم میں کبھی اس دنیا میں کبھی برزخ میں اور کبھی حشر کے میدان میں۔ انسان کا آخری اور دائمی مقام تو جنت ہی ہے

جس کے بعد کسی دوسری جگہ نہیں جائے گا۔ تو جنتی لوگ اللہ کی تعریف بیان کریں گے جس نے انہیں اس آخری مقام میں ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسا عمدہ ٹھکانا ہے لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ یہاں ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ اور نہ کوئی منصب برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جنتی لوگ ان سرگرمیوں کا ذکر کریں گے جو انہیں جنت میں پہنچ کر حاصل ہوں گی دراصل نصب اور لغوب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور معنی تھکاوٹ ہی ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ نصب اس تھکاوٹ کو کہتے ہیں جو کسی کو کام کاج کے دوران ہو جاتی ہے اور لغوب وہ تھکاوٹ ہے جو کام کرنے کے بعد طاری ہوتی ہے۔ بہشت میں پہنچ کر تو کوئی کام ہی نہیں کرنا پڑے گا، نہ مشقت اٹھانی پڑے گی لہٰذا کسی قسم کی تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بعض حضرات نصب کا معانی جسمانی تھکاوٹ اور لغوب کا معنی نفسانی تھکاوٹ بھی کرتے ہیں مطلب یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ جنتی لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

جہنم کے لیے سزا

آگے اللہ نے کفار کی تعذیب کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا ان کے متعلق موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر جہنمیوں کی اس حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں ان کو نہ موت آئے گی اور نہ زندگی ہوگی، وہ اس قدر کربناک حالت میں ہوں گے۔ سورۃ الاعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیج کر ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ۱۳) اسی طرح سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ مجرم کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ۷۴) نہ تو موت آئے گی کہ جہنم کی سزا سے چھٹکارا حاصل ہو جائے

اور نہ راحت حاصل ہوگی۔ ہر کہ رمگ کی علامت ہے۔ فرمایا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ان کے لیے دوزخ کے عذاب میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوگی بلکہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا۔ فرمایا كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُوْرٍ ہم اسی طرح ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم کا داخلہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جس لوگ عذاب کی تکلیف سے وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا اس میں چلائیں گے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دہائی کریں گے۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، اب ہم اچھا عمل کریں گے۔ اس کی بجائے جو پہلی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ چلا چلا کر ہزار برس تک دفعہ ہونے سے نکلنے کی درخواست کریں گے اس کے بعد جواب آئے گا۔ اِخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (المؤمنون ۱۰۸) تم پر اسی جہنم میں پھٹکار ہو۔ اب کلام نہ کرو۔ میں تمہیں جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ الغرض! جہنم والوں کی چیخ و پکار ہوتی رہے گی مگر ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

عمر کا استعمال

بالآخر اللہ تعالیٰ جواب دے گا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کہ اس دوران نصیحت پکڑنا چاہے، پکڑے جسے دنیا میں پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر اور صحیفے بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر تم نے اس موقع کو ضائع کر دیا اور کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میری امت کے لوگوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں۔ اس سے آگے قلیل آدمی ہی جائیں گے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو

لے ترمذی ص۳۳۸ (ایاض)

اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا کرے، اس کے بعد اُس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی لمبی مہلت دی مگر تم پھر بھی ایمان سے محروم رہے، اور نیکی کے کام نہ کر پائے، لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو،

سفید بال کی آمد

غرضیکہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی عمر دی وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے۔ اللہ کے تمام انبیاء نذیر ہوتے ہیں۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ (المائدہ۔ ۱۹) تحقیق تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا آ چکا ہے۔ اپنی فکر کرلو، قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال لازمی ہوگا۔ اور پھر جنت یا دوزخ میں داخلہ ٹھکانا ہوگا۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔ کہ خود حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ بھی نذیر ہے، اللہ کے قائم کردہ تمام دلائل توحید بھی نذیر ہیں۔ انبیاء کے معجزات بھی نذیر ہیں۔ انسان کو پیش آنے والے تمام تغیرات، بچپن، جوانی، بڑھاپا، صحت، بیماری، فقر، غنیٰ اور دیگر حوادثات زمانہ سب انسانوں کے لیے بمنزلہ نذیر کے ہیں کہ ان میں غور و فکر کرکے اپنی عاقبت کے لیے بہتر وسائل پیدا کرے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انسان کے جسم میں ایک بال سفید ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے بال سے کہتا ہے کہ تیار ہو جاؤ، موت کا وقت قریب آگیا ہے، گویا بالوں کی سفیدی بھی نذیر ہے۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے ؎

وَقَائِلَةٍ خَضَّبْتَ يَا حَبَّذَا هِيَ
وَقُلْتُ اشْفَعِي وَجْهَكِ بِالْبَيْضِ

محبوبہ نے اپنے محبوب سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہے اپنے بالوں کو رنگ لو، میں اپنے چہرے کے بالوں کو سفید جیسی اعلیٰ خوشبو کے ساتھ سیاہ کروں۔ اس پر اُس شخص نے جواب دیا

لہ

۔ قُلْتُ لَهَا الْمَشِيْبُ نَذِيْرُ عُمْرِیْ
وَلَسْتُ مُسَوِّدًا قَبْلَ النَّذِيْرِیْ

جب پامیری زندگی کا نذیر ہے، لہٰذا میں اس نذیر کے چہرے کو سیاہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

اسی طرح ابن حمّان شاعر نے بھی کہا ہے۔

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ بِوَاحِدَةٍ
حَسْبُ اللَّبِيْبِ بِهٰذَا الشَّيْبِ نَاهِيْ

عمل کرتے چلے جاؤ کیونکہ ایک دن یہی آواز آئے گی کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ عقلمند آدمی کے لیے موت کی خبر دینے والی باتوں کی سفیدی ہی کافی ہے۔ اسی لیے بعض روایات اور آثار میں آیا ہے کہ انسان کی بیماری اس کے لیے موت کی ڈاک کی مانند ہے۔ اللہ فرماتے گا، میں تمہاری طرف موت کی ڈاک بھی بھیجتا رہا، مگر تم نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ بعض روایات میں رائد کا لفظ آتا ہے۔ رائد قافلے کے اس آگے چلنے والے دستہ کو کہتے ہیں جو گھاس، پانی وغیرہ کی تلاش پر مامور ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام عوامل موت کی خبر دے رہے تھے، مگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔

شیخ سعدیؒ کا قول ہے۔

خبرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے شخص عمر کو غنیمت جان کر نیک عمل کر لے پیشتر اس کے کہ ادھر سے آواز آئے کہ آج فلاں شخص ختم ہو گیا یعنی اس کی موت واقع ہو گئی۔

فرمایا، اگر اتنے نذیر بھیجنے کے باوجود تم نے اپنی حالت کو درست نہیں کیا

فَذُوقُوا تو اب اپنی کمائی کا مزہ چکھ لو۔ اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کرے گا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ پس ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ آج ان کا قبیلہ، برادری، سفارش، رشوت کوئی بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ
خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۗ
وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا
مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾
قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ
الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ
اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ
زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے پوشیدہ
چیزوں آسمانوں اور زمین کی ۔ بے شک وہ خوب جاننا ہے
سینوں کے راز ﴿۳۸﴾ وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہیں

خلیفہ زمین میں۔ پس جس نے کفر اختیار کیا، پس اسی پر
اس کے کفر کا وبال پڑا۔ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے
لیے ان کا کفر ان کے پروردگار کے پاس مگر ناراضگی۔
اور نہیں زیادہ کرتا کفر کرنے والوں کے لیے ان کا کفر
مگر نقصان (۳۹) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، بتلاؤ تمہارے
وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے
دکھلاؤ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں۔ یا ان کے
لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں، یا ہم نے ان کو
کوئی کتاب دی ہے، اور وہ کسی دلیل پر ہیں اس سے
نہیں بلکہ نہیں وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ
مگر فریب کا (۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں
کو اور زمین کو اس بات سے کہ وہ ٹل جائیں۔ اور اگر وہ
ٹل جائیں تو نہیں روک سکتا ان دونوں کو کوئی بھی اس کے
سوا۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے (۴۱)

ربط آیات

گزشتہ درس میں انذار کا مضمون ذکر ہوا تھا۔ قرآن کے درشاد تین قسم کے آدمی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو صغائر و کبائر کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ تیسرا گروہ وہ ہے جو بھلائیوں میں سبقت کرتا ہے۔ یہ سارے گروہ اہل اسلام اور حاملین قرآن ہیں۔ پھر اللہ نے نیکی کرنے والوں کے انعامات کا ذکر کیا، اور کفر کرنے والوں کے عذاب اور ان کی چیخ و پکار کو بیان کیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ تمہیں دنیا میں کتنی عمر تک مہلت دی تھی۔ اس مہلت کے دوران تمہارے پاس اللہ کے نبی بھی آئے جو تمہیں ڈراتے رہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بھی تمہیں نگاہ کرتے رہے۔ انسانی زندگی کے تغیرات خود بذریعہ ہیں

کا بڑھاپا اسے یاد دلاتا ہے کہ زندگی کا باقی حصہ تھوڑا رہ گیا ہے، اب بھی سمجھ جاؤ، مگر تم نے ان چیزوں سے نصیحت حاصل نہ کی، اب پچھتانے چلانے کا کچھ فائدہ نہیں، اپنے عقیدے اور عمل کا مزہ چکھو، اب ظالموں کو کسی طرف سے مدد نہیں آئے گی۔

علم الغیب خاصہ

اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور جزئے عمل ہی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ توحید کے عقلی دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن کی صداقت کو ماننے والے اور انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک سینوں کے رازوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت، ارادے، استعداد اور صلاحیت تک کو جانتا ہے۔ اسی بنا پر گذشتہ درس میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (آیت ۔ ۳۷) اب عذاب کا مزہ چکھو۔ آج کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اس دن کافر لوگ کہیں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (آیت ۔ ۳۷) پروردگار ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ ہم اچھے عمل کریں گے۔ مگر اللہ چونکہ ان کی نیت اور ارادے سے واقف ہے، وہ کہے گا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام ۔ ۲۸) اگر بالفرض ہم ان کو دنیا میں واپس لوٹا بھی دیں تو یہ پلٹ کر وہی کام کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم کل اور تمام مخفی باتوں کو جاننے والا ہے، لہٰذا وہ ہر انسان کے ساتھ اسی کی نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

خلافتِ الٰہی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اللہ نے اپنا

یہ انعام یاد دلا کر شکر گزاری کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ، اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔
خلافت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں
کو مخاطب کر کے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ۔ ۳۰)
میں زمین میں خلیفہ یعنی نائب یا قائم مقام بنانے والا ہوں۔ یہ خلافت خاص تھی۔
اور خلافت عام یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے
خلیفہ، جانشین یا قائم مقام ہیں۔ پہلے بادشاہوں کی جگہ موجودہ حکمران خلیفہ ہیں۔
پہلے زمینداروں اور کاشتکاروں کے جانشین موجودہ زمیندار یا کاشتکار ہیں۔
مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جَعَلَکُمْ کا مخاطب امت محمدیہ ہے
کہ اللہ نے تمہیں پہلوں کا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اب خطہ ارض تمہاری سپردگی
میں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو
اور اس کے احکام کو بھی زمین میں جاری کرو۔ اللہ کی مخلوق کو جہالت سے نکالو
ان سے ظلم و زیادتی کو رفع کرو، ان کو عدل و انصاف کا درس دو، زمین کو
شر و فساد کی بجائے امن و سکون کا گہوارہ بناؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف۔ ۵۶)
زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس خلافت کے
ذریعے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (حدیث)
وہ ظاہر کرے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ مگر عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ
جب کسی فرد یا قوم یا جماعت کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شکر گزاری کی
بجائے ناشکری ہی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے
زمین کی اکثر آبادی تو کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی دنیا کی کل
آبادی کے چار حصے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور صرف پانچواں حصہ

دین و ایمان سے قدیم تعلق رکھتا ہے بہرحال نیابت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مگر اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہیں۔

ناشکر گزاری کا انجام

ارشاد ہوتا فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس نے کفرانِ نعمت کیا یعنی ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا جائے گا! چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی آیات، اس کی صفات اور دلائلِ قدرت میں غور و فکر کر کے اس کی توحید کو تسلیم کرتے، عدل و انصاف قائم کرتے، اللہ کی زمین میں اصلاح کرتے اور اس طرح اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر اس کی بجائے انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا جو خود ان کے حق میں برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) انسان نے جو نیکی کمائی ہے وہ اس کے لیے کارآمد ہے اور جو برائی کی ہے، اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سورۃ المدثر میں ارشاد خداوندی ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (آیت - ۳۸) ہر انسان اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے۔ قیامت والے دن اس کا قدم نہیں اٹھ سکے گا جب تک ایک ایک عمل کا محاسبہ نہیں ہو جائے گا۔

فرمایا جس نے ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے پروردگار کے ہاں نہیں زیادتی کرتی مگر ناراضگی کو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کفرانِ نعمت سے ناراض ہی ہوتا ہے۔ جس مقدار میں ناشکر گزاری ہوتی ہے اسی قدر اللہ کی ناراضگی اور بیزاری بڑھنے والی بات ہے وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے لیے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے، ایسا کرنے سے کسی فائدہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا

(آیت ۸۲) ظلم کرنے والوں کو بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نقصان ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ تو دنیا کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ ہی روح اور آخرت میں بہتر مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی کی خراب ہو جاتی ہے۔ بہرحال فرمایا کہ ناشکر گزاری خدا کی ناراضگی اور نقصان کا باعث ہے۔

شرک کی تردید

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہیں۔ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا بتلاؤ تو تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ایسے جن کو مدد و نیاز پیش کر کے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ جو کچھ انہوں نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں یہ عقلی دلیل پیش کی ہے کہ تم جن معبودان باطلہ کو اپنی حاجت براری یا مشکل کشائی یا سفارش کے لیے پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے، کیا انہوں نے آج تک زمین میں کوئی چیز تخلیق کی ہے اگر کی ہے تو مجھے دکھلاؤ تاکہ تمہارے شرک کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے، اس نے کوئی اختیار کسی مخلوق کو نہیں دیا، تمام معاملات کی تدبیر وہ خود کرتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس معاملہ میں اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔

کچھ لوگ ستاروں کو بااختیار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے ان کو اختیار دے رکھا ہے۔ قبر پرست لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اصحاب قبور

اپنے اعتبار سے ان کی بگڑی بنا دیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہے بلکہ سارے کے سارے اللہ کے عاجز بندے ہیں، کسی میں الوہیت یا اختیار والی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں اس عقیدے کی بار بار نفی کی ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور رب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے ہر ایک کی ضروریات اور مشکل کشائی کرتا ہے۔ لہٰذا الٰہ بھی وہی ہے۔

فرمایا مجھے دکھاؤ تمہارے خود ساختہ معبودوں نے زمین میں کون سی چیز تخلیق کی ہے، کوئی انسان، درخت، پتھر، جانور، نباتات، اناج، پھل ان میں سے کچھ تو پیدا کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ نے سورۃ عبس میں فرمایا ہے کہ انسان کو اپنے کھانے میں غور کر کے دیکھنے کہ ہم نے کس طرح پانی برسایا، بادلوں کو ذخیرہ کرنے کے لئے بھیجا، بارش کس نے برسائی ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (آیت ۲۶) پھر زمین کو پھاڑ کر پھل، پھول اور اناج کس نے اگایا جسے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی اپنی غذا اسی سے پوری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کسی نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اچھا اگر انہوں نے زمین میں کچھ بھی پیدا کیا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ تو کیا آسمانوں کی مخلوق میں ان کی کوئی شراکت ہے؟ آسمانوں کا کوئی ٹکڑا یا کوئی آسمانی کرہ ہو جو ان باطل کا پیدا کردہ ہو، ان سورج، چاند، زہرہ، مریخ وغیرہ میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر تمہیں ان کی پرستش کا کیا حق پہنچتا ہے؟

فرمایا اگر زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو یہ ہی بتلاؤ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے اور وہ اس سے کسی دلیل پر ہیں۔ دوسری جگہ ہے فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

اِن خود ساختہ معبودوں کو کوئی اختیار ہے اور انہیں پکار کر اُن سے حاجت براری کی جا سکتی ہے۔ اس چیز کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا کہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محض فریب کاری کا وعدہ ہی کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کتاب کی صورت میں کوئی نقلی دلیل بلکہ محض جھوٹی باتوں کے ذریعے پراپیگنڈہ ہے جو کہ فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔

شفاعت کا غلط تصور

بعض مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود خود تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ سفارش کر کے اللہ کے ہاں سے کام بنوا دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان اللہ نے قرآن میں نقل کیا ہے جو کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس۔ ۱۸) یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا لہٰذا ہماری بگڑی بنوا دیتے ہیں۔ چنانچہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر۔ ۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیتے ہیں۔ یہ سب دھوکے اور فریب کی باتیں ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر سفارش بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کافروں اور مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کوئی قدرت تامہ کا مالک نہیں، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں اور سب کے سب اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا انسانوں، جنوں اور ملائکہ میں الوہیت کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ اُن سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو شرک پہ آمادہ کیا تھا۔ تو وہ صاف جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، بھلا ہم کسی کو شرک کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؛ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدۃ۔ ۱۱۷) کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے الغرض

فرمایا، ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے اور فریب کی بات کرتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی کارساز ہے۔

نظام کائنات کا انتظام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامتا ہے کہ وہ ٹل جائیں۔ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اور اگر یہ آسمان و زمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ان کو کوئی تھامنے والا نہیں ہے۔ سورج، چاند، زمین اور دیگر کرے فضا میں معلق ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کا مدار مقرر کر رکھا ہے سورۃ یٰسین میں ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (آیت ۴۰) سب کے سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ کسی کرے کا مدار چھوٹا ہے اور وہ جلدی اپنا چکر پورا کر لیتا ہے اور کسی کا مدار لمبا ہے اور وہ اس کے مطابق زیادہ وقت لیتا ہے۔ کوئی کرہ چوبیس گھنٹے میں اپنے مدار کے گرد چکر لگاتا ہے، کوئی ایک ماہ میں، کوئی بیس سال میں اور کوئی ہزاروں سال میں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج زمین کی نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے مگر بہت دور ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اسی طرح زمین سے نزدیک ترین کرہ چاند ہے جو لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔ شعریٰ سیارہ جس کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم ۔ ۴۹) یعنی شعریٰ سیارے کا رب بھی وہی ہے۔ یہ سیارہ سورج سے بیس گنا بڑا ہے ہر کرے کا مدار ہے اور یہ حکمت خداوندی کے مطابق جب تک اس کو منظور ہے چلتے رہیں گے۔ پھر جب مقررہ وقت آجائے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے وقوع قیامت کی مختلف نشانیاں بیان فرمائی ہیں

کہیں فرمایا: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج گہنا جائے گا۔ سورۃ زلزال میں فرمایا: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت - ۱) جب زمین کو خوب ہلا دیا جائے گا۔ اس کے ذرات بکھر جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، ستارے بے نور ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ تو پھر عالم بالا کا نظام قائم ہو گا۔

فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ وہ انسان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آ جاتا ہے تو مجرم کو پکڑ لیتا ہے اور جب کوئی مجرم اس کے دربار میں آ کر تائب ہو جاتا ہے تو پھر اس کی رحمت و بخشش بھی بڑی وسیع ہے اور وہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر اس کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو لوگوں کے کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے دنیا یکدم ویران ہو جاتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام قائم ہے وہ اپنے وقت پر عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کر کے دکھا دیگا

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ
نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾
اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ
مِنْ شَىْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۚ
اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ
النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

ترجمہ ۔ اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے
نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئے گا ان کے پاس کوئی ڈر
سنانے والا تو البتہ ہوں گے وہ کسی بھی دوسری امت
سے زیادہ راہ پانے والے ۔ پس جب آیا ان کے پاس
ڈر سنانے والا تو نہ زیادہ کیا ان کے لیے مگر بدکنا (۴۲)
تکبر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیر اور نہیں گھیرتی
بری تدبیر مگر اپنی لوگوں کو جو تدبیر کنندہ ہوتے ہیں ۔ پس
نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر پہلے لوگوں کے دستور کا
پس ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی ،
اور ہرگز نہ پائے گا اللہ کے دستور میں ٹل جانا (۴۳)
کیا نہیں چلے یہ لوگ زمین میں پس دیکھ لیں کیسا ہوا
انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور تھے
وہ ان سے زیادہ قوت والے ۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے
کہ اس کو کوئی چیز عاجز کر دے آسمانوں میں اور نہ زمین
میں ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھتا
ہے (۴۴) اور اگر مؤاخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں سے
ان کے بدلے جو انہوں نے کمایا تو نہ چھوڑے زمین کی
پشت پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار ۔ لیکن وہ مہلت
دیتا ہے ان کو ایک مقررہ وقت تک ، پس جب
آجائے گا ان کے پاس ان کا مقررہ وقت ، پس بیشک
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خوب دیکھنے والا ہے (۴۵)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ عقلی دلائل پیش
کیے تھے اور شرک کی تردید فرمائی تھی ۔ وہ یکتا معبود اللہ کی ذات ہی ہے جس نے

آسمان و زمین کو اپنی قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ قائم رکھا ہے اور اگر وہ ان دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو کوئی دوسرا ان کو تھامنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم و حلیم ہے، وہ انسانوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے مگر لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقتِ مقررہ پر اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور نافرمانوں کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔

مشرکینِ مکہ کا دعویٰ

اب آج کی پہلی آیت میں مشرکینِ مکہ کے باطل زعم کا خصوصی رد کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ لوگ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آگیا۔ تو وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ مشرکینِ مکہ یہود و نصاریٰ کے متعلق سنتے تھے کہ اللہ نے ان پر پیغمبر بھیجے کتابیں نازل کیں، مگر انہوں نے نبیوں کی مخالفت ہی کی اور ہدایت قبول نہ کی، تو یہ لوگ وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی نبی آئے تو ہم اس کی کماحقہ اطاعت کریں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کریں گے، مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ جب ان کے پاس ڈرانے والا اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس پر ایمان لانے کی بجائے مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ان کی نفرت میں ہی اضافہ ہوا۔ وہ نبی کی اطاعت تو کیا کرتے الٹا اس کے دشمن ہو گئے اور اللہ کے رسول کے متعلق ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء سے جس قدر نفرت کی، انہوں نے ان سے بھی زیادہ عداوت کا اظہار کیا۔ اس کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنائے حتیٰ کہ قتل تک کے درپے ہوئے اور یہ اس وجہ سے اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ کہ وہ زمین میں غرور و تکبر کرنے لگے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی سیادت و قیادت

پر گھمنڈ تھا اور وہ کسی دوسرے کی پیروی میں شریک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیا تو پھر ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔

تکبر ایک ایسی بیماری ہے جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور جیسے ماننے سے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ دنیاوی حیثیت کو نبوت پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیسا نبی ہے جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ زمین و باغات نہ کوئی لاؤ لشکر، بھلا اس نادار آدمی کو ہم کیسے نبی تسلیم کر لیں۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف۔ ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل ہوا۔ کیا نبوت و رسالت کے لیے اللہ کو یتیم طالب ہی رہ گیا تھا؟

مشرکین کی بری تدبیر

اللہ کے نبی کے خلاف مشرکین کی حضرت ایک تو طرز تکبر کی بنا پر تھی اور دوسرا وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ بُری تدبیر کی وجہ سے تھی۔ ان کی بری تدبیر یہ تھی کہ نعوذ باللہ ختم کر دیا جائے تاکہ ان کا دوا ہزار دین میں رخنہ نہ پڑ جائے اور آگے نہ بڑھ سکے، مگر اللہ نے فرمایا وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ بری تدبیر نہیں گھیرتی مگر خود اس کے کرنے والوں کو۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبیوں کے مشن کو ناکام بنا دیں، تو اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کے خلاف بری تدبیر سوچتا ہے اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برائی کرنے والا خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِّاَخِيْهِ وَقَعَ فِيْهِ جو اپنے بھائی کے لیے

گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بعض روایات میں مَنْ حَفَرَ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اندھے منہ گرتا ہے۔ فارسی کا مقولہ بھی ہے "چاہ کن را چاہ در پیش" جو کسی کے لیے برائی سوچتا ہے، وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔

غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل ایمان نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں بنو قریظہ پر چڑھائی کر کے ان کو مغلوب کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی معاہدہ کرنے کے باوجود شرارت کی تھی لہٰذا ان کی سرکوبی ضروری تھی۔ جب وہ مغلوب ہو گئے تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا فیصل مقرر کیا جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اور کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے۔ الغرض اس فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت کعب کا ایک بچہ جو قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا اور بڑا عالم فاضل بنا اور مفسر قرآن شمار ہونے لگے۔ ان کے بیٹے محمد بن کعبؒ بھی عظیم مفسر قرآن ہو گزرے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ تین چیزوں کا انجام ہر حال میں برا ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی چیز وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے بری تدبیر سوچتا ہے وہ خود اس کا شکار بنتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جو قرآن کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ (یونس ۔ ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی خود تمہارے ہی نفسوں کے خلاف پڑے گی۔ قوانین الٰہی اور حدود شرعی کو توڑنا ہی سرکشی ہے اور دنیا میں کثرت و بغاوت ایسے لوگوں کو ذلیل کر دیتی ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز جو ہمیشہ ہوتی ہے کہ انسان کا غیر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰی

لہ

نَفْسِهٖ (الفتح ۔۔۔) جو کوئی عہد کو توڑتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے جیسا کہ بنو قریظہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر

فرمایا پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آیا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر اس کی اطاعت کریں گے مگر جب اللہ کا نبی بطور نذیر آگیا تو اس کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔ فرمایا فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ کیا یہ لوگ پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کے خلاف بغاوت کی، مصلحین اور مبلغین کے خلاف سازشیں کیں، خدا کی گرفت میں آئے۔ اگر یہ بھی انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو جان لیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہ تم نہیں پاؤ گے اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا اور تم اللہ کے دستور کو ٹلتے ہوئے بھی نہیں پاؤ گے مطلب یہ کہ اللہ کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم بغاوت پر اتر آتی ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کا دستور محض تمہاری خاطر تو تبدیل نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ دنیا کی عدالتوں میں بعض اوقات رشوت یا سفارش کی بنا پر مجرم کی سزا کو ٹال دیا جاتا ہے یا اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے قانون میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ مجرم کو مہلت تو دے دیتا ہے مگر سزا دیے بغیر چھوڑتا نہیں۔

آخر میں اللہ نے بطور نصیحت اور تنبیہ فرمایا ہے وَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ تو طاقت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ پرانی قوموں کے حالات پڑھیں اور ان کے آثار دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ ان کی سرکشی کا کیا انجام ہوا۔ مصر کے فرعون، بابل کے آشوری اور

کلدانی، مادا اور شور جیسے بڑے طاقتور اور ملک و خزانوں کے مالک تھے یونان میں سکندر جیسے فاتح عالم بھی ہوئے ہیں پچھلی سورتوں میں گذر چکا ہے کہ عرب والوں کو تو سابقہ اقوام کا عشر عشیر بھی نہیں ملا ہے کہ وہ اس کمزوری میں مبتلا ہیں، اگر وہ اتنے طاقتور اور جاہ و حشمت کے مالک اپنی سرکشی کی وجہ سے نابود ہو گئے۔ تو یہ کیسے باغ کی مولی ہیں کہ ہمیشہ قائم رہیں گے، جب اللہ کی گرفت آئیگی تو سب ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو سکتی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز اسے عاجز کر دے اور وہ اپنے ارادے اور مشیت کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرہ ۲۸۲) اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے، وہ ذرہ ذرہ کو جانتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ ۲۰) اور وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، لہٰذا اس کے ارادے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ جب وہ کسی قوم کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر کوئی بھی چیز خواہ وہ آسمان کے کناروں یا زمین کے کسی گوشے میں ہو، اللہ کی مشیت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، بلکہ کام ہو کر رہتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب چاہے گا سرکشوں کو پکڑ لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دار کیا ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کی بدکرداری کے متعلق مؤاخذہ کرے مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو زمین پر چلنے پھرنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑے ہر جاندار سے کوئی نہ کوئی غلطی تو سرزد ہو جاتی ہے۔ جب کہ انسان تو بے تحاشا غلطیاں اور معصیتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اللہ ان کی اکثریت کفر اور شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ تو فرمایا اگر ان کی کرتوتوں کے
عوض میں اللہ تعالیٰ ان سے مؤاخذہ کرنا چاہے تو کوئی بھی جاندار بچ نہ سکے اور سب
پکڑے جائیں۔ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مگر اللہ تعالیٰ
انہیں مقررہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اس کا دستور ہے اس نے
ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔
جس طرح انسان کی زندگی کے ایام مقرر ہیں، اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے جہان
کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو سارا نظام ختم
ہو جائے گا اور پھر یہ نظام قائم ہوگا۔ اور انسانی زندگی کا محاسبہ شروع ہو جائے گا۔
دنیا میں جب انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت
تک ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کی گرفت
سیلاب کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے اور پھر کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ یہ تو دنیا کا
ادنیٰ عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا بڑا عذاب تو آگے ہے۔ اللہ نے اعلان فرما
دیا ہے وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدۃ ۲۱) بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا
کا کچھ عذاب بھی چکھاتے ہیں تاکہ وہ حقیقت کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے باوجود
بعض لوگ دنیا کی زندگی میں بچے بھی رہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا
ٹل سے ٹل جاتی ہے۔ بلکہ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم ۴۵)
انہیں مہلت دی جاتی ہے اور میری تدبیر بڑی مضبوط ہے جو خطا نہیں جاتی۔

فرمایا فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا۔
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات
کو دیکھ رہا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر شخص کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی
اس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ انسان اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

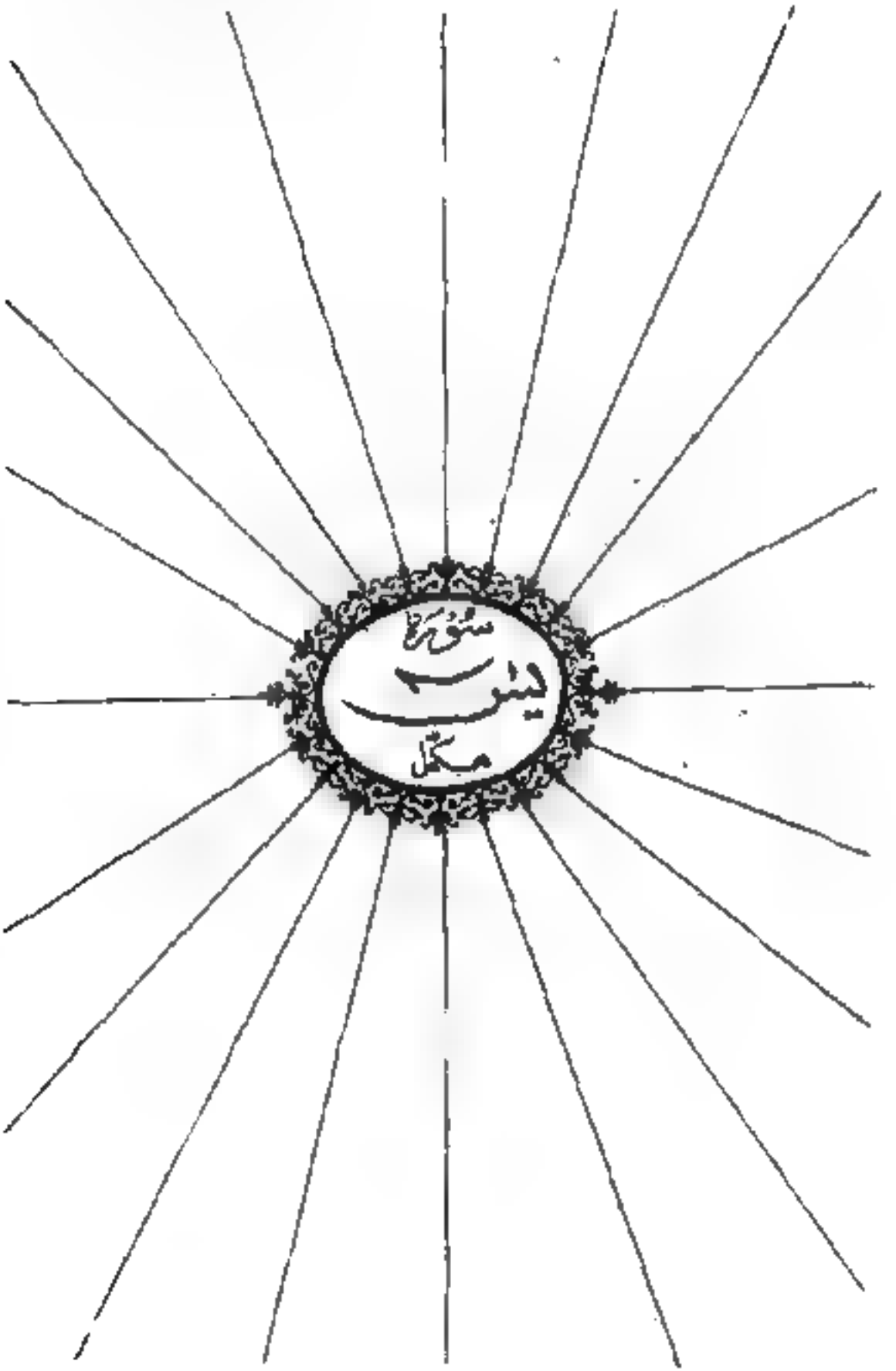
سورۃ
یٰسٓ
مکمل

سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ یٰسٓ مکی ہے۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ
حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ۝۷

ترجمہ:- یٰسٓ ۝۱ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ۝۲
بیشک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ۝۳ سیدھے رستے
پر ہیں ۝۴ (قرآن) اتارا ہوا ہے کمال قدرت رکھنے والے
اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے ۝۵ تاکہ آپ ڈرائیں
اس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے ان کے آباؤ اجداد، پس
وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۝۶ البتہ تحقیق ثابت
ہو گئی ہے یہ بات ان کی اکثریت پر، پس وہ نہیں

ایمان لائیں گے (۷)

نام اور سورت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ یٰسٓ ہے جو کہ اس کے ابتدائی لفظ سے ماخوذ ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ الحفظ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سورۃ دنیا و آخرت کی بہتری پر مشتمل ہے۔ مفسرین اس کا تیسرا اہم واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برائی کو دور کرنے والی سورۃ ہے۔ اس کا ایک نام قاضیہ بھی ہے کیونکہ اس کی تلاوت انسانی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ سارے نام امام بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔

یہ سورۃ مکی دور کے وسطی دور میں سورۃ جن کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ سات سو اسی کلمات اور تین ہزار حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی عقائد نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہے اور ساتھ رسالت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ توحید خداوندی کا ذکر بڑے کمال طریقے سے کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ پورے طریقے سے شرکین کا رد ہے۔ اس سورۃ میں پورے دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں۔ مخلوق میں سے انسان ہوں یا جن یا ملائکہ، اولیاء ہوں یا اصنام شمس و قمر ہوں یا دریا اور پہاڑ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ عالم الغیب اور علیم کل ہے۔ اس بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح وقوع قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر بھی انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ یہ چاروں مضامین آگے چل کر سورۃ الرافعہ میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی آیتوں میں عبارات (جزائے عمل) کا پہلو غالب ہے مگر یہاں پر تمام مضامین یکساں طور پر دلائل و عنایات کے تحت بیان کیے گئے ہیں

۱؎ ابو سعود ص ۲۲۷ ج ۴ دفتر ثانی ۲؎ السراج المنیر ص ۳۲۵ ج ۳

۳؎ السراج المنیر ص ۳۲۵ ج ۳ ۴؎ بیضاوی ص ۲۰۶ ج ۲ ۵؎ فیاض

فضائل سورۃ

احادیث میں اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبٌ وَقَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کا دل سورۃ یٰسٓ ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر یہی عضو بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے گویا جسم کی درستگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔

سورۃ بقرہ کو اونٹ کی کوہان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوہان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یٰسٓ کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اخلاقی، بداخلاقی، ایمان، کفر، شرک، نفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات اور فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہوگا۔ تو انسان کے حالات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ بشرطیکہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر یقین، اللہ کی کتاب پر ایمان، حشر نشر کے واقعات پر یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں، اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے، گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت میں مفسرین کرام مسند ابو یعلیٰ کے حوالہ سے یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَرَاَ فِیْ لَیْلَۃٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ جو شخص رات کے وقت سورۃ یٰسٓ کی تلاوت

لہ قرطبی ص۱۰۷ ج۱۵ وحقانی ص۱۱۹ ج۲۳ وجمل ص۵۰۱ ج۳ وخازن ص۲۰۲ ج۵

سے۔ لہ قرطبی ص۱۰۷ ج۱۵ وحقانی ص۱۱۹ ج۲۳ وجمل ص۵۰۱ ج۳ (فیاض)

کہے گا، اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پروانہ
ملے گا۔ مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم
واللیل میں نص کیا ہے کہ سورۃ یٰسین قرآن کا دل ہے لَا یَقْرَؤُهَا رَجُلٌ یُرِیْدُ
اللّٰهَ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت
کے گھر کی تلاش کے لیے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا۔ فرمایا
اِقْرَءُوْهَا عَلٰی مَوْتَاكُمْ تم اسے اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس پڑھا
کرو تاکہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو۔ اس سورۃ میں ایمان کے تمام اصول بیان
کر دیے گئے ہیں۔

مسند بزار کے حوالے سے مفسرین کرام یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَوَدِدْتُ اَنَّهَا فِیْ كُلِّ
قَلْبِ اِنْسَانٍ مِّنْ اُمَّتِیْ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت
کے ہر شخص کے دل میں ہو، یعنی ہر شخص کو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے
صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔ کہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ سورۃ یٰسین پڑھنے سے
اللہ تعالیٰ آمد سختی کو دور کر دیتے ہیں، اور موت کے وقت یہ سورۃ پڑھنے سے
روح آسانی سے نکلتی ہے، اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ مفسر حقانی یہ بھی لکھتے
ہیں کہ زندگی کی ہر حالت یعنی عام ہر موقع پر اس سورۃ کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے

حروف مقطعات

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے، مفسرین کرام نے ان حروف
کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض لوگ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پر مشتمل قرار
کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر کسی شخص کا نام یٰسین نہیں

---

۱ مسند احمد ص عمل الیوم واللیل ص ۲ قرطبی ج ۱۵ وخازن ج ۶ وجمل ج ۵ ۳۲
۳ درمنثور ج ۵ ۲۵۶ وابن کثیر ج ۳ ۵۶۳ ۴ حقانی ج ۲۳ ۱۱۹
۵ حقانی ص ۱۱۹ ۶ طبری ج ۲۲ ۱۴۱ وابن کثیر ج ۳ ۵۶۳ وزاد المسیر ج ۳ (باقی)

رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مختصہ میں سے ہے جیسے اسماء کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا ہے ہی دیگر اسماء رحمان، خالق اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً رحیم، کریم، مالک، عالم، رؤف وغیرہ۔ اور اگر یہ بھی کہ اللہ کے اسمائے مختصہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جب اس نام کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہوگا۔ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی نسبت انسان کی حالت کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہوگا۔ جب صفت رأفت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا، تو معنی یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔ اور جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ تو دل پر رأفت سے مراد درد دل اور شفقت ہوگا جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر ایسا شخص ضرورت مند کی حاجت روائی بھی کرتا ہے۔ دل میں درد پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں[1] کہ یٰسین سورۃ[2] کا نام ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح طٰہٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ بعض[3] یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ یا اور سین دو حروف کا مرکب ہے

---

[1] روح البیان ص ۲۱۲ ج ۸ وکشاف ص ۳۰۴ ج ۳ وزاد المسیر ص ۳۰۴ ج ۶ وصفوۃ التفاسیر ص ۸۰۴ ج ۲
[2] زاد المسیر ص ۳۰۴ ج ۶ وفتح القدیر ص ۲۵۰ ج ۴ ومدارک ص ۳۰۴ ج ۳ والاتقان ص ۳۰۴ ج ۲ والبحر المحیط ص ۲۲۳ ج ۷
[3] خازن ص ۳۰۴ ج ۵ وتفسیر المراغی ص ۱۲۵ ج ۲۳ والبحر المحیط ص ۲۲۳ ج ۷ ومعالم التنزیل ص ۳۰۴ ج ۵ (بقیہ ص)

وراء کا معنی ہے ۔ اہل عرب کے مشہور قبیلہ بنی طی کے ہاں اس لفظ کا یہی معنی لیا جاتا ہے ۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی حبشہ کی زبان میں لیا جاتا ہے ، گویا یہ انہی سے خطاب کیا گیا ہے ۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ کا اشارہ یوم میثاق یعنی اس دن کی طرف ہے جب اللہ نے بنی آدم کی تمام ارواح سے عہد لیا تھا فرماتے ہیں کہ س کا اشارہ راز کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب بندوں کا راز ۔

بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ یٰسٓ حضور علیہ السلام کی طرف خطاب ہے ، اور معنی یہ ہے یا سید البشر یعنی اے بنی نوع انسان کے سردار ۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا اَنَا سَیِّدُ الْبَشَرِ ۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنی میں تمام بنی انسانی کا سردار ہوں ، فرمایا یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو حقیقت ہے ، اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اس منصب پر فائز فرمایا ہے ، قیامت والے دن جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے تو حضور علیہ السلام کی قیادت عامہ کا ظہور اس وقت ہوگا اور ساری مخلوق جان لے گی کہ آپ واقعی سید البشر سید الثقلین اور سید ولد آدم ہیں ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یٰسٓ کے نیوں حروف ہجی اسی سورت میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہوئی ہیں اور اس سے مراد ایک خاص قسم کا علم ہے جو کائنات میں سرایت کیے ہوئے ہے ، اس علم کا منبع قرآن پاک اور اس سورۃ مبارکہ کے ذریعے ہو رہا ہے اور اسی ذریعے کائنات کی ہدایت اور رہنمائی کا یہ کام ہو رہا ہے ۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کا آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے

---

۱ تفسیر الثعالبی ج ۳ ص ۲۵۱ و در منثور ج ۵ ص ۲ ۔

۲ خازن ج ۵ ص ۱۰۱ و نظری ص ۸۱۲ و اتقان ص ۳۰ و فتح القدیر ص ۳۶۰ ج ۴

یٰسٓ ۝ اور اس کے معانی کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ جیسے جلالین[1] وغیرہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ سلامتی والا یہی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔ اس سے جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے لہٰذا ان حروف کے معانی میں زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔

قرآن پاک کی حقانیت

سورۃ ہذا کا مضمون قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے شروع کیا گیا ہے آگے رسالت کے بیان میں تاریخ رسالت کے کئی واقعات آئیں گے اور ساتھ ساتھ محاسبہ اعمال کا ذکر ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ قسم ہے حکمت والے قرآن کی، یعنی قرآن پاک کا پروگرام قطعی اور یقینی ہے اور اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خلاف واقعات ہے۔ یہ حکیم ہے کہ اس کی ہر بات مبنی بر حکمت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو خدائی کے ذریعے نازل ہوا اور یہ کلام انسانی ذرائع علم سے بلند تر ہے حکیم سے مراد مستحکم بھی ہو سکتا ہے یعنی قسم ہے مستحکم اور پکے قرآن پاک کی۔ اس کی ہر بات پختہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ جس میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں کیا جا سکتا۔

تصدیق رسالت

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول کی رسالت کی تصدیق کی ہے اور اس کے بعد پھر قرآن پاک کے نزول اور مقصد نزول کا ذکر ہوگا ارشاد ہوتا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ بے شک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس سلسلہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا

---

[1] جلالین ہے (فیاض)

انکار کرتے تھے۔ چونکہ مشرک لوگ انکارِ رسالت میں شدید تھے تو اللہ نے یہاں پر تصدیقِ رسالت بھی اسی تندو تیز طریقے سے قسم اٹھا کر کی یعنی قسم ہے حکمت والے باستحکام قرآن کی کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اور سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں اسید ولد آدم ہیں۔ ان کے کامل ہیں اور تمام انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ آپ اللہ کے قائم کردہ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ اسی شاہراہ پر چل رہے ہیں جو جنت القدس اور اللہ کی رحمت کے مقام تک جاتی ہے۔ آپ کا قول، فعل اور عقیدہ سب کچھ صحیح ہے۔ آپ بالکل صراطِ مستقیم پر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ آپ تو بلاشبہ صراطِ مستقیم پر ہیں

اور ساتھ ساتھ فرمایا کہ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوریٰ) اور دوسروں کو بھی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

مقصدِ نزولِ قرآن

اللہ نے ابتدائی آیت میں جس قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر حضور علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی تھی، اس قرآن کے متعلق فرمایا تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ، یہ غالب اور ذی رحمت خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر اس کی مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو انسان ہدایت کلی سے محروم رہتے۔ اللہ نے یہ قرآن نازل فرما کر بڑا احسان فرمایا۔ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں نزولِ قرآن کی غایت یہ بیان کی گئی ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (آیت ۱) تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ لوگ اخلاقی، روحانی، مادی غرضیکہ ہر قسم کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں گمراہی کے اندھیرے ہیں تو کہیں لہو و لعب کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں لوگوں نے اس وقت مادیت کا کلہ و خام سونگ رکھا ہے، مرنے کے بعد یہ نشہ اتر جائے گا تو پتہ چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے [illegible]

قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا، اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کہ اس قوم میں قریباً دو ہزار سال تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل میں تو پے در پے نبی آتے رہے مگر بنی اسماعیل میں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ بنی اسماعیل کے ہزاروں خاندان اور آگے ہزارہا شاخیں تھیں۔ یہ وسیع سلسلہ نسب ہے، جو عرب میں اور عرب سے باہر خراسان کے پرے کناروں تک پھیلا ہوا تھا، مگر قریب زمانے میں ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے آخری نبی! آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس، یا قریب میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ساتھ یہ بھی فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ کہ ان میں سے اکثر پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ آپ کی تمام تر سعی کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کی اکثریت کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیگی۔ چنانچہ ان کے خلاف بڑی جنگیں لڑی گئیں، ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر یہ لوگ نابود تو ہو گئے مگر ایمان نہیں لائے۔ اب اگلی آیات میں اللہ نے ہدایت اور گمراہی کی حکمت اور فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ
فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ
سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ
لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ
الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ
شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

ع ۱ ۱۲ ۱۸

ترجمہ:- بے شک ہم نے کر دیئے ہیں ان کی گردنوں
میں طوق، پس وہ ٹھوڑیوں تک (اٹھے ہوئے ہیں)
پس ان کے سر اوپر کو اٹھ گئے ہیں ﴿۸﴾ اور بنائی
ہے ہم نے ان کے سامنے رکاوٹ اور ان کے پیچھے
بھی رکاوٹ۔ پس ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے،
اوپر سے، پس وہ نہیں دیکھتے ﴿۹﴾ اور برابر ہے ان پر
کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان قبول
نہیں کریں گے ﴿۱۰﴾ بے شک آپ اس کو ڈرا سکتے
ہیں جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان

سے بغیر دیکھے۔ پس آپ خوشخبری دے دیں اس کو بخشش اور عزت والے اجر کی ⑪ بیشک ہم زندہ کرتے ہیں مُردوں کو اور لکھتے ہیں وہ جو آگے بھیجا اور ان کے نشانات بھی۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک کھلی کتاب میں ⑫

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا اور پھر ساتھ نبوت و رسالت کی تصدیق کی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن حکیم کے نزول کی غایت یہ بیان کی تاکہ آپ اپنے اولین مخاطبین مشرکین مکہ کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کے پاس قریبی زمانہ میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ مگر ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کی تمام تر سعی کے باوجود ان لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم رہے گی۔

گلے کے طوق

اب آج کی آیات میں ایمان نہ لانے والوں کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور غرور و تکبر کرنے والوں کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ہم نے رد کرنے والوں کے گلے میں طوق ڈال دیے ہیں۔ فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ اور یہ ان کی ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ان کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں۔

ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ہر نا سزا کی علامت ہے یعنی یہ شخص مجرم ہے جس کو سزا دی جا رہی ہے اور یہاں جس طوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ جب گلے میں پہنایا گیا ہے تو ٹھوڑی تک پھر گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا سر اگلی طرف سے اوپر کو اٹھ گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خواب میں ہتھکڑی یا بیڑی پہننا اچھائی کی علامت ہے اور اس

کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔ البتہ اگر خواب میں کوئی دیکھے کہ اس نے گلے میں طوق پہن رکھا ہے تو یہ سخت ذلت کی نشانی ہے۔

آگے پیچھے دیواریں

ایمان سے محروم رہنے والے لوگوں کی دوسری بھی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ان کے پیچھے بھی ایسی ہی رکاوٹ ہے فَأَغْشَيْنَاهُمْ ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے۔ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ اب وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اوپر سے بھی کوئی غیبہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے تو اسے کسی طرف سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے نافرمانوں اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں یا تو انہیں کہیں سے بھی راستہ نظر نہیں آتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصود تک پہنچ سکیں اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ آپ کی طرف سے ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے گلے میں غلط نظریات اور باطل رسوم کے طوق پڑے ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات نے ان کو اگلی طرف سے روک رکھا ہے اور پیچھے سے دنیا طلبی و عشرت کی رکاوٹ ہے، لہٰذا انہیں اصل منزل کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ کا فلسفہ

امام شاہ ولی محدث دہلوی کی اصطلاح میں یہ لوگ حجاب طبع اور حجاب رسم میں مبتلا ہیں۔ حجاب طبع سے مراد مادی ضروریات کا حجاب ہے کہ یہ لوگ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی رہائش، اچھی سواری کی فکر میں ہی مبتلا رہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے بقول یہ لوگ مادیت کے گارے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سامنے خواہشات کی دیوار ہے اور پیچھے مادیت کا گارا ہے۔ جب انسان مادیت کے خول سے باہر نکلتا ہے

تو رسوم کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جسے حجاب رسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے خاندان، برادری، علاقائی اور ملکی رسم و رواج کی طرف دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں تاکہ وہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے چنانچہ جس طرح دوسرے لوگ شان و شوکت کے اظہار والے مکان بناتے ہیں۔ وہ بھی بنانے لگتا ہے۔ جس طرح کی دھوم دھام سے وہ شادیاں کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کی نقالی کرتا ہے۔ جس طرح وہ عرس مناتے، قوالی کراتے، قبروں کو پختہ بناتے، اوپر غلاف چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کرنے لگتا ہے۔ موت کی رسوم میں بھی یہ شخص اپنی قوم اور برادری کے نقش قدم پر چلتا ہوا حیثیت سے بڑھ کر کام کرتا ہے، امیر لوگ تو اپنی دولت کے بل بوتے پر پیدائش، شادی اور اموات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر ایک غریب آدمی بھی ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ یہ حجاب طبع اور حجاب رسم کا طوق ہے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا سر اوپر کو اٹھا ہوا ہے، آگے اور پیچھے نفسانی خواہشات اور مادی عیش و عشرت کی دیواریں کھڑی ہیں جو اسے حقیقت ایمان سے واقف نہیں ہونے دیتیں ——— نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی انہی چکروں میں ختم ہو جاتی ہے مگر اسے توحید خالص سے شناسائی نہیں ہوتی۔

کیفیت اور اس کا جواب

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کسی انسان کے گلے میں طوق ڈال دیا ہے، اس کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اوپر سے بھی ڈھانپ دیا ہے تو پھر اس سے صراط مستقیم پر چلنے کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اور اسے مکلف کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ہی کسی شخص کے راستے میں مذکورہ رکاوٹیں کھڑی نہیں کر دیتا بلکہ پہلے ہدایت کے مجلہ اسباب مہیا کر کے اور ہدایت اور گمراہی کے اصول واضح کر کے اسے اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں[1] کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے تمام

[1] بیضاوی ج (فیاض)

اسباب مہیا کر دیئے ہیں جن میں سے اولین سبب عقل ہے جو ہر کامل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا کہ میں تیری وجہ سے ہی مواخذہ کروں گا اور تیری وجہ سے ہی گرفت کروں گا۔ عقل بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان غور و فکر کر کے اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی و بدی کی پہچان کرتا ہے جس بلوغت کو پہنچنے پر انسان کی عقل بھی کامل ہو جاتی ہے لہٰذا اس وقت وہ مکلف بن جاتا ہے اور اپنے عقیدہ و عمل کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس پر قانون کی پابندی لازم ہو جاتی ہے اور خلاف ورزی پر مواخذہ ہوتا ہے۔

عقل کے بعد ہدایت کے دوسرے اسباب میں عقل کے خدام یعنی حواس، بصارت، سماعت، شامہ، ذائقہ وغیرہ حواس ہیں جو جملہ معلومات جمع کر کے عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر عقل ان کے ذریعہ فیصلہ کرتی ہے کہ کس چیز کو اختیار کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے۔ اسی طرح جو حس باطن بھی اسباب ہدایت میں سے ہیں۔ اللہ نے انسان کو قوت واہمہ، حافظہ، حس مشترک، قوت متفکرہ وغیرہا عطا کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی اور صحت عطا فرمائی ہے۔ اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کی ہیں۔ مگر ہدایت کے سامان مہیا کرنے کے بعد فرمایا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹)

جس کا جی چاہے ایمان قبول کرلے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے اختیار سلب نہیں کر لیا بلکہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس - ۸) جو شر کرنا چاہتا ہے اسے شر کی توفیق دے دیتا ہے پھر جب کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے کفر، شرک اور معاصی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اسے جہنم تک پہنچا دیتا ہے جو کہ بہت بڑا ٹھکانا ہے۔ اس

لہ مشکوٰۃ ص ۲۲ بحوالہ بیہقی شعب الایمان (ریاض)

لیے، ایمان کو اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے اضطراری حالت میں ایمان کی تصدیق کر دی تو وہ معتبر نہیں ہوگی، بلکہ ایمان کی تصدیق وہ قابل قبول ہوگی جو ارادے اور اختیار سے کی جائے گی۔ ان تمام تر اسباب ہدایت کے باوجود جب کوئی شخص اپنے اختیار سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق ڈال دیتا ہے، آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، اور اوپر سے بھی ڈھانپ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر بھٹکتا پھرتا ہے اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

صراطِ مستقیم

سیدھا راستہ تو ان لوگوں کو نظر آئے گا جن میں طلب ہوگی اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹) جو ہمارے راستے کی تلاش میں محنت کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح کر دیتے ہیں۔ اور یہ راستہ اسی صورت میں ملے گا کہ سابقہ شرک اور معاصی کو ترک کر دے۔ اپنے سابقہ گناہوں پر تائب ہو جائے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر عقل، حواس، کتابیں اور منذر سب کارگر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی توفیق عطا کر دے گا۔ یہی لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ آپ کا ڈرانا ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں۔ جو شخص نصیحت کو اچھا ہی نہیں سمجھتا اس کے لیے نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی اور پھر نصیحت اس شخص کے لیے بھی کارآمد ہوگی وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ جو خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ جنت دوزخ کو دیکھا ہے، نہ فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے اپنے انبیاء کو دیکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تو ہے۔ ہمارا اس پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ہمارا محاسبہ بھی کرے گا۔ ایسے ہی شخص کے لیے آپ کی نصیحت مفید ہوگی فرمایا فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ

لیے شخص کے لیے بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی کوتاہیاں معاف فرما دے گا۔ اور ساتھ عزت والا بدلہ بھی عطا فرمائیگا۔ اور وہ بندہ کامیاب ہو جائے گا۔

جزائے عمل کی ضرورت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے تاکہ ان کا حساب کتاب لے کر جزائے عمل کا فیصلہ کر سکیں۔ اور اس کام کیلئے وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے اس زندگی کے دوران اگلی زندگی کے لیے آگے بھیجا۔ وَ اٰثَارَهُمْ اور ان کے نشانات بھی لکھتے ہیں تاکہ حساب کتاب کے وقت ہم ان کو ان کا سارا اعمال نامہ دکھا سکیں۔ اگرچہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے اور وہ ازل سے لے کر ابد تک کی چیزوں کو بغیر لکھے بھی جانتا ہے مگر اس نے لکھنے کا ایک ضابطہ مقرر کر دیا ہے جن کو دیکھ کر انسان اپنے کردہ اعمال کو پہچان لیں گے۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے کراماً کاتبین اور حفاظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہر انسان کے ہر عمل کو محفوظ کر رہے ہیں اور اپنے رجسٹروں میں درج کر رہے ہیں۔

آثار کی تعریف

آگے پیچھے جانے والے تو وہ نیک یا بد اعمال ہیں جو انسان دنیا میں کماتے ہیں اور آثار سے مراد وہ نشانات ہیں جو انسان اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں پیچھے رہ جانے والوں میں آثار اطاعت بھی ہیں اور آثار معصیت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص دنیا میں کوئی اچھی چیز چھوڑ جاتا ہے اس کا اجر اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی بُری رسم چھوڑ جاتا ہے تو اس پر عمل کرنے والوں کا ایک ایک گناہ اس شخص کو بھی ملتا رہتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا

(فیاض)

ہے۔ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہتا ہے۔ فرمایا ایک صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی رفاہ عامہ کا کوئی کام کر گیا ہے کوئی مسجد یا مدرسہ یا سرائے بنوا گیا ہے یا کنواں لگوا گیا ہے تو اس کا ثواب اسے پہنچتا رہے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے۔ تقریر و تحریر کی صورت میں علم چھوڑ گیا ہے، قرآن و سنت کی ترویج ہے یا احکام دین کی تشریحات ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا ثواب جاری رہے گا، کتابوں کی بھی یہی حیثیت ہے گا۔ فرمایا تیسری چیز نیک اولاد ہے۔ جو مرنے والے کے لیے بخشش کی دعائیں کرتی ہے۔ یہ چیزیں آثار میں داخل ہیں جن کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے، مسجد کے قریب کچھ مکانات خالی ہوئے تو ان لوگوں نے وہاں منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ مسجد سے قریب ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر وہیں ٹھہرے رہو کیونکہ تم جتنے قدم چل کر مسجد میں آتے ہو وہ لکھے جا رہے ہیں۔ جب تک دور سے آتے رہو گے تو زیادہ قدم لکھے جاتے رہیں گے، لہٰذا تمہارا فائدہ دور رہنے میں ہی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ تم اپنے محلے میں ٹکے رہو کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں غرضیکہ قدموں کے نشانات کو بھی حضور علیہ السلام نے آثار میں شمار کیا ہے، کسی بھی نیک کام کے لیے انسان چل کر جاتے تو اس کے ہر قدم کا حساب رکھا جاتا ہے اور اسے اجر ملتا ہے۔

فرمایا وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ہم نے

(فیاض)

۱؎ منظری ص ۸۲

انسان کی ہر چیز کو کتاب میں شمار کر رکھا ہے جو کہ اللہ کے علم کا نمونہ لوح محفوظ ہے۔ یہ سارا اعمال نامہ قیامت کے دن پیش کیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ
وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ:- اور بیان کریں آپ ان کے سامنے مثال بستی
والوں کی جب کہ آئے ان کے پاس بھیجے ہوئے ﴿۱۳﴾
جب کہ ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو، پھر ان
دونوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے قوت دی
ایک تیسرے کے ساتھ تو انہوں نے کہا بیشک
ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ﴿۱۴﴾ کہا ان لوگوں

نے نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے، اور نہیں اتارا
خدائے رحمان نے کسی چیز کو، نہیں ہو تم مگر جھوٹ
بولتے (۱۵) کہا انہوں نے کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے
کہ بیشک ہم تمہاری طرف البتہ بھیجے ہوئے ہیں (۱۶)
اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر کھول کر پیغام
پہنچا دینا (۱۷) وہ کہنے لگے، بیشک ہم تمہاری
وجہ سے فالِ بد لیتے ہیں۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے
تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، اور
پہنچے گا تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب (۱۸)
کہا انہوں نے تمہارا شگون تمہارے ساتھ ہی ہے
اس وجہ سے کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے، نہیں
بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو (۱۹)

ربط آیات

سورۃ کی ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہوا، پھر رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان فرمائی، کہ اکثر لوگ حجاب طبع یا حجاب رسم میں مبتلا رہ کر ہی زندگی ختم کر لیتے ہیں اور عمر بھر نہ تو وہ ایمان کے معاملے میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اسے قبول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو زندہ کرنا ہمارا کام ہے، ہم مقررہ وقت پر انہیں دوبارہ زندہ کریں گے، ان کے تمام اعمال اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت ہمارے پاس لکھی ہوئی ہے جو انہیں نئی زندگی ملنے پر پیش کر دی جائے گی اور پھر اس اعمالنامے کی بنیاد پر ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

بستی میں مرسلین کی آمد

سورۃ ہذا کی آیت ۳ میں رسالت کا بیان گزر چکا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اب اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے ہیں۔ اب اسی رسالت ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اللہ نے ایک بستی کا ذکر کیا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا أَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کریں إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ جب کہ اس بستی میں اللہ کے بھیجے ہوئے آئے۔

مرسلین کی حیثیت کے بارے میں مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ تین شخص اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے۔ پہلے اللہ نے ان میں سے دو کو اس بستی میں بھیجا اور پھر ان دو کی تائید کے لیے تیسرے کو بھی بھیجا۔ مفسرینؒ ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم بیان کرتے ہیں۔ تاہم اکثر مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ تین اشخاص اللہ کے براہِ راست نبی نہیں تھے بلکہ بالواسطہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ان کے حواری تھے، جو تبلیغ دین کے لیے اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ مفسرین کا پہلا گروہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا ہے جب کہ دوسرا گروہ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ بتاتا ہے۔

یہاں پر قریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق چھوٹی بستیوں پر بھی ہوتا ہے اور بڑے شہروں پر بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس بستی کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس سے انطاکیہ کی بستی مراد ہے جو شام میں واقع ہے اور مشہور

۱؎ تفسیر طبری ص۱۵۶ ج۱۲ و البحر المحیط ص۳۳۶ ج۷

۲؎ قرطبی ص۱۴ ج۱۵ و معالم التنزیل ص۲۱ ج۴ و ابن کثیر ص۱۵۶ ج۳

۳؎ معالم التنزیل ص۲۱ ج۴ و ابن سعود ص۲۴۹ ج۴ و مدارک ص۲۰۴ ج۴ و طبری ص۱۵۲ ج۲۲

۴؎ بیضاوی ص۲۷۶ ج۲ و قرطبی ص۱۴ ج۱۵ و ابن سعود ص۲۴۹ ج۴ و کبیر ص۵۱ ج۲۶ و مدارک ص۲۰۴ ج۴ و طبری ص۱۵۵ ج۲۲ و خازن ص۲۰۲ ج۵

(باقی ص)

معروف بستی ہے۔ یہ بستی ابتداً سکندر اعظم کے زمانے میں آباد ہوئی تھی۔ اس زمانے میں شام اور مصر وغیرہ سلطنتِ روما میں شامل تھے اور یہاں پر اُن کے گورنر رہتے تھے۔ سکندر رومی کے بعد جب یہ بستی ویران ہو گئی تو پھر نوکس نامی گورنر بادشاہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ بہرحال اس بستی میں یعنی علیہ السلام کے فرستادہ تین مبلغین آئے۔ اُن کی تبلیغ سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے چنانچہ اسی ایک مومن شخص کا ذکر آگے آرہا ہے وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى (آیت ۲۰) اس شخص نے مرسلین کی تائید کی تھی جس کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اسے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

اہلِ بستی کی طرف سے تکذیب

بہرحال اس واقعہ کے متعلق فرمایا اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا جب کہ ہم نے بھیجا اُس بستی میں دو مرسلین کو تو اُس بستی والوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ پھر ہم نے تیسرے مرسل کو پہلے دو کی تائید کے لیے بھیجا۔ کسی کام کی تکمیل کے لیے تائید کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی غرض کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے بھی بارگاہِ رب العزت میں عرض کی تھی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا نائب بنا دے وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (طٰہٰ ۳۲) اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت و رسالت عطا کی اور موسیٰ علیہ السلام کا معاون بنا دیا۔ بہرحال اللہ کے مرسلین یعنی اس کے فرستادہ انطاکیہ کی بستی میں پہنچے فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ کہنے لگے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور تمہیں اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں اہلِ بستی نے کہا قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے۔ ہم تمہیں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے دیکھیں جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ انبیاء کی بشریت قبولِ حق میں ہمیشہ سے مانع رہی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

(آیت ۹۴) جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کے نبی ہدایت لے کر آئے تو انہوں نے یہی کہہ کر انکار کر دیا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ وہ یہ بھی کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان ۷) کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نبی تو کوئی برتر مخلوق میں سے ہونا چاہیئے تھا جو نہ کھانا کھاتا نہ پیتا اور نہ بازار میں سودا سلف خریدتا۔

منکرین رسالت کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیئے، اور دوسرا یہ کہ اگر انسانوں میں سے اللہ نے رسول مقرر کرنا ہے تو پھر کسی بڑے آدمی کو بنایا ہوتا۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اس نادار آدمی کو نبی کیسے مان لیں جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ کوٹھی اور بنگلہ، نہ لوکر چاکر اور نہ فوج اور پولیس، نہ زمین نہ باغات۔ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ منصب نبوت و رسالت کے لیے کیا ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا کہ ہم پاگل ہیں جو ایک انسان کا اتباع کریں؟ یہ شخص ہمارا جانا پہچانا ہے اور ہمارا ہادی ہے، بھلا اس میں نبوت والی کون سی خصوصیت ہے جو اسے نبی تسلیم کر لیں؟

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لیے نبوت کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ حجاب بشریت مانع رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں میں جو صلاحیت، استعداد، کمال اور نیکی و ولایت کی تھی، مشرک لوگ اس کو نہ پہچان سکے لہٰذا انکار کر دیا۔ شرف نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کروڑوں انسانوں میں سے کسی کو عطا کرتا ہے۔ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ بلند ترین ہستی ہوتی ہے۔ نبوت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہے۔

لہ العون الکبیر ص ۱۱ (فیاض)

بہرحال بستی والوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور کہنے لگے وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی تمہارا دعویٰ غلط ہے کہ خدا نے تم پر وحی نازل کی ہے اور اس نے اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ تم ہو ہی جھوٹ بولتے

مرسلین کا کلام

اس کے جواب میں خلیل علیہ السلام کے حواریوں یا اللہ کے نبیوں نے کہا قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس معاملہ میں اللہ کی گواہی پیش کی کہ ہم فرستادہ ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ جس قدر شدت سے وہ لوگ انکار نبوت کرتے تھے اتنی ہی شدت سے مرسلین نے جواب بھی دیا کہ ہم ضرور تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اور ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس دعوت کو قبول کرتے ہو یا نہیں۔ کسی کو پکڑ کر زبردستی ایمان میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو صرف پیغام الٰہی پہنچاتے ہیں يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف ۔ ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت برحق ہے نبوت و رسالت درست ہے ایمان لانا ذریعہ نجات ہے۔ نیکی کرنے پر انسان کو درجات ملتے ہیں اور تکذیب پر سزا ملتی ہے۔ غرضیکہ ہمارا کام تو خدا کا پیغام کھول کر سنا دینا ہے، آگے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہاری مرضی ہے

بستی والوں کا برا شگون

آگے سے لوگوں نے جواب دیا۔ قَالُوْا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ کہنے لگے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اور تمہاری وجہ سے برا شگون لیتے ہیں تم جب سے ہماری بستی میں آئے ہو بارش رک گئی ہے اور قحط پڑ گیا ہے۔ نیز گھر گھر میں تم نے اختلافات ڈال دیئے ہیں۔ اور لڑائی جھگڑا شروع ہو گئی ہے۔ اناج اور پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے، تم بڑے منحوس آئے ہو۔

اصل میں تطیر کا معنیٰ پرندے کو اڑا کر اس سے شگون لینا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ دستور عام تھا کہ جب کسی اہم کام کے ارادے سے نکلتا ہوتا تو کسی پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں طرف کو اڑتا تو جان لیتے کہ ان کا یہ سفر مبارک ہے اور جس کام کے لیے جا رہے ہیں وہ ہو جائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر پرندہ اڑ کر بائیں طرف کو جاتا تو سمجھتے کہ حالات ان کے حق میں نہیں، لہٰذا وہ اس کام کا ارادہ ترک کر دیتے۔

ہندوؤں میں بھی اس قسم کا زعم پایا جاتا ہے۔ صبح صبح گھر سے باہر کسی کام کے لیے نکلے، اگر کالا کتا سامنے آ گیا یا کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو اس سے برا شگون لیا کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ اگر کہیں کوا یا الو بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی اور بربادی پر محمول کیا۔ اگر گھر سے نکلتے وقت عورت سامنے آ گئی تو اسے بھی کام کی تکمیل میں منحوس تصور کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے ایسے شگون کے متعلق فرمایا اَلطِّیَرَۃُ مِنَ الشِّرْکِ کہ شگون لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ وَلَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ اے پروردگار! خیر تیری ہی خیر ہے اور شگون تیرا ہی شگون ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس قسم کا شگون شیطانی وہم ہوتا ہے اور اہل ایمان کو دل میں ایسا خیال نہیں لانا چاہیئے۔ ہر چیز کا اختیار اللہ کے پاس ہے، اور شگون والا خیال باطل ہے۔

فال بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ کوئی قرآن سے فال نکالتا ہے، اور کوئی دیوان حافظ سے، کوئی ہیر رانجھے کی کتاب کو فال کے لیے استعمال کرتا ہے حالانکہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فال کے بارے میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ اگر کوئی اچھا لفظ سن کر دل خوش ہو جائے تو اتنا درست ہے باقی سب شرک ہے۔ بہرحال بستی والوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں ایسے

---

۱ ۲

۳ ۴

نحوس آنے ہو کر ہم طرح طرح کے مصائب میں پھنس گئے ہیں۔

اہل بستی کی دھمکی

پھر انہوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اپنی طرف سے تمہیں سخت دردناک سزا دیں گے۔ رجم واقعی سخت ترین اور عبرتناک سزا ہے، جو اللہ نے محض زانی اور زانیہ کے لیے مقرر کی ہے۔ حضرت علیہ السلام کے زمانہ میں بعض واقعات میں مجرموں کو یہ سزا دی گئی اور انہیں سرِعام سنگسار کیا گیا۔ بعض سابقہ نافرمان قوموں کو بھی سنگباری کی سزا دی گئی، چنانچہ لوط علیہ السلام کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا ہے مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ھود-۸۳) ہر پتھر پر اللہ نے نام لکھ دیا تھا کہ فلاں کے سر پر گرے گا اور یہ فلاں ناہنجار کا ہیڑا غرق کرے گا۔ بہرحال اہل بستی نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے بڑا شگون لیتے ہیں اور اگر تم اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

مرسلین کا جواب

اس پر مرسلین نے یہ جواب دیا قَالُوْا طٰٓئِرُكُمْ مَّعَكُمْ کہنے لگے تمہارا شگون اور نحوست تمہارے ہی سر پر ہے۔ تمہارے اعمالِ بد کی وجہ سے ہی تم پر نحوست چھائی ہوئی ہے اور تم قحط اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو۔ یہ نحوست ہماری پیغام رسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے کفر و شرک کا نتیجہ ہے۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ کیا یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں، کیا ہم اپنا فرض منصبی ترک کر دیں؟ نہیں بلکہ نحوست تو تمہاری سابقہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ حد سے بڑھنے والے تم ہی لوگ ہو۔ تمہارا قول، فعل، اخلاق، عقیدہ سب کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے اللہ کے نبیوں یعنی علیہ السلام کے مبلغین کے ساتھ بڑی سختی کی۔ آگے اس مردِ مومن کا ذکر بھی آرہا ہے جو مرسلین کی حمایت میں کیا خاموش رہے کی جان تو نہ لے سکی مگر اللہ نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ
يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا
يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِيَ
لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾
ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ
بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّيْٓ
اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ قِيْلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٢﴾

ع ٢

اور جب وہ اور آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک
شخص دوڑتا ہوا کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو!
پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی (۲۰) پیروی کرو ان کی جو نہیں
مانگتے تم سے بدلہ اور وہ ہدایت کے راستہ پر
ہیں (۲۱) اور کیا ہے مجھے کہ میں نہ عبادت کروں اس
ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف
تم پھیرے جاؤ گے (۲۲) کیا ٹھہراؤں میں اس کے سوا
دوسروں کو معبود؟ اگر خدائے رحمان چاہے نقصان پہنچانا
تو ان کی سفارش مجھے کچھ کام نہیں آسکتی اور نہ وہ چھڑا
سکتے ہیں (۲۳) اس وقت تو میں البتہ گمراہی میں ہوں
صاف (۲۴) تحقیق میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار
پر پس سنو (۲۵) کہا گیا اس شخص سے کہ داخل ہو جا
جنت میں، اس نے کہا، کاش میری قوم کے لوگ
جانتے (۲۶) اس چیز کو کہ بخشا ہے مجھے میرے پروردگار
نے، اور بنایا ہے مجھے عزت والوں میں سے (۲۷)
اور نہیں اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی
لشکر آسمان سے اور نہ ہی تھے ہم اتارنے والے (۲۸)
اور نہیں تھی سزا مگر ایک چیخ، پس اچانک وہ سب
بجھے ہوئے ہو گئے (۲۹) افسوس ہے بندوں پر، نہیں

آج ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹا کرتے
ہیں ﴿۳۰﴾ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے ان سے پہلے
کتنی جماعتیں ہلاک کر دی تھیں۔ بیشک وہ ان کی طرف لوٹ
کر نہیں آئیں گے ﴿۳۱﴾ اور نہیں ہے کوئی مگر تمام کے
تمام ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے ﴿۳۲﴾

مکی سورتوں کے چار بنیادی مضامین میں سے اس رکوع میں رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ گزشتہ درس میں اصحاب الایکہ کی بستی کا ذکر ہوا کہ اس میں اللہ کے بھیجے ہوئے نبی یا پہلے علیہ السلام کے فرستادہ مبلغین دین اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تو اہل بستی نے ان کی تکذیب کی، بدسلوکی کرنے اور ایذا پہنچانے کے علاوہ ان کو طعن بھی کیا کہ تمہاری آمد کی وجہ سے ہم پر نحوست چھا گئی ہے، ہمارے علاقے میں خشک سالی پیدا ہو گئی ہے اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ یہ ادبار کی ہماری وجہ سے نہیں ہے بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہو۔ جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے

ایک مؤمن کا ظہور اور ان کے قتل کے منصوبے

ترسیلین نے اپنی تبلیغ جاری رکھی جس کی وجہ سے اہل بستی مشتعل ہو گئے اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ شہر کی دوسری طرف ایک اہل ایمان آدمی رہتا ہے جس کا نام حبیب کا رتھا۔ تفسیری[1] اور تاریخی روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو یہ شخص بہت تراش تھا۔ پھر اس نے مرسلین کی کرامت دیکھی تو اللہ نے اسے ایمان لانے کی توفیق دے دی اور وہ ایمان لے آیا۔ جب اہل بستی مرسلین کو ایذا پہنچاتے تو اس شخص کو بڑی کوفت ہوتی۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ لوگ ان مبلغین یا رسولوں کو قتل کرنے کے درپے ہیں تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اس معاملہ میں اپنا فرض ادا

---

[1] تفسیر طبری ص ۱۲۴ ج ۲۲ و قرطبی ص ۱۵۲ ج ۱۵ (فیاض)

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہنے لگا قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اے میری قوم کے لوگو! ان فرستادہ شخصیات کی پیروی کرو۔ یہ تمہیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لانا چاہتے ہیں، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کر رہے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ۔ اس شخص نے یہ بھی کہا اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا تم ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ وہ تمہاری خیر خواہی میں مخلص ہیں۔ وہ تمہاری بے لوث خدمت کر رہے ہیں، لہٰذا اُن کی بات مان لو کیونکہ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں بھی ہدایت کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔

توحید پر استقامت

پھر اس شخص نے توحید پر اپنی استقامت کا اس طرح اظہار کیا۔ وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اللہ کیا ہے مجھے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہاں اُس مومن آدمی نے اللہ کی صفت فطور کا ذکر کیا ہے یعنی وہ اللہ جس نے مجھے ہستی بخشی ہے۔ میں ضرور اُسی کی عبادت کروں گا کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اپنے مخاطبین کو تنبیہ بھی کی وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ تم سب نے اُسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ مرنے کے بعد تم کو اُسی کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح میں خالص اُسی کی عبادت کرتا ہوں، اسی طرح تم بھی کفر اور شرک کو چھوڑ کر صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے بندے بن جاؤ۔

اس کے بعد اُس شخص نے شرک کی تردید اس انداز میں کی ءَاَتَّخِذُ

مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً کیا میں اس ایک خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لوں؟ ان معبودانِ باطلہ کی حالت تو یہ ہے اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ کہ اگر خدائے رحمان کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے لَا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا تو ان معبودوں کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یہ تو بے اختیار اور عاجز ہستیاں ہیں وَّلَا یُنْقِذُوْنِ اور نہ ہی یہ مجھے کسی مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تکلیف کو رد کر سکے۔ اگر میں ایسی ہستیوں کی عبادت کروں گا تو یہ کونسی عقلمندی کی بات ہوگی۔ ایسی صورت میں اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ بلاشبہ میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گا اس سے بڑھ کر کون سی گمراہی ہوگی کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتا پھرے، ان کی نذر و نیاز دے اور ان کی ایسی تعظیم کرے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے مختص ہے۔ غرضیکہ اس مردِ مومن نے عقلی دلائل سے لوگوں کو توحید کے اثبات اور شرک کے رد کی بات بتائی۔

پھر کہنے لگا اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں۔ پہلے اللہ کی صفت نظر کا ذکر کیا تھا۔ اب ربوبیت کی بات کی۔ گویا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانے والی ذات بھی وہی ہے۔ میں اسی خدائے ذوالجلال پر ایمان لایا ہوں جو ان صفات کا حامل ہے۔ فَاسْمَعُوْنِ تم بھی اس بات کو اچھی طرح سن لو۔ میں یہ بات چھپ کر نہیں کر رہا ہوں بلکہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں خود خدائے رحمان پر ایمان لا چکا ہوں اور تمہیں بھی یہی دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر ان مرسلین کے رب پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری نجات ہے۔

مومن آدمی کا قتل

وہ اشتہار قوم میں مردِ مومن کی نصیحت پر تو کیا عمل کرتی، وہ اس شخص کے بھی اسی طرح مخالف ہو گئے۔ جس طرح وہ مرسلین کے مخالف تھے بلکہ اس شخص کے ساتھ ان سے بھی زیادہ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرنے لگے

چنانچہ انہوں نے اس ایماندار شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ قوم نے اس شخص کو پوری طرح نیچے اس قدر روندا کہ اس بیچارے کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں اور وہ شہید ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب وہ ظالم اس اہل ایمان کو ایذائیں دے رہے تھے تو وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کرتا رہتا۔ یہ شخص بڑا ہی نیک اور عبادت گزار تھا کہتے ہیں کہ دن بھر جو کچھ کماتا کرتا شام کو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ایک حصہ ان بچوں کے حوالہ کرتا اور دوسرا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا۔

امت محمدیہ میں مسیلمہ جیسے بھی ہیں

مسیح علیہ السلام کی امت کے اس شخص کی استقامت ایمان کی مثالیں امت محمدیہ میں بھی ملتی ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے ساتھ لشکر کا بھی بہت سا آ گیا۔ اس دعوی نبوت کی گرفت میں کسی طرح دو ایماندار آدمی آ گئے، جن میں ایک کا نام حبیب ابن زید تھا۔ مسیلمہ کذاب نے اس سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ کذاب بھی اللہ کا رسول ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری یہ بات مجھے سنائی ہی نہیں دیتی مسیلمہ نے اس سے اپنے حق میں گواہی لینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی تو دیتا ہوں مگر دوسری بات میری سماعت میں ہی نہیں آتی۔ اس پر مسیلمہ سخت طیش میں آ گیا۔ اور اس نے اس مرد مومن کا ایک ایک عضو کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا مگر وہ شخص اپنے ایمان پر پکا رہا۔

اسی طرح طائف میں ثقیف کے سردار حضرت عروہ بن مسعودؓ ثقفی

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳

تہ ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۲۷ ج ۳

تہ طبری ص ۲۲۹ ج ۵ و ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ (باقی)

حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی شکل و شباہت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ جب یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے تو عرض کیا حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں جا کر ان کو تبلیغ اسلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں وہ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب میں سو رہا ہوتا ہوں تو کوئی آدمی مجھے جگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ بہرحال وہ صحابی آپ سے اجازت لے کر قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لات و منات و عزیٰ کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرو اللہ واحد لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اتنی بات تھی کہ قوم دشمن ہو گئی حتیٰ کہ جب آپ نماز کے لیے اذان دیتے وقت شہادت کے کلمات ادا کرتے تھے تو ایک بدبخت نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ بھی حبیب نجارؓ کے ساتھ ملتا جلتا واقعہ ہے۔

مومن آدمی کی حسرت

ان آیات میں اس سردار مومن کی ہلاکت کا ذکر تو نہیں کیا گیا بلکہ اس کی طرف سے قوم کو وعظ کرنے کے ذکر کے بعد فرمایا قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جنت کا داخلہ آخرت کے بعد ہی ممکن ہے جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں۔ قیامت کے بعد حشر و نشر اور حساب کتاب ہونے کے بعد تو جنت کا داخلہ بالکل قابل فہم ہے۔ البتہ مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخلہ بھی اس لحاظ سے قابل فہم ہے کہ انسان عالم برزخ میں تو پہنچ ہی جاتا ہے اور وہاں بھی ابتدائی سوال و جواب کے بعد اس کے لیے یا تو جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اسے راحت محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر وہ کفر و شرک یا معاصی کا مرتکب ہے تو اسے دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے تو بہرحال جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس بھی ہو سکتا ہے۔

۱۔ ابن کثیر ج ۴ ص ۵۲۸ (قیاض)

اس شخص کی موت کے بعد بھی اس حسرت تھی قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا بِمَا غَفَرَ لِيْ کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا ہے وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت تو انہی لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے جنت کا ٹکٹ دیدیا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ کہنے لگا، کاش میری قوم کے لوگوں کو میری کامیابی کا پتہ چلتا تو وہ ایسی ظالمانہ حرکتیں نہ کرتے اور کفر اور شرک کی بجائے توحید کو اختیار کر لیتے۔ الغرض، اس اللہ کے بندے نے ہر موقع پر اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار ہی کیا۔

ظالم قوم کی ہلاکت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ ہم نے اس ظالم قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا جو انہیں ہلاک کرتا وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اور نہ ہی ہم ایسا کرنا چاہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نافرمان قوم کی ہلاکت کے لیے کسی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کام کے لیے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک چیخ ہی کافی تھی جو ہم نے بھیج دی فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ پس اچانک وہ بجھنے والے ہو گئے یعنی وہ اسی طرح صفحہ ہستی سے نابود ہو گئے جس طرح دہکتے ہوئے کوئلوں پر پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا۔ جس نے شہر کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب اہل بستی کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے[1] فرمایا يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ بندوں کی حالت پر افسوس ہے مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہ جب بھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول آیا، انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ انہوں نے اللہ کے بھیجے

---

[1] ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ (فیاض)

کی دعوت پر نہ تو غور کیا اور نہ انہیں تسلیم کیا۔

اگلی آیت میں مخاطب نزول قرآن کے زمانے کے مشرکین کی طرف ہوتا ہے اور یہ بات ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بھی باعث عبرت ہے۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتوں کو ہلاک کیا اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ بے شک وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے وہ تباہ و برباد ہو گئے، اس دنیا سے ختم ہو گئے۔ اب وہ کہاں واپس آئیں۔ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ اور نہیں کوئی مگر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے، ہر شخص کو ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہاں سب کے متعلق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور مجرم بچ نہیں سکیں گے۔ یہ ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کرلو، ورنہ تمہارا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا
مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا
فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا
فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ
وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾
سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ
النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ
تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى
عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ
يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ
سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے
جسے ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس سے اناج،

پس اس سے وہ کھاتے ہیں (۳۳) اور بنائے ہم نے اس
میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے اور چلائے ہم نے
اس میں چشمے (۳۴) تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل سے اور
نہیں بنایا اسے ان کے ہاتھوں نے کیا پھر یہ لوگ شکر
ادا نہیں کرتے؟ (۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا
کیے جوڑے سب کے سب جن کو زمین اگاتی ہے اور
خود ان میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں
جانتے (۳۶) اور رات بھی ان کے لیے نشانی ہے ہم
کھینچ لیتے ہیں اس کو دن سے پس اچانک یہ اندھیرے
میں رہ جاتے ہیں (۳۷) اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر
کے لیے یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے
پروردگار کا (۳۸) اور چاند کہ ہم نے مقدر کیا ہے اس
کے مختلف منزلیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی
کی طرح ہو جاتا ہے (۳۹) نہ تو سورج چاند کو پا سکتا
ہے اور نہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے اور یہ
سب اپنے اپنے مدار کے اندر تیر رہے ہیں (۴۰)

ربط آیات

سابق کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کا حال بیان کیا کہ ان کے پاس تین رسول آئے تاکہ ان کو توحید کی دعوت دیں مگر ان بدبخت بستی والوں نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا۔ حتیٰ کہ ان بستی والوں نے ان رسولوں کے قتل کے درپے ہوئے ان مرسلین کی تائید میں شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور قوم کو کہا کہ ان رسولوں کی مخالفت کرتے ہوئے شرک سے تائب ہو جاؤ اور توحید خداوندی کو اختیار کرو۔ جس پر بستی والے اس مرد مومن کے بھی مخالف ہو گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوفناک چیخ کی صورت

میں عذاب آیا جس سے سارے بچے کھچے لوگ ہلاک ہو گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور توحید کا اثبات پیش کیا۔ حضرت علی کا بیان بھی ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ کا نبی آیا تو قوم نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مشرک لوگ نبی آخر الزمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی قوموں کو اسی جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ ان سب کو ایک دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے جب ان کے عقائد و اعمال کے متعلق حتمی فیصلے ہوں گے۔

زمین کی روئیدگی

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے وقوع قیامت اور توحید کا اثبات سمجھ میں آسکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی ایک نشانی کے ہے اَحْيَيْنٰهَا جس کو ہم نے زندہ کیا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا پھر اس سے اناج نکالا یعنی دانے پیدا کیے فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ پس یہ لوگ اسی اناج کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی روئیدگی کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کر ہم نے زمین کو روئیدگی بخشی اور پھر اس سے پھل پھول، اناج، سبزہ اور چارہ پیدا کیا۔

یہ آیت توحید خداوندی کی دلیل ہے کہ آسمان کی طرف سے جہاں اور جس قدر چاہے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہی آیت وقوع قیامت کی دلیل اس طرح بنتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت والے دن تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ بزرگان دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو تر و تازہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی سرمدانی کے ساتھ مردہ دلوں میں گرمی

دلوں کو نورِ ہدایت، ایمان اور توحید کی توفیق بخش کر اُن میں روحانی زندگی پیدا کرتا ہے جب اُس میں اطاعت کا بیج پڑتا ہے تو اسے روحانی غذا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اُس میں سے اناج اگایا۔ اس کے علاوہ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ہم نے اس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات لگائے۔ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ اور آبی ضرورت کے لیے زمین میں چشمے بھی جاری کر دیے۔ دریاؤں، نہروں اور چشموں کے پانی سے جانداروں کی پینے اور دھونے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہی پانی کھیتی باڑی کے کام آتا ہے جس سے تمام جانداروں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس طرح زمین میں پانی ملنے سے طرح طرح کی نباتات پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ذوق و شوق کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے والوں کے دلوں میں حکمت و دانائی کے چشمے جاری ہوتے ہیں اور انسانوں کے دلوں میں باغ و بہار پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا اناج اور نباتات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ تاکہ انسان اور جانور اُن کا پھل کھائیں جو کہ اُن کی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا فیضان ہے وگرنہ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ان لوگوں کے ہاتھوں نے کچھ بھی نہیں بنایا یہ خود سوچیں کہ کیا بارش برسانا، دریا، نہریں اور چشمے انہوں نے جاری کیے ہیں؟ کیا پھل، پھول، اناج اور سبزہ انہوں نے پیدا کیا ہے؟ کیا کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار ان کا کارنامہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ جب یہ بات ہے تو اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے؟ ان لوگوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اس کا شکر بھی ادا کرتے مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں، اور اکثر لوگ ان نعمتوں کا کفران ہی کرتے ہیں۔

جوڑوں کی پیدائش

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب، ان میں سے بعض جوڑے وہ ہیں مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ جنہیں زمین اُگاتی ہے زمین سے اگنے والی چیزوں میں اناج، پھل، پھول، درخت پودے اور دیگر نباتات ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کے جوڑے بنائے ہیں جن سے ان کی نسل آگے چلتی ہے ہر درخت، پودے اور بیج کے نر و مادہ ہوتے ہیں جو باہم مل کر جانداروں کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اور خود ان کی جانوں میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ کی مخلوق انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں وغیرہ سب کو اللہ نے جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے اور پھر نر و مادہ کے ملاپ سے ان کی نسل آگے چلائی ہے۔ اگر جوڑوں کی بجائے صرف نر یا صرف مادہ ہوتے تو بقائے نسل ممکن نہ ہوتی۔ اور فرمایا ہم نے ان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے۔ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی کہ یہ انسان جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی کتنی ہی مخلوق ہے جو زمین کی پشت پر ہمارے سامنے چلتی پھرتی ہے اور لاتعداد مخلوق ایسی بھی ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اُسے جانتے تک نہیں زمین کی تہوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں بسنے والے کتنے کیڑے مکوڑے ہیں جن کے نام تک سے ہم واقف نہیں۔ اللہ نے ان کو بھی جوڑوں کی شکل میں پیدا کر کے بقائے نسل کا انتظام کر دیا ہے تو فرمایا ہم نے زمین میں ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے۔

ان معروف جوڑوں کے علاوہ بعض غیر مرئی جوڑے بھی اللہ نے بنائے ہیں نیکی اور بدی، معروف اور منکر، اندھیرا اور اجالا سب جوڑے ہی تو ہیں۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی کی پہچان بدی سے اور روشنی کی پہچان اندھیرے کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس طرح اللہ نے ان سب چیزوں کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ وہ ذات خداوندی ہر عیب، نقص اور شرک سے پاک ہے سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الطور - ۴۳) اللہ تعالیٰ ہر کمزوری

سے منزہ ہے، وہ ذات ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔

رات دن کا تغیر و تبدل

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ رات بھی ان لوگوں کے لیے بطور ایک نشانِ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جب انسان دن بھر کی مشقت سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں تاکہ وہ اس دوران میں آرام کر کے اپنی تحلیل شدہ قوٰی بحال کر سکیں۔ چنانچہ جب لوگ آرام کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ تو ہم اس رات کو دن سے کھینچ لیتے ہیں۔ جب دن کے بعد رات چھا جاتی ہے فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ تو اچانک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام خاص تناسب کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (آیت - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے دونوں اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی دن کے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ تو رات کو معافی مانگ لیتے ہیں، اور اگر رات میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی دن کے وقت کر لیتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتے ہیں۔

سورج اور چاند کی گردش

جس طرح رات اور دن کا نہایت موزوں نظام قائم ہے، اسی طرح فرمایا، وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اور سورج بھی اپنے مستقر یعنی ٹھہرائے ہوئے راستے پر چل رہا ہے۔ اگر مستقر سے مراد مستقر زمانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مقررہ وقت تک محوِ سفر ہے اور قیامت کو اپنے مستقر پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر-۱) جب سورج بے نور کر دیا جائے گا، یہ اس وقت تک اپنی رفتار سے چلتا رہے گا۔ اور اگر مستقر سے مراد مستقر مکانی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کر رہا ہے

حضرت علیہ السلام کا فرمان[1] ہے کہ سورج اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے اور ہر رات عرش عظیم کے نیچے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اور اپنی رفتار کو جاری رکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ جب معمول سورج اللہ تعالیٰ سے پہلے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی حرکت کو معکوس کردو، چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اور دو پہر تک کا وقت رہا جائے گا۔ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے گی اور خوف کے مارے ایمان کا اقرار کریں گے۔ مگر اس وقت کا ایمان لانا قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی قبول ہوگی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار روک کر ہی ایسا کرتا ہوگا۔ جس کی وجہ سے اس کے معمول میں فرق آنا لازمی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا اور آج تک سورج کی رفتار میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام[2] بیان کرتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کوئی ایک امر انجام دیتا ہے مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے سانس زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور اس میں سرمو فرق نہیں آتا۔ اسی طرح سورج بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ کو ہر رات سجدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتوی[3] اور بعض دیگر علماء علم و حکمت حضرت فرماتے ہیں کہ سورج اپنے سفر کے دوران ہر ہر لمحہ سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے اور بغیر اجازت ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی اجازت طلبی کا نام ہی سجدہ ہے جس کا ذکر

---

[1] ابن کثیر ص ۵۷۱/۳ و معالم التنزیل ص ۳۲۰/۳ و قرطبی ص ۲۰۳/۱۴

[2] روح المعانی ص ۱۱۲/۲۳

[3] (فیاض)

مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

شمسی نظام

پرانے یونانی ماہرین فلکیات سات سیارے سورج، چاند، مریخ، زہرہ، مشتری زحل اور عطارد دریافت کئے تھے، مگر موجودہ زمانے کے سائنسدانوں نے دو مزید سیارے یورینس اور نیپچون اور دریافت کر لیے ہیں جس سے ان کی تعداد بڑھ کر نو ہو گئی ہے ان سب کا تعلق نظام شمسی سے ہے اور یہ سارا نظام کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ لاکھوں کروڑوں ستاروں سے مل کر بننے والی سٹرکچر کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہر کہکشاں میں کروڑوں بلکہ اربوں ستارے ہوتے ہیں اور پورا نظام شمسی کسی ایک کہکشاں کا جزو ہے۔ اس نظام میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے اور باقی سارے سیارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ ہماری زمین سے تو اس نظام کا صرف ایک ہی چاند نظر آتا ہے مگر حقیقت میں سورج کے گرد اکتیس چاند محو گردش ہیں۔ زمین سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جو یہاں سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اگر ان دونوں کا درمیانی فاصلہ اس سے زیادہ ہوتا تو وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو سمندر سے پانی کی اتنی لہریں اٹھتیں کہ پوری زمین کا کاروبار درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اس وقت سمندروں میں جو مدوجزر پیدا ہو رہا ہے۔ وہ چاند کی دو لاکھ چالیس ہزار میل کی دوری کے اثرات سے پیدا ہو رہا ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو چاند کے سمندر پہ اثرات کی مقدار بڑھ جائے گی اور پانی پورے کرہ ارض پر پھیل جائے گا۔

ہماری یہ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے رات دن اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سوزوں ترین رفتار ہے کہ زمین پر رہنے والے جانداروں کے مناسب حال ہے۔ اگر یہی رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات صرف سوا سوا گھنٹے کے رہ جائیں۔ اور ان حالات میں زمین کے باشندوں کا استقرار ختم ہو کر رہ جائے اور وہ کوئی کام نہ کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر زمین کی رفتار صرف ایک سو میل فی گھنٹہ تک کم

ہو جائے تو ایک سو بیس ۱۲۰ گھنٹے کا دن اور اتنی لمبی ہی رات ہو جائے۔ ظاہر ہے۔ کہ اتنا لمبا عرصہ سورج کی تپش سے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔ اور رات اتنی لمبی ہوتی۔ کہ جانداروں کو منجمد کر کے رکھ دیتی اور زندگی کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین اور دیگر سیاروں کی رفتار اس طریقے پر مقرر کی ہے۔ جو جانداروں کی زندگی کے لیے موزوں ترین ہے۔

فضا میں نظر آنے والے ستاروں کی تعداد اربوں اور کھربوں تک ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدار میں مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ اس زمین پر تو ٹریفک میں ذرا سی بے قاعدگی ہو جائے تو بے شمار گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ مگر ستاروں اور سیاروں کا اتنا بہترین نظام اللہ نے قائم کیا ہے کہ ہر ستارہ اور سیارہ چل رہا ہے مگر آجتک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جب تک اللہ کو منظور ہے۔ یہ نظام چلتا رہے گا اور جب وہ چاہے گا اس کو ختم کر کے عالم بالا کا نظام لے آئے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ یہ غالب اور علم والے مدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جس کے مطابق یہ سارا نظام کام کر رہا ہے۔ فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ سورج کی طرح ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ کہ وہ چلتے چلتے پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا چاند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر گھٹتے گھٹتے باریک سی شاخ کے مانند ہو جاتا ہے۔ فرمایا سورج اور چاند کا یہ نظام اس طریقے سے مقرر کیا گیا ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کہ سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں[1] کہ

---

[1] موضح القرآن ص ۵۳۰ (فیاض)

بطلیموس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چاند دوسرے آسمان پر ہے، اور سورج چوتھے آسمان پر، بلکہ یہ سارے سیارے آسمانوں سے نیچے فضا میں تیر رہے ہیں۔ سیاں! فلک سے مراد آسمان نہیں بلکہ مدار مراد ہے جس میں یہ سارے گردش کر رہے ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا
يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ
لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً
مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا
خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ
مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾
مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ ۔۔ اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے
کہ بیشک ہم نے اٹھایا ان کی نسل کو بھری ہوئی
کشتی میں (۴۱) اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے
اس جیسی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں (۴۲) اور اگر
ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پس کوئی فریاد کو
پہنچنے والا نہ ہو، اور نہ ہی یہ چھڑائے جائیں (۴۳) مگر
مہربانی ہے ہماری طرف سے، اور فائدہ اٹھانے کا
سامان ایک وقت تک (۴۴) اور جب ان سے کہا جاتا
ہے کہ بچو اس چیز سے جو تمہارے سامنے ہے اور
جو تمہارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۴۵) اور
نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں
میں سے مگر اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۴۶)
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس میں سے جو
اللہ نے تمہیں روزی دی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ
جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کیا ہم
کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلاتا، نہیں ہو
تم مگر کھلی گمراہی میں (۴۷) اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ
وعدہ اگر تم سچے ہو (۴۸) نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک
ہی چیز کا جو پکڑ لے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑ رہے
ہوں گے (۴۹) پس نہ طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے
کی، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے (۵۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ انہی نشانیوں سے وقوع قیامت پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے اور ساتھ اللہ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اللہ نے سورج اور چاند کا ذکر کیا ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنانے کا تذکرہ کیا۔ جن میں انسان، جانور، اور نباتات وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

کشتی بطور نشانِ قدرت

آیت آج کی پہلی آیت میں اللہ نے کشتی کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر متعارف کرایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں بنائی وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (ھود ۔ ۳۷) ہمارے حکم اور ہماری وحی سے کشتی بنا۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق نوح علیہ السلام نے بہت بڑی تین منزلہ کشتی تیار کی جس میں انسان اور جانور سوار ہوئے اور اس طرح یہ کشتی بھر گئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ذریت کا لفظ عربی زبان میں اولاد یا نسل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اضداد میں سے ہے اور اس کا معنی آباؤ اجداد بھی ہے اور اولاد بھی۔ اگر دوسرا معنی کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ اس وقت زمین پر آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں کی اولاد ہیں، اور موجودہ نسل انسانی کے آباؤ اجداد وہی کشتی والے لوگ ہیں۔ کشتی نوح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اسی کے ذریعے اللہ نے نسل انسانی کا انتظام کیا۔

لہ روح المعانی ص ۲۶ ج ۲۳ و تفسیر المنار ص ۲۵۱ ج ۲۳ و تفسیر کبیر ص ۲۲۰ ج ۲۶ (فیاض)

ذرائع نقل و حمل کی تخلیق

فرمایا ایک آیت میں کشتی بنائی وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی دیگر چیزیں بھی تخلیق کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ کشتی اور دیگر سواری کی چیزوں کی تخلیق کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ بظاہر ہر مصنوع انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے، مگر فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے جس نے انسان کو عقل، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت بخشی اور پھر ہر مصنوع کی صنعت کے لیے دلائل مہیا کیے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ النحل میں بھی ملتی ہے۔ جہاں اللہ نے گھوڑے، گدھے اور خچر جیسی سواریوں کا ذکر کر کے فرمایا وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت ۸) اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سواریاں پیدا کرتا ہے، جو آئندہ زمانے میں کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ ذریعہ نقل و حمل کی ابتدا جس کشتی سے ہوئی، وہ کشتی ترقی کر چکی ہے۔ پہلے عام کشتیاں سمندروں اور دریاؤں میں چلتی تھیں، پھر بادبانی کشتیاں معرض وجود میں آئیں۔ پھر بھاپ سے چلنے والے سٹیمر بنے اور آج تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ انہی جہازوں کی بدولت ہزاروں میل کا فاصلہ اور لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جنگی نقطۂ نظر سے طیارہ بردار جہاز تک معرض وجود میں آ چکے ہیں جن پر سینکڑوں طیارے اتر سکتے اور پرواز کر سکتے ہیں۔ سمندر کی تہہ میں چلنے والی آبدوزیں بھی بنائی جا چکی ہیں بلکہ اب تو یہ ایٹمی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ یہ سب کچھ کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

سمندروں کے علاوہ خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان میں جانوروں سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ خود کار سائیکل، موٹر سائیکل، اور کار، ٹرک، ٹریکٹر اور بکتر بند گاڑیاں بھی ہیں جو اس وقت انسانی استعمال میں ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں جو ہم فضا میں بلند ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نقل و حمل کے ذرائع میں سے تیز ترین ذریعہ ہیں اور ان کی وجہ سے پوری دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔

[illegible] اب تو زمین کی نصف آبادی سے زیادہ حصہ ساحلوں تک کے لیے پروازیں کر رہی ہیں، بڑے بڑے براعظموں اور قصبوں تک ہوائی جہازوں کی مدد سے سامان چند گھنٹوں میں پہنچ جاتا ہے اور آگے مرکز تک پہنچنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔ غرضیکہ گذشتہ ایک صدی میں دیگر ضروریات زندگی کی طرح ذرائع نقل و حمل میں بھی بے تحاشا ترقی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ نوح علیہ السلام کی اولین کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

زمین پر بڑھتی ہوئی ٹریفک اور اس سے خارج ہونے والے دھوئیں اور اسی طرح کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے زہریلے مادے نے ماحول کی آلودگی کا نیا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ابھی دو سال کی بات ہے کہ بھوپال کی ایک فیکٹری میں گیس کا سمندر پھیلنے سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں موت کی آغوش میں چلے گئے۔ روس میں ایٹمی تابکاری کے اثر سے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اسی وجہ سے اب ماہرین پر سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ماحول میں آلودگی پیدا کرنے والی صنعت کو زمین سے اٹھا کر فضا میں قائم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ کیمیائی مادوں کے نقصان سے بچ سکیں۔ بہرحال یہ ساری سواریاں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

فضائیت بدیہ حرمت خداوندی

فرمایا اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ اگر ہم چاہیں تو کشتیوں اور جہازوں کے سواروں کو دریا میں غرق کر دیں۔ دنیا میں آئے دن سفر قانون کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے جہاز بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے کوئی جہاز ٹکرا جاتا ہے تو کبھی دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بعض اوقات آگ لگ جاتی ہے اور کشتی یا جہاز ڈوب جاتا ہے۔ فرمایا اگر ہم کسی کو نجات دینا چاہیں فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ تو ان کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہ ہو۔ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اور نہ ہی وہ چھڑائے جا سکیں، بھلا اللہ کی مشیت کے بغیر کون کسی کی مدد کر سکتا ہے اور مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے! اس سے توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ تم مصیبت کے وقت لاکھ کسی ولی و داتا،

کسی جن، فرشتے، زندہ یا مردہ انسان کو پکارو، کوئی بھی تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا ہماری مہربانی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اس کے لیے مافوق الاسباب سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ ثُمَّ اِلٰی حِیْنٍ پھر ہم ایک مقررہ وقت تک زندگی عطا کی ہے جس کے دوران وہ اس دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انسان ختم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہر جاندار کی زندگی اللہ کی رحمت کی محتاج ہے۔

جزائے اعمال کی منزل

ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے آگے سے مراد یہ ہے کہ تمہاری موت آنے والی ہے۔ پھر قیامت برپا ہوگی، اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔ پھر وہاں حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق فیصلے ہوں گے، اس سارے عمل سے ڈر جاؤ اور آنے والے وقت کے لیے تیاری کرلو۔ پیچھے رہ جانے والی دنیا ہے، یہاں پر جو اعمال چھوڑے ہیں ان کو بھی ذہن میں لاؤ کہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے اور پھر سوچو کہ ان عقائد و اعمال کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر پیچھے برے اعمال چھوڑے ہیں تو ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا وبال بھی پڑے گا۔ لہٰذا اب وقت ہے، کہ آنے والے وقت سے ڈر جاؤ۔

لوگوں کی اکثریت پر افسوس ہے کہ وہ نہ تو ذاتِ قدرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی نجات کے لیے کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ بلکہ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس

کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی رسول معجزہ احکم ستر کی طرف سے آتا ہے یہ اس میں غور و فکر کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان نشانیوں میں توحید و رسالت کی بات ہوتی ہے، وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کی نشاندہی ہوتی ہے مگر یہی چیزیں ان کے مزاج کے خلاف پڑتی ہیں، لہذا یہ ان سے کنی کترا جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی غفلت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ نے ان نابکاروں کی ایک یہ خصلت بھی بیان فرمائی ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرو۔ یعنی غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق ادا کرو تو الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ کیا ہم ایسے شخص کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محتاج رکھنا ہی پسند کیا ہے۔ تو ہم ان پر خرچ کر کے اللہ کی منشاء کے خلاف کام کیوں کریں! مشرکین مکہ بھی یہی فلسفہ بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ جب محتاجوں کی اعانت کرتے تو بعض چڑے کافر لوگ کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ آپ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ نے ان کا حق بھی رکھا ہے لہذا میں خرچ کرتا رہوں گا۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج ۲۴-۲۵) اللہ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے اموال میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں لہذا وہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے تھے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ تم تو صریح گمراہی میں ہو۔ جو اپنا مال ان نادانوں پر خرچ کرتے ہو جنہیں اللہ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔

تقسیم رزق کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں رزق کی تقسیم ایک خاص حکمت کے تحت کرتا ہے کسی کو کم دیتا ہے، کسی کو منصب مال اور کسی کو ضرورت سے زیادہ البتہ

وہ کسی کو بالواسطہ عطا کرتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ۔ اغنیاء کو بلاواسطے کے حکم دیتا ہے کہ اس میں سے محتاجوں کی مدد بھی کرو۔ اب امیر آدمی کے مال میں سے زکوٰۃ صدقات کی صورت میں جو غریب آدمی کو پہنچے وہ بالواسطہ ہوگیا، اور ہے یہ بھی اللہ ہی کی عطا۔ البتہ مال میں کمی بیشی میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال دے کر بھی آزماتا ہے اور اس سے محروم کر کے بھی کہ تنگدستی میں ڈالتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (آیت ۳۵) ہم تمہیں برائی اور بھلائی ہر دو طریقوں سے آزماتے ہیں۔ وہ اغنیاء کو اس لئے آزماتا ہے کہ وہ اس کے حقوق کس حد تک پورے کرتے ہیں۔ اور فقراء کو محروم کر کے آزماتا ہے کہ وہ کس حد تک صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیا وہ رزق حلال کی تلاش میں نکلتے ہیں یا چوری، ڈاکہ اور دھوکہ دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کو امیر اور بعض کو غریب رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مخلوق کی معیشت کا دارومدار اسی قسم کی تقسیم پر ہے اگر سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر مزدوری کون کرتا، کاشتکاری کون کرتا اور کارخانے کیسے چلتے اسی طرح اگر سب کے سب ہی محتاج ہوتے تو وہ اپنی احتیاج کس سے پوری کرتے؟ اس طرح بھی تمدن کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اللہ نے کسی کو کارخانہ دار اور کسی کو مزدور بنا دیا، کسی کو زمین کا مالک اور کسی کو کسان بنا دیا، اور اس طرح دنیا کے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ انبیاء و مرسلین کا نظریہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ تم کیسی گمراہی کی باتیں کرتے ہو، حقیقت میں رازق تو ہر مخلوق کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے روزی رسانی کے مختلف ذرائع مقرر کر رکھے ہیں جن کے واسطے سے وہ ہر ایک کو اس کے حصے کا رزق پہنچا رہا ہے تم اس کی حکمت کو نہیں جانتے۔

لہ روح المعانی ص ۲۰ ج ۲۲ و السراج المنیر ص ۲۵۳ ج ۳ و کبیر ص ۸۶ ج ۲۶ (ف)

وقوعِ قیامت کا وعدہ

بعض لوگ ازراہِ تعصب اور عناد کہتے تھے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا وعدہ کب پورا ہوگا اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ جب ہمارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا، تو ان کو گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ فرمایا مَا يَنظُرُ هَٰذُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً یہ لوگ نہیں انتظار کر رہے مگر ایک ہی چیخ کا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً جو ان کو پکڑ لے گی وَهُمْ يَخِصِّمُونَ اس حالت میں کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے تعصب اور عناد کی بنا پر غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں اور یہ یعنی سوال کرتے ہیں، جب ہماری گرفت آئے گی، تو پھر سنبھلنے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ان کے لیے ایک چیخ ہی کافی ہے جو ان کا کام تمام کر دے گی۔ گذشتہ آیات میں عجیب تجارت کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ (یٰسٓ ۲۹) فرشتے نے ایک ہی چیخ ماری تو وہ نافرمان اس طرح ہلاک ہو گئے جس طرح بجھتے ہوئے کوئلے پانی ڈالنے سے بجھ جاتے ہیں۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکتے ہیں کہ میرے بعد فلاں کام اس طرح کر لینا یا میرے مال کو اس طرح صرف کرنا بلکہ اتنا تو موقع نہیں مِلتا وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ اور نہ ہی وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکتے ہیں کہاں سے کوئی بات ہی کریں کوئی شخص بازار میں ہو یا مکان میں، کھیت میں ہو یا کارخانے میں، دفتر میں ہو یا سفر میں راہ میں ہو یا جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ کی گرفت وہیں آ جاتی ہے، اور انہیں ذرہ بھر بھی مہلت نہیں ملتی۔ فرمایا قیامت کے متعلق پوچھ کر کیا یہ لوگ ایسے اچانک وقت کا انتظار کر رہے ہیں؟

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا
مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ اِنْ كَانَتْ
اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾
اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ
فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ
ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا
فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ ۚ قَوْلًا
مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ — اور پھونکا جائے گا صور میں، پس اچانک وہ
لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں
گے ﴿٥١﴾ کہیں گے، افسوس ہمارا، کس نے اٹھایا ہمیں

ہماری خواب گاہوں سے ۔ یہ وہ چیز ہے جو وعدہ کیا ہے
خدائے رحمان نے اور سچ کہا ہے اس کے رسولوں نے (۵۲)
نہیں ہے مگر ایک ہی چیخ اچانک وہ سب کے سب
ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۵۳) پس آج نہیں
ظلم کیا جائے گا کسی نفس پہ کچھ بھی ۔ اور نہیں بدلہ
دیا جائے گا تم کو مگر وہ جو تم عمل کرتے تھے (۵۴) بیشک
جنت والے لوگ آج کے دن مشغلے میں ہوں گے ، اور آپس
میں باتیں کر رہے ہونگے (۵۵) وہ اور ان کی بیویاں سایوں
میں تختوں پہ تکیے لگانے والے ہوں گے (۵۶) ان کے
لیے ان میں پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز
ہو گی جو وہ طلب کریں گے (۵۷) اور سلام ہو گا ، ایک
بات رب رحیم کی طرف سے (۵۸) اور (حکم ہوگا) الگ
ہو جاؤ آج کے دن اے گنہگارو ! (۵۹)

ربط آیات

اپنی آیاتِ قدرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی مذمت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آگے پیش آنے والے حالات کے لیے کچھ تیاری کر لو ، اور جو اعمال پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کے متعلق بھی غور و فکر کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو یہ لوگ نشاناتِ قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ الٹا اعتراض کرنے لگتے ہیں ۔ پھر اللہ نے ان میں سے مالداروں کی حالت کا ذکر بھی کیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غرباء اور مساکین پر بھی خرچ کرو تو کہتے ہیں کہ جن کو خود خدا تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے یعنی ان کو نادار بنایا ہے ، بھلا ہم ان کی اعانت کریں ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو نہایت ہی گمراہی کی بات ہے ، بلاشبہ ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ مگر یہ اس کا طریقہ کار ہے کہ کسی کو بالواسطہ روزی پہنچاتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ وہ ان محتاجوں

کو مالداروں کے واسطے سے روزی پہنچانا چاہتا ہے مگر یہ حیلے بہانے سے اس کا حق ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نیز اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ہر ایک کی آزمائش کرتا ہے کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کسی کو مفلوک رکھ کر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کا ذکر بھی کیا کہ کافر لوگ اس کا مسخرا اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور حساب اعمال ہونے والا ہے تو وہ قیامت آ کیوں نہیں جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی آئیگی۔ جب وہ وارد ہو جائیگی تو پھر کسی کو ایک گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ نہ کوئی شخص توبہ کرنی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ سکے گا کہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت ہی کر لے۔ بلکہ جس مقام پر بھی ہوگا وہیں اس کو ختم کر دیا جائے گا۔"

وقوع قیامت اور بعث

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور لوگوں کی بعث کے متعلق بعض حالات ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ وقوع قیامت کا اول صور پھونکنے سے ہوگا۔ اللہ کا ایک فرشتہ مدت سے سینگ کی شکل کا ایک بگل تھامے کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس صور میں پھونک مارے۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے سارے جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائیگا تو ہر چیز فنا ہو جائیگی۔ پھر چالیس سال کے بعد جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدان حشر میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اس مقام پر اسی دوسرے صور پھونکنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا فَفَزِعَ مَنْ فِي

۱؎ ترمذی ص۲۶۷ ۲؎ مسلم ص۳۶۰ ج۲ و بخاری ص۷۳۵ ج۲ (فیاض)

(۱) ثُمَّ هُمْ يَنْسِلُونَ (پھر اچانک سب لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے، جس طرف سے آواز آ رہی ہوگی۔ اسی طرف دوڑتے چلے جائیں گے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ اس تیزی کے ساتھ اٹھیں گے كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ (آیت ۴۳) جیسے شکاری شکار کے حال کی طرف یا تیر پھینکنے والے نشانے کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اس وقت ساری مخلوق سخت پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ قرآن میں ہے کہ تفصیلات موجود ہیں کہ سخت دھوپ، اس کی تپش اور گرمی کا غلبہ، اجتماع اور بھوک پیاس کی شدت ہوگی، لوگ سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔

(۲) اس وقت قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا (کہیں گے اے افسوس! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ مرقد لیٹنے یا آرام کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکے جانے کے بعد جب لوگ اچانک اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ اسے اپنے آرام میں خلل تصور کریں گے۔ یہاں پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قبر کا رہنا ایک لمبی نیند کی زندگی ہے جس میں ہر نیک و بد کو جزا اور سزا کا احساس بھی نہ ہوتا ہے۔ مگر آیت نمبر ۵۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ مکمل آرام کی حالت میں ہوں گے اور وہ صور میں پھونکنے سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مرنے کے بعد ہر نوع کی جزا یا سزا کا بیان قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ چیز اہل سنت والجماعت کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہ جزا یا سزا معمولی نوعیت کی ہوگی جب کہ حقیقی جزا یا سزا میدان حشر میں عمل کا فیصلہ ہونے کے بعد شروع ہوگی۔ مفسرین کرام اس اشکال کو دو طریقے سے رفع کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرماتے ہیں کہ پہلے صور پھونکے جانے کے بعد دوسرے صور تک چالیس سال کے عرصہ میں کوئی تو... یا عذاب نہیں ہوگا۔ گویا اس دوران سزا موقوف رہے گی پھر جب لوگ دوبارہ اٹھیں

---

(۱) روح المعانی ص ۳۲ ج ۲۳ و مظہری ص ۹ ج ۸ (قیاس)

گے تو محسوس کریں گے کہ وہ تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔ یہ کس نے جگا کر ان کے آرام میں خلل ڈالا۔

مفسرین کرام اس کی دوسری توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ برزخ کی سزا تو معمولی نوعیت کی ہوگی۔ پھر جب وہ لوگ اٹھ کر حشر کی تلخی کو دیکھیں گے تو وہ برزخ کی سزا کو بھول جائیں گے، گویا انہیں کوئی سزا ملی ہی نہیں تھی، لہٰذا وہ کہیں گے کہ ہمیں خواب گاہوں سے کس نے جگا دیا۔ ہم تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہی وہ چیز ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان نے کیا تھا اور جس کے حق خدا کے رسولوں نے سچ کہا تھا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب تم سب قبروں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ ملنا شروع ہوگا۔ پھر کیا ہوگا؟ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک ہی آواز آئے گی فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ پس اچانک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کر دیے جائیں گے صور پھونکنے کی دیر ہے کہ ہر شخص بھاگم بھاگ اللہ کے سامنے پیش ہوگا پھر ہر عمل کا رد و بدل ہوگا اور جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کوئی شخص ادھر ادھر بھاگ نہیں سکے گا۔ دنیا میں فرار ہونے والے روپوش یا مفرور بھی ہو جاتے ہیں مگر وہاں کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

جزا کے اصول

فرمایا فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا اس دن کسی جان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس دن کسی کی ذرہ برابر بھی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی برائی کی چھوٹ ہوگی بلکہ سب کو مکمل جزا یا سزا دی جائے گی۔ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

منظوری ۸۰ (فیاض)

اور تمہیں صرف تمہارے کردہ اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

کفر کے نیک کاروں کی جزا کے متعلق فرمایا اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ پھر ان خوش قسمتوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا۔ وہ شغلے میں ہوں گے اور آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے انہیں ہر قسم کا یقین حاصل ہوگا، اور تمام ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں ان سے ہٹالی جائیں گی۔ پھر ان کو نہ کوئی جسمانی اذیت پہنچے گی اور نہ روحانی کوفت ہوگی۔ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ وہ اور ان کی بیویاں تختوں پر ٹیک لگائے سایوں میں بیٹھے ہوں گے۔ اریکہ کا معنی تخت، پلنگ، پلنگ: آج کی اصطلاح میں صوفہ سیٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنتی لوگ جنت میں نہایت آرام و سکون کے ساتھ اپنی پسند کی اعلیٰ جگہوں پر بیٹھیں گے۔ بڑا خوشگوار ماحول ہوگا اور وہ آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے۔ انہیں ہر قسم کی تفریح میسر ہوگی۔ اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وہاں ان کے لیے مختلف الانواع پھل ہوں گے، جن کو وہ استعمال کریں گے۔ وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ اور اس کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا مطالبہ کریں گے۔ ان کی خواہشات اور مطالبات بھی نہایت پاکیزہ قسم کے ہوں گے۔ اور کوئی کمزور اور ردی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ بہرحال انہیں منہ مانگی مراد ملے گی ان کو ظاہری و جسمانی لذتوں کے علاوہ ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آسائش بھی حاصل ہوگی۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ میں ہے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (آیت ۳۱) وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے گا اور ہر وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

پروردگار کا سلام

ان مادی نعمتوں کے علاوہ فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ پروردگار کی طرف سے قول ہوگا جو کہ نہایت ہی مہربان ہے

اللہ فرمائے گا کہ اے جنت والو! میری طرف سے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلامتی نصیب ہو۔ سورۃ النحل میں فرشتوں کے سلام کا ذکر بھی آتا ہے جب فرشتے نیک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آیت ۳۲) تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیا کرتے تھے۔ پھر جنتی آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے، سورہ یونس میں ہے دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (آیت ۱۰) جب جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے سبحان اللہ اور وہاں ان کی آپس میں دعا السلام علیکم ہوگی۔ لیکن جنت والوں کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوگی کہ اللہ فرمائے گا۔ میرے بندو! میری طرف سے تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا میں اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا ہمیشہ خوش ہی رہوں گا۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

مجرموں کی علیحدگی

پھر حکم ہوگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے گنہگارو! مشرکو، کفر، بدعات، اور معاصی کا ارتکاب کرنے والو اپنی صف علیحدہ بنالو۔ دنیا میں تو نیک و بد سب ملے جلے تھے مگر آج تم علیحدہ ہو جاؤ کہ تمہارا راستہ نیکوکاروں سے الگ ہے اور تمہارا ٹھکانا بھی مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے حساب کرے گا۔ یہ نہایت مشکل گھڑی اور پریشانی کا عالم ہوگا۔ اور مجرموں کے لیے بڑی کٹھن منزل ہوگی۔

۱

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ
اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ
اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا
تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ
وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ
عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا
وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي
الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ :- کیا میں نے تم کو نہیں کہہ رکھا تھا اے بنی آدم ! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی ، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (۶۰) اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا ، یہی سیدھی راہ ہے (۶۱) اور البتہ تحقیق گمراہ کیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو ، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے (۶۲) یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۶۳) داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے (۶۴) آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ ، اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے (۶۵) اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں ان کی آنکھوں کو ، پس وہ دوڑیں گے راستے کی طرف ، پھر کہاں دیکھ سکیں گے ؟ (۶۶) اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلوں کو ان کے ٹھکانے پر ہی ، پس نہ طاقت رکھیں وہ چلنے کی اور نہ واپس لوٹ سکیں (۶۷) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو الٹا کر دیتے ہیں پیدائش میں ، کیا یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ؟ (۶۸)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا حال اور روز محشر کا کچھ حال بیان فرمایا تھا۔ جب صور ثانی پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے حساب کتاب کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہر ایک کا محاسبہ ہوگا۔ ہر شخص کو اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا ، وہ نہایت ہی آرام و راحت میں ہوں گے اور انہیں ان کی ہر مطلوب چیز

سیاہ کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے سلام ہوگا۔ برخلاف اس کے اس روز مجرموں اور گنہگاروں کو حکم ہوگا کہ تم الگ ہو جاؤ اور اپنی علیحدہ صف بناؤ۔ پھر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

شیطان کی اطاعت

مجرموں کی علیحدہ صف بندی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا یعنی تمہیں یہ بات نہیں سمجھائی تھی اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیونکہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد پوری اولاد آدم سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیطان سے خبردار رہنا اور اس کے جھانسے میں نہ آنا۔ یہ تمہیں ورغلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ نے خصوصی طور پر فرمایا تھا فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰہٰ ۱۱۷) آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ پھر ساری اولاد آدم کو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے خبردار کر دیا کہ شیطان سے بچتے رہنا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف ۲۷) وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ غیر مرئی مخلوق ہے وہ چھپ کر وار کرتا ہے لہٰذا اس کے ہتھکنڈے میں نہ آنا۔ پھر شیطان نے بھی روز اول سے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تیرے صراط مستقیم پر بیٹھوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (الاعراف ۱۷) میں تیرے بندوں کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی آؤں گا، اور بائیں طرف سے بھی اور پھر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر دنیا کی

طرف سے آگر بھی ان کو گمراہ کروں گا، دین کی طرف سے بھی، اخلاقیات کے راستے سے بھی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا۔

صراطِ مستقیم

اللہ نے فرمایا ایک تو میں نے تمہیں شیطان کے اغوا سے خبردار کیا تھا اور دوسری بات یہ کہی تھی وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ صرف میری ہی عبادت کرنا، اور شیطان کی عبادت نہ کرنے لگنا ورنہ وہ تمہیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (فاطر ۶) وہ اپنے گروہ کو بلا رہا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے، وہ اپنی جماعت کو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان کی دشمنی سے بچتے رہنا اور عبادت صرف میری کرنا، هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر تم دائمی نجات پا سکتے ہو۔ اگر اس راستے سے ہٹ گئے تو پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

شیطان کا اغوا

آگے اللہ نے شیطان کے اغوا سے مزید خبردار کیا ہے وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو بہکا رکھا ہے۔ جِبِلًّا کا معنی مخلوق ہے اس کا لفظ جِبِلًّا اور جِبِلًّا بھی آتا ہے فرمایا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ کافر اور مشرک سب شیطان کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب لوگ شیطان کے پجاری ہیں جب کہ مشکل سے پانچواں حصہ توحید کو مانتا ہے جب جزائے عمل کی منزل آئے گی تو شیطان کے ان پجاریوں سے کہا جائے گا۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے

راستے پر چلے گے۔ تو مجھے تمہارا پیچھا کرنا ہوگا۔ لہٰذا اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کفر کے بدلے میں جس کا تم ارتکاب کرتے رہے ہو۔ تم نے دنیا میں نصیحت کی بات نہ مانی، اور شیطان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ دنیا کے امور میں تو بہت ہوشیار اور سمجھدار تھے، لیکن دین کے بارے میں اتنے کمزور تھے کہ شیطان کے پیچھے لگ گئے۔ اب اس کفر کا خمیازہ جہنم کی صورت میں بھگتو۔

انسانی اعضاء کی شہادت

بعض لوگ محاسبۂ اعمال کے وقت کفر، شرک اور معاصی سے انکار کر دیں گے جیسے مشرکوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام - ۲۳) اللہ کی قسم، ہم نے تو دنیا میں رہ کر شرک نہیں کیا۔ مگر ہر انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لوح محفوظ میں بھی درج ہے اور انسان کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا ہوا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آخری حجت کے لیے فرشتوں یا دیگر چیزوں کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم نے وحدہ کے سوا کسی دوسرے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت اللہ فرمائے گا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ اس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ تو ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مجرموں کی زبان تو بند ہو جائے گی اور ان کے جسم کے اعضاء ہاتھ، پاؤں وغیرہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ کسی اچھے بڑے کام کے کرنے میں سب سے زیادہ دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے چنانچہ آدمی کے ہاتھ کہیں گے کہ اس شخص نے ہمارے ذریعہ فلاں برا کام کیا تھا اور پاؤں گواہی دیں گے کہ ہم سے چل کر یہ

۱؎ ابن کثیر ص ۵۷۲ ج ۳ و طبری ص ۲۳ ج ۲۳ (فیاض)

فلاں غلط مقام پر گیا تھا۔ اُس وقت گنہگار آدمی حیرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ خود اُس کے اعضاء و جوارح ہی اُس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ پھر وہ جسم کے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں نے تمہیں ہی سزا سے بچانے کے لیے جہد و کوشش کی تھی اور تم نے خود ہی یہ افشاء کر دیا۔ اب تم سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر کر رکھی ہے اور اس کا ہر قول اور فعل اُس کے اعمالنامے میں درج ہو رہا ہے۔ یہ اعمالنامہ موت کے وقت انسان کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور قیامت والے دن متعلقہ شخص کے سامنے پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِقْرَأْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل ۱۴) یہ تیرا اعمالنامہ ہے اسے خود ہی پڑھ لو۔ حساب کتاب کے لیے آج کے دن یہی دستاویز کافی ہے۔ چنانچہ خواہ دنیا میں کوئی شخص پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ، اپنا اعمالنامہ خود پڑھ سکے گا۔ اُس وقت انسان خیال کرے گا کہ میرے اعمال تو میرے اعضاء کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہاتھ اور پاؤں بھی گواہی دیں گے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔

دیگر اشیاء کی گواہی

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطۂ زمین پر انسان نے کوئی اچھا یا بُرا کام کیا ہوگا زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔ وہاں کے ارد گرد کی چیزیں بھی شہادت دیں گی۔ چنانچہ اذان والی حدیث میں آتا ہے کہ اذان کہنے والے شخص کے حق میں اُس کے دائیں بائیں سے تمام شجر و حجر گواہی دیں گے، اسی طرح حج کا تلبیہ پکارنے والے کے حق میں زمین کے آخری حصے تک کی تمام چیزیں گواہی دیں گی کہ مولا کریم! اس شخص نے تیرا نام احترام کے ساتھ

لہ

ٹہ

بند کیا تھا۔

سورۃ حٰمٓ سجدہ میں آیا ہے حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ جب وہ لوگ اس مقام پر آ جائیں گے تو ان کے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی اس کام کے متعلق جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیسے گواہی دیتی ہو، اور آج یہ قوت گویائی تمہیں کہاں سے حاصل ہو گئی تو وہ جواب دیں گی قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو یہ قوت بخشی ہے۔ وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ بہرحال دنیا کو قیامت والے دن انکار کرنے والوں کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء جوارح بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

منکرین کی عبرت ناک سزا

فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ اور اگر ہم چاہیں، تو کافروں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ پھر وہ راستے کی طرف دوڑنا چاہیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ یہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر سزا کا وقت آیا تو فرشتے کو حکم ہوا کہ اپنا پر پھیلاؤ۔ جب ایسا کیا فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ (القمر ۳۷) تو ہم نے ان کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، وہ سب اندھے ہو گئے، یہاں بھی فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو ان کے ٹھکانوں پر ہی ان کی شکلیں مسخ کر دیں ایسے واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔ اللہ نے کئی نافرمان قوموں کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ سورۃ مائدہ میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (آیت ۶۰) کہ ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

فرمایا ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی کھڑے یا بیٹھے ہوں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ پھر یہ وہ آگے چلنے کی طاقت رکھیں اور نہ واپس گھر جا سکیں۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اگلی منزل تک پہنچ جائیں یا گھر والوں کو ہی بتا سکیں کہ ہم عذاب سے ہو چکے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بائبل کا بیان ہے کہ اللہ نے اسے پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اساف اور نائلہ مرد و زن نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ نے ان کو پتھر بنا دیا اور وہ کافی عرصہ تک صفا اور مروہ پر عبرت کے لیے پڑے رہے۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے ان کی پرستش شروع کرا دی۔ بہرحال فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ خدا قادر مطلق ہے۔

بڑھاپے کی حالت

فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ جس کو ہم زیادہ عمر دے دیتے ہیں ان کو پیدائش میں الٹا کر دیتے ہیں۔ اَفَلَا يَعْقِلُونَ کیا یہ لوگ اس بات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ابتدا میں انسان کچھ ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، طاقت آتی ہے مگر جب بڑھاپے کا دور شروع ہو جاتا ہے تو تمام اعضاء آہستہ آہستہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا ہے کہ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اسے پھر پیدائش کی حالت میں الٹ دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً (آیت ۵۴) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ یہ حالات

لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہیں اگر انسان انہی چیزوں میں غور کرے تو کفر، شرک اور بداعمالی کا راستہ ترک کر دے جگر مراد آبادیؒ نے بھی کہا ہے ؎

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ چلے جا رہا ہوں میں

بہرحال اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل کو اپنی قدرت کی نشانی بیان فرمایا ہے۔ اگر لوگ پھر بھی اس کی توحید کو تسلیم نہ کریں تو وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ
كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ
اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾
وَذَلَّلّٰنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾
فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ: اور نہیں سکھایا ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر
کہنا، اور نہ ہی لائق ہے اس کے لیے۔ نہیں ہے یہ
مگر نصیحت اور قرآن کھول کر بیان کرنے والا ﴿٦٩﴾ تاکہ
ڈر سنائے اس کو جو جان رکھتا ہے، اور ثابت ہو جائے

بات کفر کرنے والوں پر (۷۰) کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے ان کے لیے جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مویشیوں کو - اور وہ ان کے مالک ہیں (۷۱) اور ہم نے تابع کر دیا ہے ان کو ان کے لیے - پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر ان کی سواری ہے ، اور بعض وہ ہیں جن سے وہ کھاتے ہیں (۷۲) اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت سے فائدے ہیں ، اور پینے کے گھاٹ ہیں - کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے ؟ (۷۳) اور بنا لیے ہیں انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تاکہ وہ ان کی مدد کریں (۷۴) وہ طاقت نہیں رکھتے ان کی مدد کی ، اور یہ ان کے لیے لشکر ہوگا جو (پکڑ کر) حاضر کیے جائیں گے (۷۵) پس نہ غم میں ڈالے آپ کو ان کی بات - بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (۷۶)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے میدان حشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے قیامت والے دن گمراہ لوگ اپنے برے اعمال و افعال اور برے عقائد سے انکار کریں گے تو ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے اور ان کے کرتوت ثابت ہو جائیں گے ۔ اب آخر سورۃ میں اللہ نے توحید ، قرآن کی حقانیت اور جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے ۔ الغرض سورۃ کے اس آخری حصے میں چاروں بنیادی مسائل کو اختصار کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے ۔

شاعر گوئی کی نفی

کافر اور مشرک لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے ، بلکہ اسے شاعری ، کہانت یا سحر سے تعبیر کرتے تھے کبھی کہتے قبل افتراہ کرتوت

کے دعویدار نے اسے افترا کیا ہے یعنی خود بنا کر لے آیا ہے اور پھر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے، تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کلام شاعر ہونے کی مؤثر انداز میں تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی سکھائی ہی نہیں۔ بھلا جس کو کسی کام کی تربیت ہی نہ ہو وہ کیسے اس کام کو انجام دے گا۔ حقیقت یہ ہے وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ کہ شعر و شاعری تو ہمارے نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہے، بھلا وہ اپنی طرف سے کس طرح شعر بنا کر پیش کر دیگا۔ فرمایا یہ قرآن کریم اشعار کا مجموعہ نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ بلکہ یہ تو سراسر نصیحت کی بات ہے وَقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعری کی بنیاد تو وہم اور تخیل پر ہوتی ہے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (آیت ۲۲۴) کہ شعراء کے پیچھے لگنے والے اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (آیت - ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر کس طرح ہر وادی میں خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں اور اگر کسی کی مذمت کی ہے تو فحش گوئی تک پہنچ گئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی شعر میں جس قدر جھوٹ ہوگا اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہوگا، اسی قدر وہ پسندیدہ ہوگا اور اس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جائیں گے۔ ؎

ہیچ در شعر و در فن او
چو اکذب اوست احسن او

شعر جتنا جھوٹا ہوگا، اتنا ہی مزیدار ہوگا لہٰذا اس فن میں زیادہ دلچسپی نہ لو۔ یہی وجہ ہے شعر و شاعری نبوت و رسالت کے منافی ہے۔

شعر گوئی میں استثنا

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر زمان میں شعر و شاعری ہوتی رہی ہے۔ مگر اکثر و بیشتر جھوٹ ملا کلام، جھوٹے اور خیالی ہوتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم استثنیٰ یہاں بھی ہے۔ خود سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ اکثر شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (آیت ۲۲۷) مگر بعض باکردار شاعر اچھا کلام بھی کہتے ہیں جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ شاعری بذاتِ خود تو بری چیز نہیں مگر اس کا جھوٹ اور مبالغہ آرائی اس کو برا بنا دیتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شعر و شاعری بھی ایک کلام ہے جس کا اچھا حصہ اچھا ہے، اور برا حصہ برا ہے۔ تاہم اس میں برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کی دروغ گوئی اور قول و فعل کا تضاد ہوتا ہے اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (الشعراء ۲۲۶) شاعر لوگ زبان سے بڑی باتیں کرتے ہیں مگر عمل میں صفر ہوتے ہیں۔

تاہم دنیا میں اچھے شاعر بھی ہوئے ہیں، حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارکہ کے مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ جب کفار اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شعر گوئی کرتے تھے تو حضور علیہ السلام حضرت حسانؓ کو جواب دینے کے لیے کہتے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ ان کافروں کو جواب دو جبرئیل امین تمہارے مؤید ہوں گے، اسی طرح مولانا روم کی مثنوی میں بڑی کام کی باتیں ہیں۔ ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کا کلام بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں

۱۔ ۲۔

ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے تجربے اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ کتابیں دینی مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا، کیا حضور علیہ السلام کبھی بطور مثال کسی شعر کا ذکر بھی فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں! بعض اوقات ایک آدھ شعر یا مصرعہ اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھ لیا کرتے تھے۔

لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

(اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو نہ صدقہ کر سکتے نہ نماز ادا کر پاتے)

اسی طرح زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر بھی آپ بعض دفعہ زبان پر لے آتے تھے۔

ویاتیک بالاخبار من لم تزود
ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً

(زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں ظاہر کرے گا جس سے تو ناواقف ہے، اور تیرے پاس خبریں وہ لوگ لائیں گے جنہیں تو نے کوئی توشہ نہیں دیا ہوگا۔) زمانہ جاہلیت میں کوئی خبر معلوم کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی آدمی بھیجنا پڑتا، اس کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوتا اور اسے زادِ راہ کے علاوہ کچھ دیگر معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آج مادی ترقی کے زمانہ میں دنیا بھر کی خبریں گھر بیٹھے بلا معاوضہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ بغیر توشے کے خبریں معلوم ہو جایا کریں گی۔ اس شعر میں خود پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ کی

لہ خازن ص ۱۵ ج ۴ وطبری ص ۲۷ ج ۲۲ ومعالم التنزیل ص ۲۰۶ ج ۳ واحکام القرآن للجصاص ص ۲۷۶ ج ۳

ٹ ابن کثیر ص ۵۷۹ ج ۳ وروح المعانی ص ۴۸ ج ۲۳ وخازن ص ۱۵ ج ۴ (فیاض)

طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کا ہی دنیا اور آخرت کی ساری خبریں بلا واسطہ تم
پہنچائے گا۔ بہرحال حضور علیہ السلام کسی شاعر کا اچھا شعر کبھی کبھی پڑھ لیتے تھے مگر
خود شعر نہیں کہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر و شاعری کا علم آپ کو نہیں
کو سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ منصب نبوت کے شایانِ شان ہے۔ اس لیے آپ
آپ جو کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ سراسر نصیحت پر مشتمل ہے۔ آپ حقیقت کے
ترجمان ہیں اور آپ کی بعثت کا ایک مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے روشناس
کرانا بھی ہے۔

قرآن کا بیان اشعار

چنانچہ شعر و شاعری کے برخلاف پیغمبر اسلام نے اللہ کا کلام قرآن پاک
پیش کیا اور اس کو پڑھ کر جو لوگ تار ہوئے انہوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں
انجام دیے۔ شعر و شاعری تو نزولِ قرآن کے زمانہ میں باہم عروج پر تھی مگر اس کا
ماحصل کیا تھا، کسی کی تعریف کے پل باندھ دیے تو کسی کی ہجو کہہ دی۔ الفاظ کے
گورکھ دھندے میں حقائق کو مسخ کیا اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کی۔ اس سے دنیا
میں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا تھا بلکہ لوگ مزید لہو و لعب میں پڑ گئے۔ قرآن
نے آکر زندگی کا مکمل پروگرام پیش کیا، فلاح کے اصول، اجتماعیت کا حل،
نظامِ حکومت، امارت کے اصول، سفر و حضر اور صلح و جنگ کے قوانین بتلائے،
مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی، ہر قسم کی برائی کی بجائے نیکی کو رائج کیا، دنیا کی بجائے
آخرت کی طرف رُخ پھیرا غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی۔ تو ایسے
اعلیٰ اقدار کے حامل قرآن پاک کو شعر و شاعری جیسے جھوٹے اور مبالغہ آمیز کلام سے
کیا نسبت ہو سکتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ یہ قرآن شعر و شاعری نہیں بلکہ سراسر
نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا کلام ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے
لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا تاکہ یہ ڈر سنائے اس شخص کو جو زندہ ہے۔ زندہ
تو درحقیقت کافر مشرک، منافق سب ہیں مگر شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ زندہ

لے موضح القرآن صـ۵۳۲ (نیاس)

کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جان ہے یعنی وہ اپنے فائدے کے لیے نیکی کا اثر قبول کر سکتا ہے جو شخص نصیحت کا اثر ہی قبول نہیں کرتا اُس کو ڈرانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا جیسے سورۃ البقرۃ کی ابتدا میں کافروں کے متعلق فرمایا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (آیت - ۶) ایسے لوگوں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بہرحال زندہ سے مراد وہ قوم، جماعت یا فرد ہے جس میں نیکی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے

فرمایا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تاکہ یہ بات کافروں پر ثابت ہو جائے۔ اللہ نے کفار پر اتمامِ حجت کے لیے اس کتاب قرآنِ پاک کو نازل فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی، نہ کسی سمجھانے والے نے سمجھایا اور نہ کسی نبی، رسول یا اُس کے نائب نے ڈرایا ان دو آیات میں قرآنِ پاک کی حقانیت و صداقت اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی آگئی۔

مویشیوں کی پیدائش

آگے اللہ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے پیدا کیے ہیں مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے اس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کام ہے اگر اس کو دستِ قدرت بھی مانیں تو اس سے مراد ایسے ہاتھ نہیں جیسے ہمارے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ مراد ہیں جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کا ذکر بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ ۵-۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جب صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح - ۱۰) اُن کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے ہاتھوں کی نسبت اپنی طرف

کی ہے مگر یہ انسانی ملکیت کی طرح عارضی نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہے تو فرمایا کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ اور وہ کیا چیز ہے انعام وہ مویشی ہیں جن کے ساتھ تمہیں شب و روز واسطہ پڑتا ہے اور وہ تمہاری خدمت پر مامور ہیں۔

فرمایا یہ مویشی پیدا تو ہمارے دستِ قدرت سے ہوئے فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ مگر کیا کے مالک یہ لوگ ہیں۔ ہم نے جو ملکیت ان کو دے دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ اور حقیقی مالک بھی وہی ہے کیونکہ مالک وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا خالق ہو مگر جس نے اپنی مہربانی سے ان کو عارضی مالک انسانوں کو بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں، دگر

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است
ایں امانت چند روزے نزدِ ما است

اس حقیقت کو قرآن پاک میں جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (البقرہ-۲۸۴) ارض و سما کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے یعنی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

آج کل سرمایہ داروں اور محنت کشوں کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ اصل چیز سرمایہ ہے یا محنت۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل چیز سرمایہ ہے، سرمایہ ہوگا تو محنت کے مواقع پیدا ہوں گے لہٰذا سرمایہ مقدم ہے دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے اگر محنت ہی نہیں ہے تو سرمایہ کہاں سے آئے گا، لہٰذا وہ مزدوروں کے حقوق کو مقدم سمجھتے ہیں، مگر قرآن کہتا ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ سرمایہ دار ہے اور نہ محنت کش بلکہ مالک حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ انسانی ملکیت عارضی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لیے ملکیت ان کو عطا کی ہے۔ ان سے پہلے بھی وہی مالک تھا اور ان کے بعد

بھی وہی مالک ہوگا۔ لہٰذا اُس کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں امن قائم رہے۔

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ — فرمایا ہم نے کچھ پیدا کر کے انسانوں کی مکیت میں دے دیئے وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ اور پھر ان حیوانوں کو انسانوں کے تابع کر دیا۔ اونٹ، گھوڑا، گائے بھینس کتنے بڑے بڑے جانور ہیں۔ جو انسان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں مگر اللہ نے ان کے طبائع میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں انسان کی خدمت کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اتنے طاقتور ہونے کے باوجود انسان کے اشارے پر چلتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو انسان کو مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ بعض ان میں سے وہ ہیں جو انسانوں کے لیے سواری کا کام دیتے ہیں۔ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ دیکھ لیں گدھا، خچر، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سواری کا کام دیتے ہیں اور گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ — فرمایا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ان جانوروں میں انسانوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔ ان کے بال، کھال، ہڈیاں، چربی، گھی، سینگ اور چمڑا یہ سب انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ جانوروں کا تو گوبر بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کو سکھا کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کھال استعمال میں لائی جاتی ہے اب تو توانائی پیدا کرنے کے لیے گوبر کے پلانٹ بھی لگ رہے ہیں وَمَشَارِبُ — اور جانور انسانوں کے لیے پینے کے گھاٹ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تھنوں میں دودھ پیدا کر دیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے فرمایا فَلَوْلَا يَشْكُرُوْنَ اتنے فوائد حاصل کرنے کے باوجود بھی کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ امام بیہقیؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث بیان

(فیاض)

لہ مظہری، ص ۹۸ ج ۸

کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کی حالت عجیب ہے اَخْلُقُ وَ یُعْبَدُ غَیْرِیْ کہ پیدا میں کرتا ہوں مگر یہ عبادت دوسروں کی کرتے ہیں نیز فرمایا۔ میں تو دیتا ہوں مگر یہ شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں، انسانوں کی طرح جن بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہیں اور وہ بھی شرک گزاری کرتے ہیں الامانۃ اللہ! کفر شرک بدعت شرک ریا کا نتیجہ ہے۔ ظلم و تعدی، معصیت سب ناشکر گزاری کا نتیجہ ہیں۔ اگر انسان اللہ کی نعمتوں کی قدر کرتے تو شکر گزار بنتے۔

شرک کی تردید

آگے اللہ نے شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً انہوں نے اللہ کے سوا اپنے معبود بنا رکھے ہیں۔ جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں ان کو افوق الاسباب پکارتے ہیں انکے نام کی دھائی دیتے ہیں یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں ——— کیونکہ خالق اور مالک تو میں ہوں۔ اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو لہٰذا یہ غیروں کو معبود کیوں بناتے ہیں؟ اور ایسا کرنے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ شاید کہ وہ مدد کیے جائیں۔ یہ معبود مشکل وقت میں ان کی مدد کو پہنچیں گے۔ فرمایا وہ بیچارے ان کی کیا مدد کریں گے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وہ تو اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ان کی حالت تو یہ ہو گی وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ یہ لوگ اُن معبودوں کے لشکر ہوں گے اور سب کو پکڑ کر حاضر کیا جائے گا۔ سب عابد اور معبود اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو اللہ پوچھے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے۔ مگر کسی سے کوئی جواب بن نہیں آئے گا۔ اور پھر عابد اور معبود ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے، اس کی وضاحت اگلی سورۃ میں آ رہی ہے۔

تسلی کا مضمون

کافر اور مشرک لوگ پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتے تھے۔ اللہ نے تسلی کے طور پر فرمایا فَلَا يَحْزُنْكَ

قَوْلُهُمْ ان کی باتیں آپ کو غم میں نہ ڈالیں۔ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے علم سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ہم ان کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہیں اور ظاہری حرکات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ ان کی خفیہ سازشیں بھی ہمارے سامنے ہیں اور ان کے نفاق کو ہم جانتے ہیں۔ کافر قومیں نے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا، آپ غم نہ کریں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں، ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ
فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ
اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيْمُ ﴿٧٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ
الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۙ
وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ
اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع ١٦

ترجمہ: کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بیشک ہم نے پیدا
کیا ہے اس کو ایک قطرۂ آب سے۔ پس اچانک
وہ بڑا جھگڑنے والا ہے ﴿٧٧﴾ اور وہ بیان کرتا ہے

ہمارے لیے مثالیں، اور بھول گیا ہے اپنی پیدائش کو۔ کہتا ہے
کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی
ہوں گی (۷۸) آپ کہہ دیجیے، زندہ کرے گا ان کو وہ
جس نے پیدا کیا ہے ان کو پہلی مرتبہ۔ اور وہ ہر پیدائش
کو خوب جاننے والا ہے (۷۹) وہ جس نے بنائی ہے
تمہارے لیے سبز درخت سے آگ۔ پس اچانک تم اس
سے سلگاتے ہو (۸۰) کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے
پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، قادر اس پر کہ پیدا کرے
مثل ان جیسے۔ کیوں نہیں۔ وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے
والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۸۱) بیشک اس
کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں
تو کہتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی
ہے (۸۲) پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست
قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف
تم لوٹائے جاؤ گے (۸۳)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے توحید کے عقلی دلائل دیے ہیں میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی دلائل وقوع قیامت کے لیے بھی کافی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کفار و مشرکین کی بیہودہ باتوں سے غمگین نہ ہوں، ہم ان کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور ان کے عقائد و اعمال کا ضرور بدلہ دیں گے۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلائل پیش کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ہے۔

انسان کی پیدائش

ارشاد ہوتا ہے فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۔ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۔ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۔ کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت انسان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ سورۃ سجدہ میں فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ (آیت ۸) ہم نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اس کی نسل کو حقیر پانی سے جو پیشاب کی طرح ناپاک ہے اور اگر کسی کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ سورۃ الطارق میں ہے فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ انسان غور کرے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ اسے اچھلنے والے پانی سے تخلیق کیا گیا ہے يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ جو پیٹھ اور پسلی کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر انسان اپنی پیدائش میں ہی غور کرے تو اس کا تمام غرور و تکبر ختم ہو جائے اور وہ اللہ کے معاملات میں حجت بازی نہ کرے۔

دوبارہ زندگی پر جھگڑنا

فرمایا کہ ہم نے تو انسان کو ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ مگر اچانک وہ بڑا جھگڑالو بنا ہوا ہے۔ اسے تو خود پیدائش کو دیکھ کر ہی وحدانیت کا قائل ہونا چاہیئے تھا مگر وہ روز قیامت اور دلائل قدرت کے انکار میں طرح طرح کی حجت بازی کرتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور ہمارے سامنے طرح طرح کی مثالیں بیان کرتا ہے وَنَسِيَ خَلْقَهُ اور اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے کہ وہ کس نے کن ذرائع سے کی۔ فرمایا انسان اب تک مغالطہ میں ہے کہ وہ دوبارہ زندگی کے متعلق یہ دلیل پیش کرتا ہے قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ یہ بھربھری ہو جائیں گی۔ بعض مشرکین بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ سے مسل کر کہتے تھے کہ کیا یہ ہڈیاں دوبارہ زندگی سے آشنا ہوں گی جو چورہ چورہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں؟ سورۂ سجدہ میں اللہ نے مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ (آیت ۱۰) کیا جب ہم گل سڑ کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدائش میں ظاہر ہوں گے؟ سورۃ النّٰزعٰت میں بھی ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (آیت ۱۱) جب ہماری ہڈیاں بھربھری ہو جائیں گی تو کیا ہمیں دوبارہ حیات نصیب ہوگی؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت گویائی بخشی ہے مگر وہ اسی قوت کو بروئے کار لا کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور اس کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اس کے معاملات میں جھگڑا کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ان بوسیدہ ہڈیوں میں حیات کے عود کر آنے کو بعید خیال کرتے ہو مگر یاد رکھو يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا جب کہ ان کا کوئی وجود بھی مرجود نہ تھا اب جب کہ ایک چیز وجود میں آچکی ہے تم تسلیم کرتے ہو کہ اللہ نے قطرہ آب کو خون میں تبدیل کیا پھر اسکا گوشت بنایا، اس میں ہڈیاں پیدا کیں اور ان کے اوپر گوشت چڑھایا اور پھر پورے جسم کی حفاظت کے لیے اس کے اوپر کھال پیدا کی، اس کا ہر ہر عضو نہایت موزوں طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۴) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں تخلیق کیا۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے سب کچھ پہلی مرتبہ کیا، کیا وہ اس کا اعادہ کرنے پر قادر نہیں؟ حقیقت یہ ہے وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ کہ وہ ہر پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

درختوں سے آگ کی مثال

اللہ نے یہی بات ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھائی ہے اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے سبز درختوں سے آگ پیدا فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ ہرے بھرے درخت ہوتے ہیں جن کے تنے، شاخوں اور پتوں میں کافی مقدار میں

ملاحت ہوتی ہے مگر یہ درخت خشک ہو کر جلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سبز درخت سے مراد مستفاد چیزیں ہیں۔ عرب میں دو قسم کے درخت ہوتے تھے، ایک کا نام مرخ اور دوسرے کا عفار تھا۔ ان دونوں درختوں کی ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے بکثرت جس طرح آگ نکلتی تھی جس طرح چقماق کے دو پتھر رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا گھوڑے کے سم پتھروں سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں حیات بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جب سبز درختوں سے آگ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ تو چونکہ تم اس سے سلگاتے ہو اور یہی آگ کھانا پکانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔

مصر کے جدید علوم کے ماہر مفسر قرآن طنطاویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے درخت کے سبز پتوں کو عجیب حکمت کے تحت تخلیق کیا ہے۔ سورج کی روشنی کے دوران درختوں کے پتے آکسیجن ہی زندگی بخش گیس پیتے اور خارج کرتے رہتے ہیں۔ ہر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں یہی آکسیجن جاتی ہے جس سے اس کا خون صاف ہوتا رہتا ہے اور اس کو زندگی قائم رہتی ہے۔ اگر یہی سانس تھوڑی دیر کے لیے رک جائے تو انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض سخت لاغر ہو جاتا ہے اور وہ معمول کے مطابق سانس لینے کی قوت بھی نہیں رکھتا تو پھر اس کے جسم میں مصنوعی طریقے سے سلنڈر کے ذریعے آکسیجن پہنچائی جاتی ہے۔ بہرحال درخت دن کے وقت آکسیجن اپنے پتوں کے ذریعے اندر کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں، اسی لیے تجربہ کار لوگ رات کو درختوں کے نیچے سونے سے منع کرتے ہیں۔

۱؎ تفسیر الجواہر طنطاوی ص ۱۹۳ تا ۱۹۴ ج ۱۲ (ایاض)

آکسیجن ایک تیز گیس ہے جس میں آتشیں مادہ بھی پایا جاتا ہے اور آکسیجن کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی، تو گویا اللہ نے درختوں میں آکسیجن کا ذخیرہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ آگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح پانی میں بھی دو گیسیں پائی جاتی ہیں یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن گویا قدرت نے پانی میں بھی آگ کا مادہ رکھا ہے۔ تو اللہ نے درخت کی مثال بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت کا شاہکار ذکر کیا ہے کہ وہ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے تو کیا بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ زندگی نہیں لا سکتا؟ ضرور لا سکتا ہے اور وہ ایسا کرے گا۔

آسمان و زمین کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان اس انداز میں کیا ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ کیا آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ذات ان جیسے اور پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ خدا نے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کر دی ہیں تو وہ ان لوگوں جیسی شکل و صورت والے دوسرے لوگ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو ذرا مشکل ہوتا ہے جب کہ پہلے سے اس کا نمونہ بھی موجود نہ ہو، مگر جب ایک انسان کو پیدا کر دیا اور پھر اس نے پچاس سو سال عرصہ بھی گزار دیا ہو تو اس کا دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہو سکتا دوسری جگہ فرمایا کہ تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ و نسل کے لوگ پیدا کر رہا ہے، نباتات، حیوانات اور جمادات کو پیدا کر رہا ہے، لہٰذا وہ انہی لوگوں کو انہی اجسام اور انہی شکل و صورت کے ساتھ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی یقیناً قادر ہے فرمایا بلیٰ کیوں نہیں وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے، اس کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے۔ علیم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام عناصر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، لہٰذا وہ ان سب کو دوبارہ جمع کر کے انسان کو اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ قیامت کا انکار تو بیوقوفی کی بات ہے، البتہ کوئی یہ کہے کہ

اللہ تعالیٰ ابھی قیامت برپا کیوں نہیں کر دیتا اور پھر لوگوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا، تو یہ اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر فرد کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی طرح ساری کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا۔ تو یہ سارا نظام تہہ و بالا کر کے نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اُس وقت تمام انسان دوبارہ اپنے اجسام کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

فرمایا، اللہ تعالیٰ قدرت تامہ کا مالک ہے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا فَيَكُوْنُ پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس وقت جس شکل صورت، جس وصف اور جس مرتبے کی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے، پھر تاخیر نہیں ہوتی۔

پھر آخر میں فرمایا فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے اور مطلب ہے مکمل اقتدار، اختیار یا بادشاہی۔ تو ہر چیز کا اقتدار اسی ذات کے پاس ہے، جو ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ہر اس شرک سے منزہ ہے جس کو مشرک لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے گویا تمام امور کی ابتدا بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے پہلے سورۃ فاطر کی ابتدا میں بھی گزر چکا ہے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (آیت ۴) تمام کام لوٹ کر اُسی اللہ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اُسی عدالت میں پہنچنا ہے۔ جہاں حساب ہوگا۔ اور اگر ایمان اور توحید کو اختیار نہ کیا تو سخت گرفت آئے گی کیونکہ کوئی چیز اللہ کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے، وہ ہر عیب

اور نقص سے پاک ہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں اس کا خلاصہ دہرایا گیا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت، توحید اور وقوعِ قیامت کے دلائل اور رسالت کا کچھ حصہ بھی ضمناً آگیا ہے۔

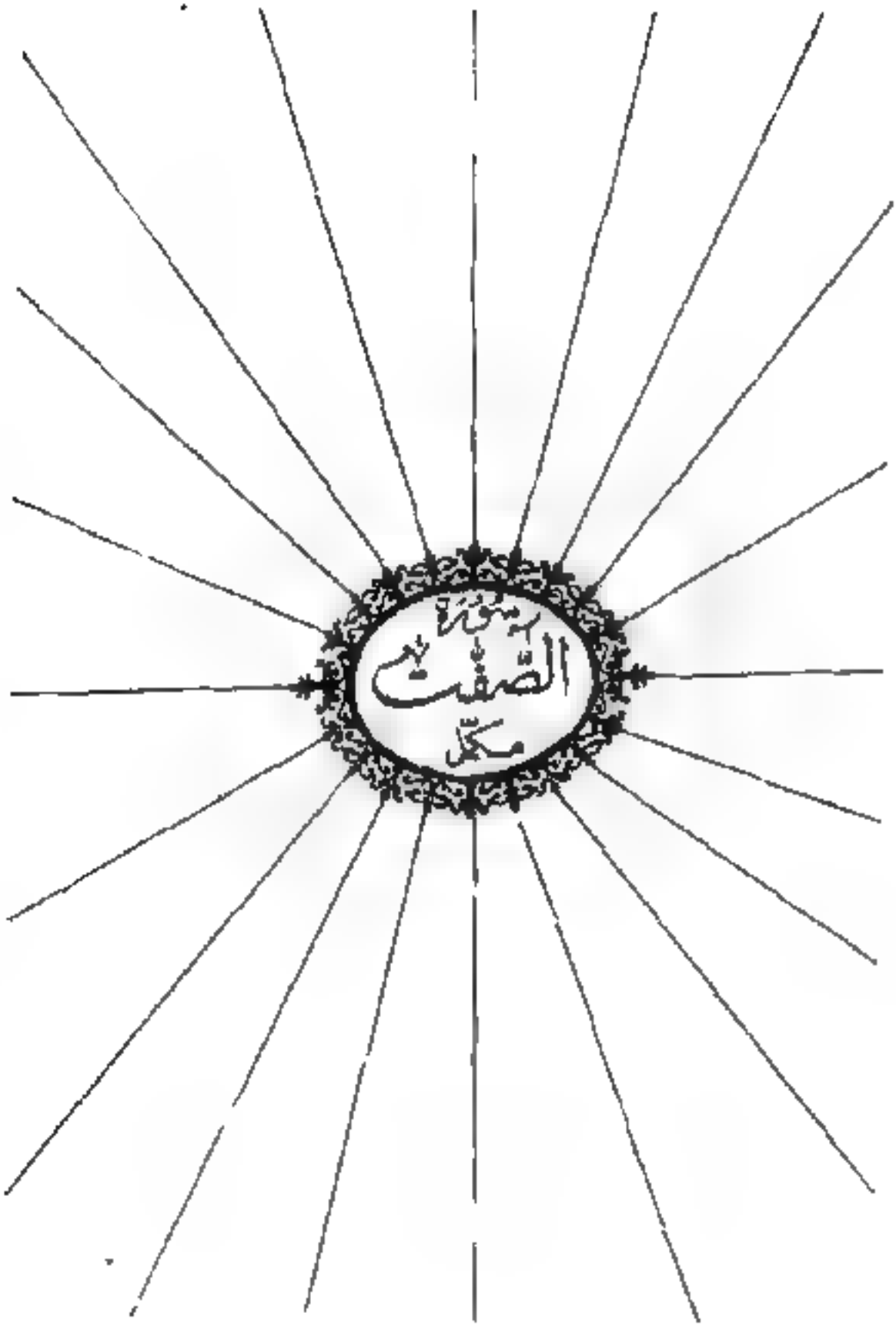
سورة
الصّٰفّٰت
مكية

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صٰفّٰت مکی ہے۔ اس کی ایک سو اکیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲
فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ
الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸
دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنْ
خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ
ثَاقِبٌ ۝۱۰

ترجمہ:۔ قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار
بنا کر ۝۱ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ۝۲
اور تلاوت کرنے والوں کی ذکر ۝۳ بیشک تمہارا معبود

ایک ہی معبود ہے (۴) جو پروردگار ہے آسمانوں اور
زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور پروردگار
ہے مشرقوں کا (۵) بے شک ہم نے مزین کیا ہے
آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے (۶) اور ان کے
ذریعے حفاظت کی جاتی ہے ہر سرکش شیطان سے (۷)
نہیں سن سکتے یہ ملاءِ اعلیٰ کی بات کو، اور پھینکے جاتے
ہیں وہ ہر جانب سے (۸) دھکیلے ہوئے، اور ان کے
لیے عذاب ہے ہمیشہ کے لیے (۹) ہاں! مگر جس
نے اچک لیا کسی بات کو اچکنا، پس اس کے پیچھے
لگتا ہے چمکتا ہوا شہاب (۱۰)

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصّٰفّٰت ہے جو کہ اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی دور میں سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں اور یہ سورۃ آٹھ سو ساٹھ الفاظ اور تین ہزار آٹھ سو انتیس حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید و رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ہی ذکر ہے، تاہم توحید کا بیان سب سے زیادہ ہے۔ اس سورۃ میں بعض نئے دلائل قدرت بیان کیے گئے ہیں، جو دلائل توحید اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، الیاس علیہ السلام اور لیسع علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے مذکورہ مضامین کے علاوہ بعض ضمنی مضامین بھی آ گئے ہیں۔ فرشتوں کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور بعض انہیں معبود سمجھتے تھے، ہر زمانے میں مشرک لوگ فرشتوں

سے غائبانہ امداد طلب کرتے ہے ہیں، چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا میں جو قسم اٹھائی گئی ہے اس کے مصداق بھی فرشتے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ تو خود اللہ کے حکم کے تابع ہیں، پھر تم اُن کو کس طرح معبود سمجھتے ہو۔

فرشتوں کی صف بندی

اس سورۃ کی ابتدا قسم سے ہوتی ہے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا قسم ہے قطار در قطار ہو کر صف باندھنے والوں کی۔ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتے ہیں۔ یہی بات سورۃ کے آخر میں بھی آئے گی۔ وہاں اللہ نے فرشتوں کی زبان سے کہلایا ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (آیت ۱۶۵) ہم تو ہر وقت صف باندھے کھڑے رہتے ہیں تاکہ اللہ کا حکم ہو کہ اُس کی تعمیل کریں۔ غرضیکہ اللہ کے فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے عبادت الٰہی کے لیے صف بستہ رہتے ہیں۔ اسی طرح صف بندی سے مراد اہل ایمان اللہ کی صفت بھی مراد ہو سکتی ہے ان کو بھی اعلیٰ ترین عبادت نماز کے لیے صف بندی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

صف بندی کی اہمیت

اہل ایمان سے صف بندی در مقامات پر مطلوب ہے ایک نماز کے لیے اور دوسرے میدان جنگ میں جہاد کے لیے۔ سورۃ الصف میں جہاد کے لیے ہی صف بندی کی ترغیب دی گئی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (آیت ۴) اللہ تعالیٰ اُس کے راستے (جہاد) میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا لوگو! تم نماز کے لیے اُس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے

لہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰ و مظہری ج ۸ ص ۱۵ و خازن ج ۴ ص ۱۰۰ (فیاض)

پروردگار کے ہاں صف بندی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی حضور! فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ فرمایا یُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَیَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں، یعنی درمیان میں خلا نہیں چھوڑتے۔ بعض روایات کے الفاظ ہیں وَکَانُوْا یَتَدَابَرُوْنَ فُرْجَاتِ الشَّیْطٰنِ کہ وہ شیطان کے لیے شگاف نہیں چھوڑتے نمازیوں کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اسی قدر شیطان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہوگی، اور وہ نماز میں خلل ہوگا۔ اس کے لیے صفوں کا تاکیدی حکم آیا ہے پہلی صف میں بالغ اور عمر رسیدہ لوگ کھڑے ہوں اس کے بعد بچوں کی صف ہو اور پھر آخر میں عورتیں صف بنائیں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے خود صفوں کی درستگی فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرمایا کرتے تھے حَتّٰی کَاَنَّمَا یُسَوِّیْ بِهَا الْقِدَاحَ (مسلم) اگر یا کر صف سے تیر سیدھا کیا جائے گو۔ اس طرح جب حضور علیہ السلام جہاد کے لیے صف بندی کرتے تو اس میں بھی کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے تھے۔[1]

صف کے الفاظ سے نظم و ضبط اور باقاعدگی کی تعلیم ملتی ہے ہر کام پورے طریقے کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ باقی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ چنانچہ یہ قلبی زندگی کے نظام میں بھی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بہرحال صف بندی ہماری امت کی خصوصیت ہے۔ دیگر خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو امت محمدیہ کے لیے مسجد قرار دیا ہے اور طہارت کے لیے مٹی کو پاک قرار دیا ہے جو ہر جگہ میسر رہتا ہے۔

پہلے فرشتوں یا انسانوں کی صف بندی کی قسم اٹھائی پھر فرمایا۔

ضرورت زجر کی

---

[1] مسلم ص (فیاض)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا قسم ہے زجر کرنے والوں یعنی ڈانٹ پلانے والوں کی جو جھڑک کر ڈانٹ پلاتے ہیں، اس زجر کے دو مصداق ہو سکتے ہیں۔ فرشتے یا تو شیاطین کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور ان کو بھگاتے ہیں، تاکہ وہ اوپر جا کر عالم بالا کی بات نہ سن سکیں۔ اور یا بادلوں کو زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں، اور جدھر بادل ہانکنا مقصود ہوتی ہے، ادھر ہانک کر لے جاتے ہیں۔ زجر سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مجرموں کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے ان کو ڈانٹ پلائی جائے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ برائی سے منع کرنے کے لیے ڈانٹ درست ہے۔ نیک انسان ہمیشہ اپنے نفس کو برائی سے ڈانٹ پلاتے ہیں تاکہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس طرح میدان جہاد میں کافروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔ یہ تمام مراقع زجر میں داخل ہیں اور اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

ذکر الٰہی

آگے فرمایا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی۔ اس سے مراد یا تو اللہ کے فرشتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی تلاوت کرتے ہیں یعنی اس طرف ہمہ تن گوش رہتے ہیں، اور یا اس سے انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں جو ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً سورۃ الجمعہ میں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت ۱۰) اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو، تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت ۴۵) یقین جانو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ بخاری شریف کی روایت[2] میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس

---

[1] ترمذی شریف ص

[2] مظہری ص۱۰۵ ج۸ و روح المعانی ص۲۳۲ ج۲۳ [3] بخاری ص (فیاض)

کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ صحیحین کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر دوسروں کے سامنے کرتا ہے، تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

بہرحال ذکر دو طرح سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے کلام پاک پڑھا جائے درود شریف پڑھا جائے یا دیگر وظائف کئے جائیں تو یہ انسان کے اپنے فائدے کے لیے ہوتا ہے جس سے اُسے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرشتے بھی اپنے پروردگار کا ذکر اُس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ اس سے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

وحدانیت کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے ذکر کو تین قسمیں بتا کر یعنی تاکیداً فرمایا اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ بیشک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ ہر نیک انسان، جن اور فرشتہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں، جنوں یا فرشتوں کو معبود بنانا تو بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ وہ تو خود اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس طریقے سے اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم سے کوئی نافرمانی کی بات سرزد نہ ہو جائے۔ اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل اُس کے منشاء کے مطابق ٹھیک طریقے سے ہو۔ فرشتے بھی اللہ کی اطاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پھر انہی کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ لہٰذا مشرکین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو معبود مان کر اُس کی عبادت کریں یا اُس کی دہائی دیں یا اُس کے سامنے نذر و نیاز پیش کریں، حالانکہ معبود برحق تو ایک ہی ہے جو سب جہانوں کا خالق و مالک

متصرف اور مربی ہے۔ بہرحال فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں یا انسان سب سجدہ ہی دیتے ہیں کہ معبود حقیقی صرف ایسا ہی ہے۔

رب المشرق

اور وہ کون ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا اسی پر درست کرنے والا یعنی ہر چیز کی اس طرح نشوونما کرنا کہ وہ بتدریج حد کمال تک پہنچ جائے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ انسانوں، جانوروں، نباتات اور جمادات سب کا پروردگار ہے اور اس کام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر چیز کی پرورش، نگرانی اور حفاظت اسی کے ذمہ ہے۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اور مشرقوں کا رب بھی وہی ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت ۱۷) بھی آیا ہے یعنی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (المعارج ۴۰) بھی آیا ہے کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کا وہی پروردگار ہے۔ غرضیکہ مشرق اور مغرب، واحد، تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں واحد کا صیغہ ہے وہاں پر عام فہم معنی ہے کہ مشرق اور مغرب کا پروردگار اللہ ہے۔ جہاں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ سردی اور گرمی ہر دو موسموں کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ ہے۔ ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج اور جگہ سے طلوع اور دوسری جگہ غروب ہوتا ہے، جب کہ موسم سرما میں اس کا مشرق و مغرب قدرے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ہر دن سورج کا مشرق و مغرب مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہر روز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا رہتا ہے لہٰذا ان تمام مشارق و مغارب کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ اس مقام میں صرف مشارق کا لفظ آیا ہے اور مغارب نہیں لایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرق ذکر کرنے سے مغرب خود بخود ذہن میں آجاتا ہے کہ جس سورج نے طلوع ہونا

ہے، وہ مغرب بھی ہوگا۔ لہٰذا یہاں پر مغرب کا ذکر نہیں کیا گیا تو فرمایا مشرق و مغرب کا رب بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔

آسمان دنیا کی زینت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ الْكَوَاكِبِ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق آسمان تو سات ہیں مگر ہمیں صرف ایک ہی نظر آتا ہے جسے آسمان دنیا کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آسمان پر ستارے بکھیر کر اس کو خوشنما بنایا ہے۔ رات کے وقت چاند اور ستارے نظر آتے ہیں ان کروڑوں ستاروں کے مختلف سائز اور مختلف رنگ ہیں۔ کوئی سفیدی مائل اور کوئی سرخی مائل، کوئی نیلگوں اور کوئی سبزی مائل ہیں۔ اللہ نے ان میں اتنی چمک پیدا کر دی ہے جیسے قندیلیں روشن ہوں۔ فرمایا ستارے کیا ہیں آسمان دنیا کی زینت ہیں اور ان کا دوسرا کام یہ ہے وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ کہ یہ ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ شیطان اوپر جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے کان میں کوئی اچکا ڈکا بات پڑ گئی تو وہ اگلے اپنے کاہنوں کو بتلاتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے ساتھیوں کو بتاتے اور اس طرح ان کا کام چلتا رہتا۔ جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کا آسمان پر داخلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے ان کو اوپر جانے سے روکتے ہیں اسی بات کے متعلق فرمایا لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى نہ سنتے ہیں اوپر والے فرشتوں کی بات کی وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دھکے دھکے کر پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے دھکیلے ہوئے۔ جب بھی کوئی شیطان جانے کی کوشش کرتا ہے، فرشتے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے کہ ان پر شہاب پھینکے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کوئی مر جاتا ہے اور کوئی لنگڑا ہو جاتا ہے اور اس طرح وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ شیاطین خود خدا کے نافرمان ہیں اور دوسروں

کو بھی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے دلوں میں بُرے وسوسے ڈالتے ہیں۔
لہٰذا انہیں ہمیشہ مار پڑتی رہتی ہے۔

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ — چلتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے

لہٰذا وہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ شیاطین کی یہ کوشش جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی اگرچہ وہ انسانوں کو حتی الامکان گمراہ کر سکیں۔ تاہم شہاب ثاقب بھی ان کا پیچھا کر کے انہیں بھگاتے رہیں گے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی کسی پہاڑ کو سر کرنے کے لیے کتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کرنے میں ڈیڑھ سو سال صرف ہوئے تھے اور تب جا کر اس میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس طرح شیاطین بھی اوپر جا کر معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور اس کوشش میں وہ مرتے بھی رہتے ہیں۔ مگر ان کے جانشین یہ کوشش جاری رکھتے ہیں اور پٹتے رہتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ
إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ
وَيَسْخَرُونَ ۝١٢ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۝١٣
وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝١٤ وَقَالُوا إِنْ هٰذَا
إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝١٥ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا
أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝١٦ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝١٧
قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۝١٨ فَإِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۝١٩
وَقَالُوا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ۝٢٠ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝٢١ ع
احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا
يَعْبُدُونَ ۝٢٢ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَاهْدُوهُمْ إِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝٢٣ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ
مَسْئُولُونَ ۝٢٤ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝٢٥ بَلْ
هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝٢٦ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُونَ ۝٢٧ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن
سُلْطَانٍ ۚ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ
عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ
إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي
الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ:- پس آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ زیادہ
سخت ہیں بنانے میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے
بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے چپکنے والی مٹی
سے (۱۱) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ ٹھٹھا کرتے
ہیں (۱۲) اور جب ان کو یاد دلایا جائے تو نصیحت
نہیں پکڑتے (۱۳) اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی
تو ہنسی اڑاتے ہیں (۱۴) اور کہتے ہیں، نہیں ہے یہ
مگر کھلا جادو (۱۵) کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں
گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۶)
کیا ہمارے آباؤاجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (۱۷)
آپ کہہ دیجئے ہاں، اور تم ذلیل ہو گے (۱۸) اور بیشک
وہ ایک ہی ڈانٹ ہوگی، پس اچانک وہ دیکھ رہے

ہوں گے (۱۹) اور کہیں گے وہ ہائے ہماری خرابی
یہ تو جزا کا دن ہے (۲۰) ہاں یہ فیصلے کا دن ہے
جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۱) (حکم ہوگا) اکٹھا کرو
ان کو جنہوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو، اور
جن کی وہ پوجا کرتے تھے (۲۲) اللہ کے سوا، پس
چلاؤ ان کو جہنم کے راستے کی طرف (۲۳) اور کھڑا
کرو ان کو، بیشک ان سے پوچھا جائے گا (۲۴) کیا ہوا
ہے، تم کو، ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (۲۵)
بلکہ وہ آج کے دن (ایک دوسرے کو) پکڑانے والے
ہوں گے (۲۶) اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے
بعض پر اور پوچھیں گے (۲۷) کہیں گے، تحقیق تم آتے
تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے (۲۸) وہ کہیں گے
بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے (۲۹) اور نہیں تھا
ہمارا بس تم پر کوئی غلبہ، بلکہ تم تھے سرکشی کرنے
والے لوگ (۳۰) پس ثابت ہو گئی ہے ہم پر بات
ہمارے پروردگار کی، بیشک ہم چکھنے والے ہیں عذاب
کا مزا (۳۱) پھر ہم نے گمراہ کیا تمہیں کیونکہ بیشک
ہم بھی گمراہ تھے (۳۲) پس بیشک یہ لوگ اس دن عذاب
میں شریک ہوں گے (۳۳) ہم اسی طرح کرتے ہیں
مجرموں کے ساتھ (۳۴) بیشک یہ لوگ کہ جب ان
کے سامنے کہا جاتا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو تکبر
کرتے تھے (۳۵)

اس سورۃ کی ابتدا میں صف بندی کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا گیا اور

تخلیق انسانی
کے دلائل

جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی دختریت کا اطلاق کیا گیا۔ ملائکہ کی صف بندی یا ان کی نماز اور عبادت کے لیے صف بندی خود اللہ کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ جب تمام ملائکہ اور انبیاء اور صلحائے امت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں تو پھر مشرک لوگ غیروں کو سجدہ اور ان کی نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہیں اور ان سے حاجت براری کی کیسے توقع رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک، مربی اور متصرف ہے لہٰذا معبود حقیقی بھی وہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَفْتِهِمْ ذرا ان سے پوچھیں کہ یہ لوگ کس بنا پر انکار کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا کیا پیدائش میں زیادہ سخت ہیں یا وہ چیزیں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے۔ یہ انسان جیسی چھوٹی سی چیز کی دوبارہ تخلیق محال سمجھتے ہیں حالانکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (آیت ۵) یعنی آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی چیزوں کے خالق و مالک اور مدبر بھی ہم ہیں۔ مشرکین اور منکرین معاد سے استفسار یہ ہے کہ کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان والے تمام کروں کی تخلیق مشکل ہے یا تمہاری۔ مطلب یہ ہے کہ جو قادر مطلق اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے، وہ تمہیں دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ فرمایا تمہارا دوبارہ تخلیق بھی زیادہ سخت نہیں۔ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ہم نے بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا اور پھر آگے نسل انسانی کو قطرۂ آب سے چلایا۔ بھلا یہ کون سا کام ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو۔ فرمایا بَلْ عَجِبْتَ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی حماقت پر کہ انسان کی تخلیق کو محال تصور کرتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے وَيَسْخَرُوْنَ کہ یہ آپ کی باتوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔

منکرین کی حجت بازی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس زندگی کا حساب کتاب آگے چل کر دینا پڑے گا، تمام مردے دوبارہ زندہ ہوں گے اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے تو یہ لوگ کچھ نصیحت نہیں پکڑتے۔ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً اور جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شق القمر اور دوسرے معجزات ظاہر فرمائے۔ تو ایسی چیزیں دیکھ کر يَسْتَسْخِرُوْنَ ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں ایمان نہیں لاتے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ اور کہتے ہیں نہیں ہے مگر کھلا جادو دوسری جگہ فرمایا کہ معجزہ دیکھ کر یہ لوگ کہتے ہیں اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ (یونس ۲) یہ تو کھلا جادو گر ہے۔ یہ نبوت کا دعویدار شخص کہتا ہے کہ یہ نشانی اللہ نے ظاہر کی ہے حالانکہ اس قسم کی چیزیں عام جادوگر پیش کرتے رہتے ہیں، یہ کونسی اوکھی بات ہے۔

فرمایا یہ اتنے بدمذاق لوگ ہیں جو کہتے ہیں ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں رل مل جائے گا اور صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ تو کیا دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اور کیا پہلے گزرے ہوئے ہمارے آباؤ اجداد بھی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟ کہتے تھے یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی کہ جب ہمارے ذرات مٹی میں منتشر ہو جائیں گے، تو وہ پھر جمع ہو کر ہماری زندگی کا باعث بن جائیں گے۔

اللہ نے جواباً فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں نَعَمْ ہاں بلاشبہ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد سب اولین اور آخرین دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور تم اس انکار کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہو گے فرمایا جب قیامت کا دن آئے گا فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ تو ایک ہی ڈانٹ آئے گی یعنی ایک ہی دفعہ بگل بجے گا فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ

اور وہ سب کچھ سہے ہوں گے۔ وقوعِ قیامت کے بعد کے ساتھ ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے، اُس وقت اُن کا سارا غرور و تکبر ہوا ہو جائے گا، بڑے بڑے چوہدری، رئیس سردار، وڈیرے اور جاگیردار ذلت کی حالت میں فرشتوں کے گرد گھیرے میں چل رہے ہوں گے۔ اُس وقت اُن کو حقیقت کا پتہ چلے گا، اور پھر کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے وَقَالُوا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ہائے افسوس ہمارے بربادی کا دن آگیا ہے۔ اللہ کے نبی ہمیں اسی دن سے ڈرایا کرتے تھے، مگر ہم اس سے انکار کرتے اور نبیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ یہ وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور کہتے تھے، کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا، نہ حساب کتاب ہوگا اور نہ جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا دیکھ لو یہ فیصلے کا دن آچکا ہے۔ آج تمہیں اپنی زندگی کے اعتقاد و اعمال کا جائزہ لینا ہوگا اور تمہیں اس کا ماحاصل کرنا ہے گا۔

دوزخ کی طرف روانگی

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ان ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جو زندگی بھر کفر، شرک، تجاوز، قتل ناحق زنا، چوری، ڈاکہ، حق تلفی اور دیگر جرائم میں ملوث رہے اُن کو اکٹھا کرو اور اُن کی بیویاں بھی اگر شریکِ جرم تھیں تو اُن کو بھی ساتھ لاؤ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جوڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں جمع کرو جیسا فارسی کا مقولہ ہے کہ

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز"

سب کی علیحدہ علیحدہ قطاریں بنا دو اور ساتھ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُن مجبودانِ باطلہ کو بھی اکٹھا کرو جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ مجرم جن ہستیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور جن

کے سامنے خود دنیا میں پیش کرتے تھے، ان کو بھی ان کے ساتھ ہی جمع کرو۔
فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ پھر انہیں ہانک کر جہنم کے
رستے کی طرف لے چلو۔

پھر فرمایا وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ان کو ذرا ٹھہراؤ، روکو کیونکہ ان سے
پوچھ گچھ کی جائے گی۔ ان سے پوچھا جائے گا۔ ان کو ذرا روکو کہ ان سے ان کی کارکردگی
کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ النحل میں ہے کہ اس دن ہر شخص سے اس کے ہر ہر عمل
کے متعلق پوچھا جائے گا لہ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا
(آیت ۱۱۱) اس دن ہر شخص کو اپنی جواب دہی خود کرنا ہوگی۔ وہاں کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا
جا سکے گا اور نہ کسی کو صفائی پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ ہر ایک کو بلا ترجمان اللہ کے
حضور ہر عمل کا جواب اصالتاً دینا پڑے گا۔ اور جب تک کوئی شخص جواب نہیں
دے لے گا۔ اسے قدم تک نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا دنیا میں تو
ایک دوسرے کے بڑے حمایتی بنے پھرتے تھے، بڑے نعرے لگایا کرتے تھے۔
اور اکٹھے جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ
تمہیں کیا ہے کہ آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ مگر ان کی حالت یہ ہو
گی بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ اس دن تو سب ایک دوسرے کو پکڑوانے
کی کوشش کریں گے تاکہ وہ خود کسی طرح بچ جائیں اس وقت تو کہتے تھے نَحْنُ
جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ (القمر ۴۴) کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے اب
کیوں مدد نہیں کرتے بلکہ چھپتے پھرتے ہو۔ اس دن سب بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔
اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں مروایا۔

تبادلۂ خیال کا موضوع کیا ہوگا

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ان میں سے
بعض بعض پر متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا
عَنِ الْيَمِينِ کہیں گے کہ تم تو ہماری دائیں طرف سے آتے تھے مطلب
یہ کہ تم بڑی قوت کے ساتھ اپنے پراپیگنڈا کا شکار ہمیں بناتے ——

تھے وہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے تھے کبھی لالچ دیتے تو کبھی خوفزدہ کرتے تھے، مگر آج کہہ رہا ہے ہرا اور ہمارا مدد کیوں نہیں کرتے؟ قَالُوْا وہ جواب دیں گے بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے۔ اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے پکارے میں آتے دیکھو! وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ تو خود ہی حد سے بڑھنے والے سرکش لوگ تھے جس کی وجہ سے آج تمہیں یہ ذلت دیکھنا نصیب ہوا یہ قرآن اور جو حشر انسانوں کا ہونا ہے، قیامت والے دن شیطان بھی اپنی کرتوتوں کا انکار کرے گا اور اس کے پیچھے چلنے والے نامراد ہو کر رہ جائیں گے یہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم وہ ہیں جو ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتے تھے، ہماری نظروں میں دنیا کی زیب و زینت اور رسم و رواج کو مزین کر کے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آگے کچھ نہیں ہے، سب آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ تو اس وقت شیطان بھی یہی جواب دے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (ابراہیم - ۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگا لیا ہو بلکہ میں نے تمہیں ایک دعوت دی تھی جسے تم نے خود قبول کر لیا، لہٰذا آج فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو جو غلط راستے پر چل نکلے۔ تمہیں اللہ کے نبیوں اور مبلغین کی بات پر تو یقین نہ آیا مگر میرے جھوٹے وعدے کو سچا مان لیا، لہٰذا اس کا خمیازہ اپنے ذمہ لازم خود ہو۔ تو یہ مبلغین بھی اپنے تابعین سے کہیں گے کہ تم نے ناصحین کی نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ انکی خیر خواہی کو ہنسی مذاق میں اڑاتے رہے۔ لَقَدْ حَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا آج ہم پر ہمارے رب کی بات سچی ہو گئی۔ اس کا اعلان تھا کہ جو کوئی میرا راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرے گا

تو وہ عذاب کا مستحق ہوا۔ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ آج ہم اُس عذاب کا مزا چکھنے والے ہیں، اور تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو۔

پھر متبوعین پیشوا تابعین کے سامنے اقرار کریں گے فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ کہ ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہی کے راستے پر چل رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی گمراہ آدمی سے گمراہی کی توقع ہی کی جا سکتی ہے وہ ہدایت کا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے؟

عذاب میں اشتراک

جب دونوں گروہوں کی گمراہی ثابت ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ کہ تابع اور متبوع لیڈر اور پیچھے چلنے والے سب مشترکہ طور پر عذاب کا شکار ہوں گے، اور اُن میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم گنہگار لوگوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ جو ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ ہمارے نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ہماری کتابوں کو جھٹلاتے ہیں۔ وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ ان مجرموں کا حال یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ عالم الغیب ہے اور نہ مختار کل، نہ حاجت روا اور مشکل کشا تو یہ لوگ يَسْتَكْبِرُوْنَ تکبر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بڑے لیڈر، جاگیردار اور کارخانہ دار ہیں ہمارے سینکڑوں ہزاروں آدمی چاہنے والے ہیں۔ اگر ہم نے ایک معبود کو تسلیم کر لیا۔ تو ہماری چودھراہٹ کو خطرہ لاحق ہو جائے گی، اور لوگ ہماری پوجا کیسے کریں گے لہٰذا وہ کلمہ توحید کا انکار کر دیتے ہیں۔ فرعون، ہامان، نمرود سب اسی طرح کے تکبر کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ ابوجہل اور ابولہب بھی اسی مسلک مرض میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوئے۔ ابلیس بھی اپنے تکبر کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا۔ ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے جرموں کی نوعیت کے اعتبار سے درجہ بدرجہ عذاب میں مبتلا کرے گا۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾
بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّكُمْ
لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾
أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ وَهُم
مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ
سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ
مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا
فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾
وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾
كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ
إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ
الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم
مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ
رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ
الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ ۱۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم چھوڑنے والے ہیں
ہمارے اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے (۳۶)
نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق کو اور اس نے تصدیق کی ہے
اللہ کے رسولوں کی (۳۷) بیشک تم چکھنے والے ہو دردناک
عذاب (۳۸) اور تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر وہ جو
تم کیا کرتے تھے (۳۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (۴۰)
وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر (۴۱) پھل ہوں گے
اور ان کی عزت کی جائے گی (۴۲) نعمتوں کے باغوں
میں (۴۳) تختوں میں آمنے سامنے بیٹھنے والے ہونگے (۴۴)
پھیرے جائیں گے ان پر پیالے صاف شراب کے (۴۵)
سفید رنگ اور لذت آموز ہوگی پینے والوں کیلیے (۴۶)
نہ اس کے اندر سرگرانی ہوگی اور نہ اس کی وجہ سے وہ
بہکتے ہوں گے (۴۷) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں اور
خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (۴۸) جیسا کہ وہ
انڈے ہیں پوشیدہ، محفوظ رکھے ہوئے (۴۹) پس متوجہ

ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف اور ایک
دوسرے سے پوچھیں گے (۵۰) ایک کہنے والا اُن میں سے
کہے گا، بیشک تھا میرے لیے ایک ساتھی (۵۱) ہوتا
تھا، کیا تو تصدیق کرنے والوں میں سے ہے (۵۲) کہ جب
ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں، تو
کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے (۵۳) کہے گا کیا تم جھانک
کر دیکھنے والے ہو (۵۴) پس وہ جھانکے گا اور دیکھے
گا اُس کو دوزخ کے درمیان (۵۵) اور کہے گا اللہ کی قسم
قریب تھا کہ تو مجھ کو بھی ہلاک کر دیتا (۵۶) اور اگر نہ
ہوتی میرے پروردگار کی نعمت تو ہوتا میں بھی پکڑے کر
حاضر کیے ہوئے مجرموں میں (۵۷) پس کیا ہم نہیں ہیں
مرنے والے (۵۸) مگر وہی پہلی موت، اور نہیں ہم کو
سزا دی جائیگی (۵۹) بیشک یہ البتہ بڑی کامیابی ہے (۶۰)
اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیئے کہ عمل کریں عمل
کرنے والے (۶۱)

ربط آیات اسلام کے بنیادی عقائد میں سے گذشتہ آیات میں اللہ نے توحید کے دلائل پیش کیے اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تکبر و غرور اور قیامت کو ہونے والے انجام کو بیان کیا۔ اللہ نے حشر میں پیش آنے والے واقعات کا بھی کچھ نقشہ کھینچا اور آخر میں مجرموں کی سزا کا ذکر کیا کہ تابع اور متبوع سب جہنم واصل ہوں گے۔ فرمایا ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان سے توحید خداوندی کا اقرار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا تکبر کرتے ہیں۔

شرک پر اصرار تمام تر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے کے باوجود مشرکین نے شرک پر اصرار کیا تھے وَيَقُولُونَ اور کہتے تھے اَئِنَّا لَتَارِكُوٓا اٰلِهَتِنَا

لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں، (العیاذ باللہ) مشرک لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کو شاعر اور مجنون کہہ کر انکار کر دیتے تھے سمجھتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے (العیاذ باللہ) یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ صٓ میں ہے کہ کفار و مشرکین دعوت توحید کے جواب میں کہتے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (آیت ۵) کیا ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی معبود پر اکتفا کریں یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام صرف ایک ہی خدا چلا رہا ہے کا مشرک لوگ یہ بھی کہتے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص ۷) ہم نے یہ بات پچھلے لوگوں سے تو نہیں سنی، یہ تو خود ساختہ بات ہے۔ لہٰذا ہم اس شخص کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے معبودوں کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے۔

اللہ نے فرمایا کہ اس کا نبی نہ تو شاعر ہے، نہ مجنون اور نہ کاہن بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ بلکہ وہ تو سچی بات لے کر آیا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ اور اس نے اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ شروع سے ہر نبی اور رسول نے ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (الاعراف ۷۳) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ کا رسول نہ تو شاعر ہے اور نہ دیوانہ بلکہ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہے اور اس سارے سلسلے کی تصدیق کرنے والا ہے۔

شرک کا وبال

فرمایا اگر پھر بھی کفار و مشرکین باز نہیں آؤ گے اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ تو پھر تمہیں لازماً دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ قیامت کے دن کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اسے کسی ناکردہ گناہ کی سزا دے دی جائے بلکہ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تمھیں صرف اسی بات کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے۔ یہ دردناک عذاب تمھاری گستاخی، بے ادبی، انکار توحید، تکذیب رسل اور انکار معاد کا نتیجہ ہے۔ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پھوٹتا ہے۔ خدا نے ہر نفس میں اس کا بیج اور استعداد رکھی ہے۔ یہ عمل انسان کے نفس میں ہی پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی چمٹ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جونہی قیامت کو ظاہر ہو جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

مخلصین کے لیے انعامات

فرمایا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ وہی خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ایسے لوگوں کے لیے مقررہ روزی ہوگی اور یہ وہی انعامات ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (الواقعہ ۳۳) یہ روزی نہ تو کم ہوگی۔ اور نہ ہی اہل جنت سے روکی جائے گی۔ بلکہ ان کو ان کی ہر پسندیدہ چیز یا افراد میسر ہوں گی۔ اور ہر چیز حسب ضرورت فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (مرسلات ۴۳) صبح شام ملے گی وہاں پر ہر چیز قرینے کے ساتھ رکھی ہوگی اور مقررہ پروگرام کے مطابق ہر چیز باعزت طریقے سے مہیا کی جائے گی۔

اللہ نے فرمایا فَوَاكِهُ وہاں پر طرح طرح کے پھل ہوں۔ جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی، البتہ یہ پھل لطف اندوزی کے لیے مہیا کیے جائیں گے۔ وہاں پر کھانا پینا بھوک اور پیاس کے لیے نہیں بلکہ محض لطف حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ اور وہ باعزت ہوں گے یعنی ہر چیز مکمل باعزت طریقے سے پیش کی جائے گی اور کسی جنتی کے عزت نفس کیخلاف کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ یہ سب چیزیں نعمتوں کے

باغوں میں ملیں گی۔ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ وہ وہاں پر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی بلکہ آمنا سامنا ہوگا۔ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ان پر صاف ستھری شراب کے پیالے پھیرے جائیں گے۔ معین دراصل ابلنے والے چشمے کو کہتے ہیں۔ جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جنت کی پاکیزہ شراب پر کیا جاتا ہے جس کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ جو کہ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ان کی رنگت سفید ہوگی اور پینے والوں کے لیے نہایت لذت آور ہوں گی۔ سورۃ محمد میں بھی جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں پر بغیر تغیر کے پانی کی نہریں ہوں گی۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا شراب کی نہریں ہوں گی جو سراسر لذت کا باعث ہوں گی اور شہد مصفا کی نہریں جاری ہوں گی۔

فرمایا یہ ایسے مشروب ہوں گے لَا فِیْهَا غَوْلٌ کہ اس میں کوئی سرگرانی نہیں ہوگی یعنی پی کر سر زائل نہیں ہوگا وَلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزِفُوْنَ اور نہ ہی وہ اس سے بدمست ہوں گے۔ اس دنیا کی شرابیں تو نشہ آور ہیں جو انسان کو بدحواس کر دیتی ہیں اور پھر بعض لوگ گالیاں بکنے لگتے ہیں اور شور شرابہ کرتے ہیں مگر جنت کی شراب کے متعلق فرمایا وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر ۲۱) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پاکیزہ شراب پلائے گا جس سے لذت و سرور تو حاصل ہوگا مگر پینے والا بدمست نہیں ہوگا۔ یہاں پر یُنْزِفُوْنَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل نزف کنویں سے پانی کھینچنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی کنویں سے کھینچا جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب شرابی کی عقل کو کھینچ باہر کرتی ہے اور آدمی بدمست ہو جاتا ہے۔ بہرحال جنت میں ایسی کوئی آفت نہیں ہوگی۔ بلکہ پاکیزہ شراب کے جام چلیں گے جو کہ نہایت ہی پُرکیف ہوں گے۔ لطف و سرور کے لیے عورت کا ہونا بھی ضروری ہے اور جنت اس سے

حور، پاکیزہ، خوبصورت عورتیں

ہم محروم نہیں رہیں گے۔ فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ
اُن کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی اور نگاہیں نیچی رکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ وہ صرف
اپنے خاوندوں کو نگاہ اٹھا کر دیکھیں گی اور اُن کی نظروں میں حسین و جمیل دکھائی دیں گے
نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتیں نہایت ہی حیادار ہوں گی اور
حیا عورت کا زیور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ آپ نے مدین کے
کنویں پر دو لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلایا۔ پھر گھر جا کر انہوں نے اس بات کا ذکر
اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے کیا۔ پھر جب باپ کی اجازت سے ایک لڑکی
موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن کا بیان ہے فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا
تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ (القصص۔ ۲۵) اُن دو میں سے ایک لڑکی
نہایت حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حیا صرف عورتوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ مردوں
کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں
کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا
مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (آیت ۔ ۳۰)
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوْجَهُنَّ (آیت ۔ ۳۱) مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی
حفاظت کریں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت
کریں اور اپنے محرموں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں یعنی
غیر محرموں سے پردہ کریں۔ اسلام نے تمدنی زندگی کے سارے اصول بیان کیے
ہیں جنہیں اپنا کر دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ مگر آج جدید دور میں پورے
معاشرے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی تہذیب میں عورتوں کی عزت اسی
بات میں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں، بے پردہ نکلیں، صفائے
کریں اور گپیں ہانکیں۔ حقیقت میں یہ تو عورت کی تذلیل ہے جسے شمع محفل
بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

اسی بڑی تہذیب کے متعلق پچھلی صدی کا ڈاکٹر سپنسر لکھتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس لاکھ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ صرف پینتالیس افراد بھی حلال کے ہوں گے۔ بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز ہی اٹھ گئی ہے۔ اب عورت دفتروں، فیکٹریوں، ہسپتالوں اور کالجوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے، فوج، پولیس اور قضائی کچہریوں میں موجود ہے۔ جہاں مردوں سے عام خلط ملط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کے پروگراموں میں عورت کو اولیت حاصل ہے۔ ان حالات میں جاداری کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ عورتوں کی غیر ضروری آزادی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے۔

فرمایا جنت کی حوریں اس قدر خوبصورت ہوں گی کَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ گویا کہ پردے میں رکھے ہوئے انڈے ہیں۔ عرب لوگ عام طور پر خوبصورت عورت کو شترمرغ کے انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بالکل شفاف اور اوپر سے ڈھانپا ہوا ہوتا ہے یعنی پروں کے نیچے چھپایا ہوا ہوتا ہے۔ سورۃ الواقعہ میں حُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (آیت ۲۳) بھی آیا ہے یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے حفاظت سے رکھے ہوئے آب دار موتی ہوں۔ مطلب یہ کہ جنت کی حوریں نہایت ہی خوبصورت ہوں گی۔ جن کے ساتھ جنتی لوگ دل بہلائیں گے

جنتیوں کے بعض انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ پھر ان میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ جب جنت میں پہنچ گئے، تمام انعامات مل گئے۔ پھر کچھ پرانی باتیں بھی آئیں گی۔ جن کے متعلق جنتی آپس میں گفتگو کریں گے

جنتی اور دوزخی کی ملاقات

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ دنیا میں میرا ایک ساتھی، رفیق یا دوست ہوا کرتا تھا۔ جس کے ساتھ اکثر گفت و شنید ہوتی رہتی تھی۔ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ وہ کہتا تھا کہ کیا تو اس بات کی تصدیق کرتا ہے یعنی میرا

جنت میں پہنچائے، اس کے لیے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔

پھر فرمایا لِمِثْلِ هٰذَا اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لیے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ پس چاہیے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ شخص کی طرح عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اعمال انجام دے، کفر، شرک اور معصیت سے باز رہے۔ بندوں کے حقوق ادا کرے، اور پھر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ایسی ہی کامیابی عطا فرمائے۔

اس مقام پر یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ جنت کی ہر نعمت خواہ وہ پانی ہو، پھل ہوں یا عورت ہر قابلِ قدر ہے اور کوئی بھی نعمت کو حقیر سمجھ کر ٹھکرانا نہیں چاہیے بعض لوگ ان مادی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ صرف روحانی نعمتوں کی خواہش کرنے چاہئیں مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جنت کی ہر نعمت مقصود ہے کیونکہ اللہ نے اپنی چیزوں کو فوزِ عظیم سے تعبیر کیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں، کفرانِ نعمت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہر انسان کو ان چیزوں کی خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچائے اور تمام مادی اور روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، تو فرمایا ان نعمتوں کے حصول کے لیے لوگوں کو سخت مشقت کرنی چاہیے اور عبادت اور ریاضت کے ذریعے اپنے مولا کو راضی کرنا چاہیے تاکہ انہیں یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے۔[1]

---

[1] بیان القرآن ص ۔۔۔ (خیاض)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ آواز آئے گی کیا تم اپنے اس ساتھی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہو جو عزت عمل کا انکار کیا کرتا تھا؟ یہ سوال خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یا اللہ کا کوئی فرشتہ کہے گا کہ تم اپنے ساتھی کے حالات سے مطلع ہونا پسند کرتے ہو؟ ادھر وہ اس بات کی خواہش کرے گا۔ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ پس وہ جھانک کر دیکھے گا تو اپنے ساتھی کو دوزخ کے درمیان میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا انتظام کرے گا کہ جنتی آدمی جنت میں رہتے ہوئے کروڑ میل دور جہنم میں اپنے ساتھی کو دیکھ سکے گا۔ پھر وہ دونوں آپس میں مکالمہ کریں گے۔ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ مومن آدمی اپنے سابقہ ساتھی سے کہے گا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا۔ مطلب یہ کہ تم مجھے بھی کہا کرتے تھے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ اگر میں بھی تمہارے کہنے میں آکر ایمان نہ لاتا تو آج تمہارے ساتھ یہیں جہنم میں ہوتا۔ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ اور اگر میرے رب کا فضل مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی گرفتار شدہ مجرموں میں شمار ہوتا۔ مگر اللہ نے مجھ پر کرم فرمائی کی اور مجھے ایمان کی دولت سے مالا مال کیا جس کی وجہ سے میں ترجمہ کی نعمتوں میں ہوں تم یہاں دوزخ میں جل رہے ہو۔

سب سے بڑی کامیابی

پھر وہ مومن آدمی اپنے انجام پر بہت خوش ہوگا اور کہے گا۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے؟ یعنی اب ہم پر موت نہیں آئے گی اور جنت کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى مگر ہمیں صرف جو ہمیں دنیا میں ایک دفعہ آچکی ہے۔ اب اس کے بعد کوئی موت نہیں آئے گی۔ نہ ہماری یہ زندگی ختم ہوگی اور نہ یہ نعمتیں ہم سے چھینی جائیں گی۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ اور نہ ہی اب ہمیں کوئی سزا دی جائے گی۔ اللہ نے ہمیں ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سے بری کر دیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ بے شک یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر کے

شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں (۶۵) پس بیشک یہ لوگ
البتہ کھانے والے ہیں اس سے۔ پس بھرنے والے ہیں
اس سے اپنے پیٹ (۶۶) پھر بیشک ان کے لیے اس پر
البتہ ملاوٹ ہو گی کھولتے ہوئے پانی سے (۶۷) پھر
بے شک ان کا لوٹنا جہنم کی طرف ہو گا (۶۸) بیشک
انہوں نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ (۶۹) پس وہ ان
کے نقش قدم پر دوڑے جا رہے ہیں (۷۰) اور البتہ تحقیق گمراہ
ہوئے ان سے پہلے بہت سے لوگ (۷۱) اور البتہ
تحقیق ہم نے بھیجے ان میں ڈر سنانے والے (۷۲)
پس دیکھو کیسا ہوا انجام ڈر سنائے ہوئے لوگوں کا (۷۳)
لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (۷۴)

ربط آیات

توحید کے بیان کے بعد جزائے عمل کے سلسلے میں اللہ نے اپنے مخلص بندوں کا ذکر فرمایا اور ان کو جنت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک پیش کی۔ اللہ نے ان کے سکون و راحت، ان کی بیویوں اور ان کے عزت کے مقام کا ذکر کیا۔ اس عیش و آرام کی زندگی میں انہیں دنیا کے اپنے بعض ساتھیوں کی یاد بھی آئے گی اور وہ انہیں جہنم میں پا کر ان سے بات چیت کریں گے۔ انعامات الٰہیہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتے۔ اللہ کی رحمت سے ہم نے ایمان قبول کیا اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہوئے تو اللہ نے ہمیں راحت کے اس مقام تک پہنچایا، جہاں ہم ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔ موت جو آنی تھی وہ دنیا میں آ چکی۔ اب ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہو گی۔ اور نہ کوئی تکلیف پہنچے گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہر شخص کو کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا
جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ
رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: کیا یہ بات بہتر ہے بلحاظ مہمانی کے یا تھوہر
کا درخت ﴿۶۲﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اس کو آزمائش
ظلم کرنے والوں کے لیے ﴿۶۳﴾ تحقیق وہ ایک درخت
ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے ﴿۶۴﴾ اس کے خوشے

برخلاف اہل ایمان مانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تو وہ آگ میں بھی درخت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ معراج کا غیر معمولی واقعہ پیش آیا، حالانکہ کافر لوگ اس واقعہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، مگر یہ حقیقت ہے۔ بہرحال تھوہر کو دو وجہ سے آزمائش کا باعث بنایا گیا ہے۔ ایک وجہ تو ہے کہ اس کو کھانے میں بڑی تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ دنیا میں اس کا انکار کرنے کے فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس درخت کی مزید تفصیل کے طور پر فرمایا اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے یعنی جہنم کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اس کے خوشے یا کونپلیں ایسے بدنما ہیں۔ جیسا کہ شیطانوں کے سر ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ دو وجوہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ مناسبت اس کی بدشکلی کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص پراگندہ صورت ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو اسے جن بھوت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے موطا امام مالک[1] میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص پراگندہ بال اور خستہ حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اسے تنبیہ فرمائی کہ شیطان جیسی وحشتناک شکل نہ بنایا کرو بلکہ اپنے بالوں کو درست کرو اور صفائی کا خیال رکھا کرو۔ بہرحال چونکہ شیطان بھی بدشکل ہے اور تھوہر کا درخت بھی، لہٰذا ان کو آپس میں مناسبت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر شیاطین سے مراد سانپ ہیں۔ تھوہر اور سانپ کا سر تقریباً یکساں بدنما ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سانپ

---

[1] موطا امام مالک ص

[2] روح المعانی ص ۹۲ ج ۲۳ و خازن ص ۲۱۴ ج ۴ و مدارک ص ۲۲۳ ج ۴ (فیاض)

تھوہر کا درخت

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات اور دوزخیوں کی تعذیبات کا مقابلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا کیا یہ مہمانی بہتر ہے؟ مطلب یہ کہ کیا اللہ کی طرف سے ملنے والا آرام و راحت باعتبار مہمانی بہتر ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ یا تھوہر کا درخت بہتر ہے اللہ نے کئی مقامات پر اپنے انعامات کو اہل جنت کے حق میں مہمان نوازی قرار دیا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران کے آخر میں متقین کے لیے باغات اور ان کے نیچے بہنے والی نہروں کا ذکر کر کے فرمایا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آیت ۱۹۸) یہ اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی۔ اور سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں اسی تذکرہ کے بعد فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حٰمٓ السجدۃ ۳۲) یہ بخشش کرنے والے اور مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھوہر کا درخت؟ تم ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ ادھر تھوہر کا درخت ہے جو جہنمیوں کی خوراک ہے اور جس کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ (بنی اسرائیل ۶۰) کہ یہ ملعون درخت ہے۔ تھوہر کے درخت کا ذکر سورۃ واقعہ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ تھوہر اس قدر کڑوا اور بدمزہ ہے کہ جہنمیوں کے گلے میں اٹک کر رہ جائے گا۔

فرمایا اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ہم نے اس درخت کو ظلم کرنے والوں یعنی کفر، شرک اور تعدی کرنے والوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اس درخت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دوزخ یعنی آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ کچے ذہن کے لوگ شک کرتے تھے کہ ہمیں ڈرانے دھمکانے کے لیے اس خوفناک درخت کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح گویا منکرین کے لیے یہی درخت آزمائش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے

فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا الْبُطُونَ مذکر لوگ اسی شجر کے درخت میں سے
کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھریں گے، اس قدر جانور اور کڑوی چیز اہل
دوزخ کی خوراک بنے گی۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ
إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ۝ اُن کے لیے
کھانا ... ہوگی کہ جس سے نہ تو وہ موٹے ہوں گے اور نہ ہی بھوک دور ہوگی۔ پھر
ان کو پیاس بھی ستائے گی۔ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ
پھر ... سے گرم پانی کی ملاوٹ ہوگی یعنی کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا۔
اول تو ... ہوا پانی منہ کو ہی جلا دے گا اور اگر اس کا ایک آدھ
گھونٹ اندر چلا بھی گیا تو جیسا کہ سورۃ محمد میں بیان ہوا ہے۔ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ
... اُن کی آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دیگا سو آنتیں
پھر اپنی جگہ پر واپس آئیں گی ... پھر کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ ان کو اسی طرح
سزا ملتی رہے گی۔ جیسا ان کی کھالوں کے متعلق فرمایا كُلَّمَا نَضِجَتْ
جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (النساء ۔ ۵۶) جب
اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ان کی جگہ دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور یہ عمل
اسی طرح جاری رہے گا۔ فرمایا کھانے کے لیے تھوہر اور پینے کے لیے گرم کھولتا
ہوا پانی دیا جائے گا ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ پھر ان کا
لوٹایا جانا جہنم کی طرف ہوگا۔

مذمتی تنقید

فرمایا ان کی یہ سخت سزا اس وجہ سے ہوگی إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ
الضَّالِّينَ کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا مگر اُن سے پیچھا نہ چھڑایا
فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ یہ بھی انہی کے نقش قدم پر
دوڑتے رہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و شعور سے کچھ فائدہ حاصل
نہ کیا اور کبھی خیال نہ کیا کہ ہمارے آباؤ اجداد تو غلط راستے پر جا رہے ہیں، ہم ان کے
پیچھے کیوں چلیں؟ مگر وہ بلا سوچے سمجھے باپ دادا کے دین پر چلتے رہے، اور

کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا تھا۔ کچھ کھجور کے پتے، الجھی ہوئی کنگھی اور بال لے کر ان پر سحر کیا اور انہیں مدینہ کے اطراف میں واقع ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کو بئر ذی اروان کہا جاتا تھا اور اُس وقت ناقابلِ استعمال ہو چکا تھا۔ اُس کنویں کے کنارے پر تھوہر کے درخت تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملنے پر حضور علیہ السلام صحابہؓ کے ہمراہ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور مذکورہ پتھر کے نیچے سے سحر شدہ چیزیں برآمد کیں تو وہاں بھی رؤس الشیاطین کے الفاظ آتے ہیں گویا تھوہر کے پودے شیطانوں کے سروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یا سانپوں کے سروں کے ساتھ ان کو نسبت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جسے امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی یہ آیت پڑھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آیت ۱۰۲) اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ قَطْرَةً قُطِرَتْ مِنَ الزَّقُّوْمِ فِيْ بَحْرِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلَى النَّاسِ مَعَايِشَهُمْ اگر جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ دنیا بھر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو اور ذائقہ کی وجہ سے تمام لوگوں کی معیشت برباد ہو کر رہ جائے مطلب یہ کہ تھوہر اس قدر کڑوا ہے اور بدبودار ہے کہ سارے سمندروں کو بدمزہ کر دے اور ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔

تھوہر کی یہ تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا

دوزخیوں کی خوراک

---

۱ ۔۔۔ بخاری ج ۲ ص ۸۵۱ و مسلم ج ۲ ص ۲۲۱ و زرقانی ج ۴ ص ۲۸۲

۲ ابن کثیر ص ۴۰۰ (ضیاء)

ہیں بھی گمراہ کیا۔ فرمائے گا کہ صرف ان کو ہی ڈبل سزائیں ملنی چاہیے بلکہ تمہیں بھی دوہری سزا ملے گی۔ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوئے اور دوسروں کو کیا اسی طرح تم بھی گمراہ ہوئے اور تم نے بھی آگے بہت سوں کو گمراہی کے راستے پر چلایا لہٰذا آج اس دوہری گمراہی کی دوہری سزا بھگتو۔

منذرین کی آمد

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَنْ لَّمْ نَرْفِيهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈرسنانے والے بھیجے جو ان کو برے انجام سے خبردار کرتے رہے وہ انہیں کفر و شرک اور معاصی سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر انہوں نے ان کی ایک نہ مانی فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پھر دیکھو کیا انجام ہوا ڈرائے ہوئے لوگوں کا۔ ان نافرمانوں میں سے کوئی گرفت الٰہی سے نہ بچ سکا۔ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے عبرتناک حالات بیان ہوئے ہیں۔ بعض کو اللہ نے پانی میں غرق کیا، کسی کو زندہ ہی کی بھیانک چیخ کھا گئی، کسی پر سخت چیخ آئی، کسی پر زلزلہ آیا اور کسی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی، بعض نافرمان ایسے بھی تھے جن کو اہل ایمان کے ہاتھوں سے سزا دی گئی۔ اس طرح کوئی نافرمان بھی برے انجام سے نہ بچ سکا۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سوائے اللہ کے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے یہ لوگ بچ گئے اور آئندہ بھی بچتے رہیں گے۔ تاریخ انبیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا کر ان کا اتباع کیا، اللہ نے ان کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ ایسے لوگ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں والی صف میں نہیں آئیں گے، باقی سب ہلاک ہوں گے جیسے کہ پہلے بھی ہو چکے ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ ہم تو وہی کچھ کریں گے جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ ہم ان کے طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں قرآن نے فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ - ۱۷۰) اگر چہ ان کے آباؤ اجداد نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ وہ راہ ہدایت پر ہوں، یہ پھر بھی انہی کے طریقے پر انہی کی طرح گمراہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔ یہی اندھی تقلید ہے جس کی مذمت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صراط مستقیم پر ہوں تو پھر قرآن کے نقش قدم پر چلنا عین سعادت اور فخر کی بات ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف - ۳۸) میں تو اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا اتباع کرتا ہوں۔ وہ سب اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور راہ راست پر چلنے والے تھے، لہٰذا میں نے بھی انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

فرمایا یہ لوگ بھی اندھی تقلید کر کے گمراہ ہوئے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ البتہ تحقیق ان سے پہلے بھی زیادہ تر لوگ گمراہ ہی ہوئے۔ یہ خود قرآن سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر گمراہی کے راستے پر ہی چلتے رہے۔ انہوں نے بھی اللہ کے نبیوں، مبلغین اور خیر خواہوں کی بات کو نہ سنا اور نہ ہی اپنی عقل سے کام لیا۔ اس بات کا احساس انہیں قیامت والے دن ہوگا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی تو اس وقت افسوس کا اظہار کریں گے۔ کاش کہ ہم نے اللہ اور رسول کی بات مانی ہوتی تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ اس وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب - ۶۷) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔ ہم قرآن کا کہنا نہ کر اس مصیبت میں پھنسے، لہٰذا آج ان کو دوگنا عذاب دے کیونکہ انہوں نے خود بھی گمراہ ہونے اور

تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾
فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق پکارا ہم کو نوح علیہ السلام نے
پس ہم بہت اچھی طرح اس کی دعا کو قبول کرنیوالے
ہیں (۷۵) اور ہم نے نجات دی اس کو اور اس کے
گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے (۷۶) اور کر دیا ہم نے
اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے (۷۷) اور چھوڑا
ہم نے اس کے اوپر پچھلوں میں (۷۸) سلام ہے
نوح علیہ السلام پر جہان والوں میں (۷۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے
ہیں نیکی کرنے والوں کو (۸۰) بیشک وہ ہمارے نیک
بندوں میں سے ہے (۸۱) پھر ہم نے غرق کیا دوسروں
کو (۸۲) اور بیشک اسی کے گروہ میں سے البتہ
ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں (۸۳) جب کہ وہ آئے اپنے
پروردگار کے پاس سالم دل لے کر (۸۴) جب کہا اس
نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ تم کن چیزوں کی
عبادت کرتے ہو (۸۵) کیا جھوٹے الٰہ بناتے ہوئے اللہ کے
سوا دوسروں کو تم چاہتے ہو (۸۶) پس کیا گمان ہے
تمہارا رب العالمین کے بارے میں (۸۷) پھر نگاہ کی انہوں
نے ایک نگاہ ستاروں میں (۸۸) پس کہا انہوں نے
کہ میں بیمار ہوں (۸۹) پس پھر گئے وہ لوگ اس
سے پشت پھیر کر (۹۰) پس (موقع پا کر) جا گھسے وہ

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾
وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ
لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا
ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً
فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا
عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا
اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

کی تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قبولیت کے نتیجے کا ذکر ہے۔ سورۃ نوح میں موجود ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ (آیت ۲۶) پروردگار! روئے زمین پر کسی ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو چھوڑ دیگا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور آگے ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار لوگوں کو بچا لیا ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ۝ (الشعراء ۱۲۰) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو پانی میں ڈبو دیا۔ اس مقام پر بھی فرمایا ہے وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ اور بے چینی سے نجات دی۔ اس کی صورت یہی تھی کہ باقی ساری نافرمان قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔

یہ دراصل حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی آپ کو اور اہل ایمان کو سخت تکالیف پہنچائیں جس کی وجہ سے آپ سخت پریشان رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے ایذا رسانیوں کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا مگر بالآخر اللہ نے ان کی مدد فرمائی، اور نافرمان قوم پر غالب فرمایا

نسل انسانی کی بقا کا ذریعہ

ساری قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقاء کے ضمن میں فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہی باقی رہنے والی بنایا۔ پوری روئے زمین کے لوگ طوفان نوح میں غرق ہو گئے اور صرف وہی محدود تعداد میں لوگ زندہ بچے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے تھے، چنانچہ نسل انسانی کا سلسلہ انہی کشتی والوں میں سے ہی آگے چلا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کشتی والوں میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام

اُن کے معبودوں کے پاس پس کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں (۹۱)
کیا ہے کہ تم بولتے نہیں (۹۲) پھر گھس گئے اُن پر
مارتے ہوئے داہنے ہاتھ کے ساتھ (۹۳) پس متوجہ ہوئے
لوگ اس کی طرف دوڑتے (گھبراتے) ہوئے (۹۴) کہا،
کیا تم عبادت کرتے ہو اُن کی جن کو تم تراشتے ہو (۹۵)
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں
کو بھی جن کو تم بناتے ہو (۹۶) کہا انہوں نے بناؤ اس
کے لیے ایک عمارت اور ڈالو اُس کو بھڑکتی ہوئی آگ
میں (۹۷) پس ارادہ کیا انہوں نے اُس کے بارے میں
بُرا تدبیر کا پس کر دیا ہم نے اُن کو ہی پست (۹۸)

سورۃ الصّٰفّٰت میں زیادہ تر خیاری عقائد ہی کا ذکر ہے اس سے پہلے توحید باری تعالیٰ اور مشرکوں کا رد ہو چکا ہے۔ اب رسالت کے سلسلہ میں نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو لمبے عرصہ تک ایمان اور توحید کی دعوت دی مگر وہ کفر و شرک پر اڑے رہے اور آپ کو ایذائیں پہنچاتے رہے۔ بالآخر آپ نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار! اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر-۱۰) میں تو مغلوب ہو چکا ہوں میری مدد فرما اور ان لوگوں سے میرا بدلہ لے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ اور البتہ تحقیق نوح علیہ السلام نے ہم کو پکارا، آواز دی فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ پس ہم کیا خوب ہیں اُن کی دعا کو قبول کرنے والے۔ مطلب یہ کہ جب نوح علیہ السلام نے ہم سے مدد کے لیے پکارا تو ہم نے بھی اُن کی دعا قبول کرنے میں دیر نہیں کی۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ قوم کی اصلاح کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس قوم سے انتقام لے۔ اس مقام پر نوح علیہ السلام

نوح علیہ السلام کی دعا

بے شک اپنی (نوح علیہ السلام) کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ آپ بھی انہی کے خاندان سے اور انہی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ جب کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس سلیم دل لے کر۔ سلیم دل سے مراد ایسا سلامتی والا دل ہے جو ہر قسم کی بدعقیدگی، فاسدیت اور غیر اخلاقی اشیاء سے پاک ہو۔ بعض کہتے ہیں قلب سلیم وہ ہے جو شرک، کفر، نفاق، حقد، کینہ، جھوٹ اور حب مال و جاہ سے پاک مگر توحید نور ایمان کے ساتھ لبریز ہو۔ اور تمام اخلاق حسنہ اس میں پائے جائیں بعض فرماتے ہیں کہ قلب سلیم کا شرک سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں توحید کے علاوہ شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح بدعت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بدعت سنت کے خلاف چیز ہے۔ شہوت سے لبریز دل بھی قانونِ الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں لہٰذا قلب کو شہوت سے بھی منزہ ہونا چاہیئے۔ جو دل قانونِ الٰہی یعنی شریعت کے خلاف ہوگا۔ وہ قلب سلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قلب سلیم کا غفلت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ غفلت یادِ الٰہی کے خلاف عنصر ہے۔ اسی طرح خواہشات کا غلام دل بھی قلب سلیم کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہشات سے لبریز دل حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ غرضیکہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے پاس آئے۔ قلب سلیم کا ذکر سورۃ الشعراء میں بھی موجود ہے۔ وہاں ابراہیمؑ کی دعا کے الفاظ ہیں کہ مولا کریم! قیامت والے دن مجھے رسوا نہ کرنا، وہ دن کہ جب مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ بیٹے[1]

---

[1] روح المعانی ص۱۰۰ ج۲۳ و مدارک ص۲۳ ج۴ و قرطبی ص۹۱ ج۱۵ و طبری ص۶۹ ج۲۳ و کبیر ص۲۲۹ ج۲۶

(خلاصہ)

کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد ہی آگے چل سکی۔ اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عرب نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں جبکہ حام کی اولاد حبش اور یافث کی اولاد ترک ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عرب، فارس اور روم والے سام کی اولاد ہیں، یاجوج ماجوج ترک اور منگول یافث کی، اور قبطی اور سوڈانی حام کی اولاد ہیں۔ بہرحال کرۂ ارض کی پوری نسل انسانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیا۔ آپ کی نسل کے لوگ آپ کے بعد بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ سارے جہان والوں پر نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ مختلف نسلوں کے لوگ آپ پر سلام بھیجتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے اور برگزیدہ بندے تھے جنہوں نے لمبے عرصے تک خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ نوح علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ فرمایا ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو تو بچا لیا ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ پھر دوسروں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے بقیہ ہونے کے ساتھ یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور قلب سلیم

نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ

---

[1] ابن کثیر ص۱۲ ج۳ و مظہری ص۱۳۰ ج۸ و خازن ص۲۳ ج۶ و روح المعانی ص۹۷ ج۲۳ (فیاض)

چھوٹی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے، یہ کہاں کی عقل مندی کی بات ہے؟

اگلی آیات میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ اس کی تفصیلات سورۃ الانبیاء میں بھی مذکور ہیں۔ آپ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے پڑتے ہو یعنی ان کی عبادت کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور تدبیر کروں گا جب کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔ چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ ساری قوم شہر سے باہر کوئی تہوار منانے کے لیے جا رہی تھی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تھے، چنانچہ اللہ نے اس مقام پر اس حیلہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے اس ضمن میں اختیار کیا۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ انہوں نے ستاروں کی طرف نظر ڈالی فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ پس کہا کہ میں بیمار ہوں فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ پھر وہ لوگ آپ سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ یعنی آپ کو تہوار میں ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا زمانہ صابی دور کہلاتا ہے اس دور میں ستاروں کے ساتھ لوگوں کا خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس دور میں متعین ہونے والی شرائع میں کسی مدتک ستاروں کا بھی دخل رہتا تھا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا حنیفی دور آیا تو ستاروں کے ساتھ تعلق کو سختی کے ساتھ منقطع کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم بھی ستاروں پر کرشمہ مانتی تھی، لہٰذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے یہ مطلب اخذ کیا کہ آپ بھی ستاروں کی کرشمہ سازی کے قائل ہیں، لہٰذا وہ آپ

لہ

مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (آیت ۸۹، البقرہ) شمس کج جائے گا۔ جو اپنے اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔ الغرض! ذرا آگر ابراہیم علیہ السلام تمام قسم کی آلائشوں سے پاک دل لے کر رب العزت کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام کا دربار آزر

آگے اللہ نے قلب سلیم رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام کے درس توحید کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام توحید اپنی قوم تک عقلی دلائل کے ساتھ پہنچایا۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ذکر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (آیت ۷۴) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ تاریخ میں آپ کا نام تارخ بھی آیا ہے اس بنا پر بعض کہتے ہیں کہ تارخ باپ اور آزر چچا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ آزر تو قرآن نے بیان کر دیا اور تارخ البتہ لقب تھا۔

بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ کیا اللہ کے سوا تم جھوٹ موٹ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ یہ پتھر، دھات اور لکڑی کی مورتیاں جنہیں تم اپنے ہاتھ سے گھڑتے ہو، انہی کی پوجا کرنے لگتے ہو، تم نے ستاروں، فرشتوں اور جنات کے نام پر بت تراش رکھے ہیں، کیا تم ان کو اپنا معبود سمجھتے ہو۔؟ بھلا یہ تو بتاؤ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تم جہانوں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تم اس حقیقی معبود کی تو عبادت کرتے نہیں اور اس کی بجائے اپنی خود ساختہ

سمجھ وہ خود جانتے تھے کہ ان بتوں میں تو حس و حرکت ہی نہیں ہے، بھلا یہ کام بت کیسے کر سکتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو یہی سمجھانا مقصود تھا کہ جو بت نہ تو خود توڑ پھوڑ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے دفاع پر قادر ہیں، وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

رہی تیسری بات کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو کہا تو یہ بھی حفظ ماتقدم کے طور پر آپ نے توریہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تو یہ ظالم بادشاہ مجھے قتل کرا دے گا اور تم پر تسلط قائم کرے گا۔ لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو بہن بھائی ظاہر کیا جائے۔ ویسے بھی اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۱۰) مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ الغرض! ایمان بچانے کے لیے آپ نے یہ حیلہ اختیار کیا۔

اس قسم کے بعض واقعات خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صدیق اکبرؓ سفر ہجرت پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کیا مَنِ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص کن لوگوں میں سے ہے تو آپ نے جواب دیا مِنَ الْمَاءِ پانی سے۔ وہ شخص سمجھا کہ پہلی پانی والی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ وہاں سے ہے اسی طرح راستے میں ایک دوسرے شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہچان لیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بھی توریہ کے انداز میں جواب دیا ھو رجل یھدینی السبیل وہ ایک شخص ہے جو راستے میں میری راہنمائی کرتا ہے۔ وہ آدمی سمجھا کہ سفر میں راستہ معلوم کرنے کے لیے گائیڈ (واقف کار) کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، حالانکہ حضرت صدیقؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مجھے ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے۔

بہرحال جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے، تو

لے مدارج النبوۃ صفحہ ۲۳ ج ۲ (ضیاء)

کو چھوڑ کر تہوار منانے کے لیے چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا موقع میسر آگیا۔

کذب ثلاثہ

بخاری اور ترمذی شریف کی روایت[1] میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کذب بیانی نہیں کی مگر تین مواقع پر۔ پہلا موقع تو یہی ہے جب آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ دوسرا موقع وہ ہے۔ جب آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو کافروں کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء - ۶۳) یعنی یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے جس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا تھا۔ حالانکہ یہ کام خود ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔ اور تیسرا موقع وہ جب آپ بابل سے ہجرت کر کے اپنی بیوی سارہؓ کے ہمراہ مصر پہنچے۔ وہاں پر بادشاہ مصر کی بدنیتی کا علم ہوا تو آپ نے اپنی بیوی کو اُخْتِیْ (میری بہن) کہہ دیا۔

اس قسم کا دو معنی کلام دراصل جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ عربی زبان میں اسے توریہ کہتے ہیں۔ یعنی بوقت ضرورت ایسا کلام کیا جائے جس سے متکلم کی مراد کچھ اور ہو اور مخاطب اس سے کچھ اور سمجھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ جسمانی طور پر آپ تندرست تھے۔ دراصل ان الفاظ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارا کفر اور شرک دیکھ کر میں ذہنی طور پر بیمار ہوں کہ مجھے کفر و شرک سے سخت تکلیف پہنچتی ہے، مگر لوگ سمجھے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ ہے جس کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ جانے سے معذور ہیں۔ جہاں تک بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد کفار کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ان کے بڑے نے تو ایسے

---

[1] ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳ و نظری ص ۱۲۳ و قرطبی ص ۹۳ ج ۱۵ (فیاض)

ہیں۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمہارے ان معبودوں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔
جب ان کافروں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ
جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقام پر صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کی حالت دیکھ کر وہ لوگ
ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ کے ساتھ گفت و شنید ہوئی
تو آپ نے فرمایا قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو
جن کو خود تراشتے ہو؟ انسان کی اس قدر گمراہی انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک چیز کو
خود بنائے اور پھر اسی کے سامنے سر جھکا دے۔ یہ مورتیاں خواہ پتھروں کی ہوں، یا
فرشتوں یا انسانوں کی ہوں یا ستاروں کی، کسی کو اختیار نہیں ہے جو کسی کی مشکل کشائی
اور حاجت روائی کر سکے، معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو علیم کل، قادر مطلق، خالق اور
واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، تو پھر کوئی
دوسری ہستی معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ برصغیر میں ہندو بھی بت پرست ہیں۔ جن کے
لاکھوں اور کروڑوں معبود ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنے مذہب کے
متعلق لکھا ہے کہ یہ اشنان، برداں، شانات اور تقریبات بے معنی چیزیں ہیں
کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے معبود جاپان اور انگلستان کی فیکٹریوں میں
تیار ہوتے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یاد کرایا کہ تم بتوں کو خود تراش
کر ان کی عبادت کرتے ہو وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔ انسان
کا ہر عمل کسب ہے جس کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان ——
اللہ کے عطا کردہ اختیار اور صلاحیت کے ساتھ ہی ہر کام کرتا ہے، دوسرے
تخلیق کی صفت تو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

دلائل کے لحاظ سے تو کافر لوگ لاجواب ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے یہ ابراہیم علیہ السلام
کی تو میں کامیاب ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ان کو کوئی اختیار نہیں اور یہ انہوں کی
پرستش

ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا موقع میسر آگیا جس کی تلاش میں آپ تھے۔ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ پھر آپ موقع پاکر بتوں کے پاس گئے۔ اُن کے سامنے نذر و نیاز کی مٹھائی، کھانا اور شربت وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ بھلا پتھر کے دیوتا جان بوجھ کر کھانے کیا اور جواب کیا دیتے۔ آپ نے پھر پوچھا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ کیا ہے تمھیں کہ تم بولتے نہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ آپ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے اُن پر پل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے پوری قوت سے چلا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو چھوڑا اور اس کے گلے میں کلہاڑا لٹکا دیا، پھر آپ وہاں سے چلے آئے۔

کفار کا ردِ عمل

جب وہ لوگ تہوار منا کر واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اس مقام پر تفصیلات نہیں ہیں صرف اس قدر ہے فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ وہ لوگ آپ کے پاس گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آئے۔ سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کفار نے اپنے بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی نوجوان ان کا ذکر کیا کرتا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا کام ہو، پھر ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو اس بڑے بت کا کام معلوم ہوتا ہے جس کے کاندھے پر کلہاڑا بھی لٹک رہا ہے، تاہم آپ ان شکستہ بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ بول کر بتا سکیں۔ پھر انہوں نے آپس میں سوچ کی اور کہنے لگے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں، یہ ہمیں کیا بتائیں گے؟ اسی موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور پوچھا کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ
هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ
اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا
تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْٓ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا
وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾
وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ
فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا
مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓی
اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ
لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾

تراشیدہ مورتیاں ہیں۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا ملنی چاہیئے۔ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا کہنے لگے اس کے لیے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو اس میں آگ جلاؤ اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ایک بہت بڑے حصہ زمین پر دنیا کی سب سے بڑی آگ جلائی گئی پھر کہنے لگے فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ اس مقام پر تو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم سورۃ الانبیاء میں ہے قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ (آیت ۶۸) اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ جن کی یہ مذمت بیان کرتا ہے۔

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء - ۶۹) اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ (آیت - ۲۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچا لیا۔ اور کافر اپنی اس تدبیر میں بھی ناکام و نامراد ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال تک نہ جلایا۔ البتہ جس رسی سے باندھ کر آپ کو آگ میں پھینکا گیا تھا، وہی جل کر خاک ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا انہوں نے ایک تدبیر کا ارادہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہا۔ مگر ہم نے انہیں ہر امتحان میں کامیاب کر کے فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ انہی کو ذلیل و خوار و پست کر دیا۔ وہ اپنے ارادے میں بری طرح ناکام رہے۔

۱

ظلم کرنے والے ہیں اپنے نفس پر صریح طور پر (۱۳)

ربط آیات

جیسے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر ہوا ہے ویسے عرصے بعد قوم ... کرنا تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کو کفر و شرک کی برائی سمجھائی مگر قوم نہ مانی بلکہ رسول کے ساتھ طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جسے اللہ نے کرب عظیم سے تعبیر کیا ہے آخر تنگ آکر نوح علیہ السلام نے قوم کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پانی میں ڈبو کر صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور پھر انہی میں سے اللہ نے نسل انسانی کو آگے چلایا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے حالات بیان ہوئے آپ نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا کہ کتنی بے وقوفی اور حماقت کی بات ہے، کہ تم خود اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور خود ہی ان کی پوجا کرنے لگتے ہو حالانکہ خالق اللہ رب العالمین ہے جو تمہیں بھی پیدا کرتا ہے اور تمہارے اعمال و اکتساب کو بھی وہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے جواب میں قوم نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کے لیے ایک بہت بڑا الاؤ تیار کرو۔ جس میں انہیں زندہ جلا دو کیونکہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کے مسلک سے ہٹنا چاہتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عظیم ترین آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا کہ ان کی ساری تدبیر کو ناکام بنا دیا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو بابل میں سات برس تک قید میں رکھا گیا۔ آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپ نے اللہ کا پیغام سناتے رہے مگر کوئی بھی ایمان نہ لایا جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزر چکا ہے۔ صرف آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے باقی ساری قوم کفر اور شرک میں پھنسی رہی۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

بالآخر جب قوم کی طرف سے ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے

ترجمہ:- اور کہا (ابراہیمؑ نے) تحقیق میں جانا ہوں طرف
پروردگار کی طرف اپنے، وہ عنقریب راہ دکھائے گا (۹۹) اے پروردگار
بخش دے مجھ کو بیٹوں میں سے (کوئی) بیٹا (۱۰۰) پس ہم نے
بشارت دی اس کو ایک لڑکے کی جو نہایت بردبار
تھا (۱۰۱) پس جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر
کو تو اس نے کہا اے بیٹے! بیشک میں دیکھتا ہوں خواب
کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں، دیکھ! تو کیا خیال رکھتا ہے۔
کہا (بیٹے نے) اے باپ! آپ کر ڈالیں جس چیز کا آپ کو
حکم دیا جاتا ہے۔ آپ پائیں گے مجھ کو، اگر اللہ نے چاہا،
صبر کرنے والوں میں سے (۱۰۲) پھر جب وہ دونوں مطیع
ہو گئے (اللہ کے حکم کے) اور گرا دیا اس کو پیشانی کے
بل (۱۰۳) اور ہم نے اس کو آواز دی۔ اے ابراہیمؑ! (۱۰۴)
تحقیق تو نے سچ کر دکھایا خواب۔ بیشک ہم اسی طرح
بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۰۵) بیشک یہ بات
البتہ صریح آزمائش ہے (۱۰۶) اور ہم نے فدیہ دیا اس
کو ذبح کرنے کے ایک عظیم جانور کا (۱۰۷) اور ہم نے
چھوڑا اس پر پچھلوں میں (۱۰۸) (اس بات کو) کہ سلام
ہو ابراہیمؑ پر (۱۰۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے
والوں کو (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے
ہے (۱۱۱) اور ہم نے بشارت دی اس کو اسحاق
(بیٹے) کی جو کہ اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا (۱۱۲)
اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر۔ اور
ان دونوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے ہیں اور کھلم

کا معنی دوڑنا ہوتا ہے۔ جیسے صفا و مروہ کی سعی ہوتی ہے کہ وہاں کچھ فاصلہ دوڑ کر طے کرنا پڑتا ہے۔ تو مطلب یہ کہ جب حضرت اسماعیلؑ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گئے۔ آپ کی عمر بارہ، تیرہ سال کی ہوگئی اور آپ اپنے باپ کے ساتھ مل جل کے کام کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا جس کا تذکرہ بیٹے کے سامنے اس طرح کیا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى یعنی دیکھ! تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم اس خواب کو کیسا پاتے ہو۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب بار بار آرہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اس حکم کی تعمیل کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔

خواب کی حقیقت

نبی کے خواب اور عام لوگوں کے خواب میں فرق ہوتا ہے عام لوگوں کے خواب تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ یعنی رحمانی، شیطانی اور نفسانی رحمانی خواب مومن کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ شیطانی خواب شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور نفسانی خواب وہ ہوتے ہیں جو انسانی خوراک کے اثرات پر مرتب ہوتے ہیں۔ پیغمبروں کا خواب وحی ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی حکم خواب کے ذریعے بھی دے دیتا ہے۔ بخاری شریف[1] کی روایت میں ہے کہ نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل تک جو خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھتے تھے، وہ سچے ہوتے تھے اور اس کا نتیجہ روز روشن کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر اس کے بعد نزول وحی شروع ہو گیا۔ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کی تعبیر اگرچہ طویل عرصہ کے بعد جا کر ملی مگر وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اسی طرح حضرت علیہ السلام نے بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ طواف کر

---

[1] بخاری ص ۔ (فیاض)

ابراہیم علیہ السلام کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت بھی ایک مشکل مرحلہ آتا ہے۔ گھر بار وطن کاروبار سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی یہ وقت آچکا تھا۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ آپ نے کہا تحقیق میں اپنے پروردگار کی طرف یعنی اس کے حکم کے مطابق یہاں سے جانے والا ہوں سَیَهْدِیْنِ اس راستے میں وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ میں جس ملک کے حکم سے نقل مکانی کر رہا ہوں، وہ ضرور مجھے ٹھکانے پر لگائے گا چنانچہ آپ کے لیے حکم ہوا کہ آپ بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر ملک شام اور فلسطین کی طرف چل دیں۔ آپ تعمیل حکم میں بیوی اور بھتیجے کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مصر پہنچے۔ پہلے تو بادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کو ہتھیانا چاہا مگر بعد ازاں نے حضرت ہاجرہؓ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اور اس طرح آپ ملک فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

بیٹے کے لیے دعا

شادی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۷۵ سال تھی۔ بہت طویل عرصہ تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہو چکی تھی تو اس وقت آپ نے اپنے پروردگار کے حضور درخواست کی رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ کہ مولا کریم! مجھے نیکوں میں سے بیٹا عطا کر دے۔ آپ اس وقت تک حضرت ہاجرہؓ سے نکاح کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ہم نے آپ کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس بردبار بیٹے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

بہرحال یہاں پر بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی بشارت کا ذکر ہے، جو بڑے حوصلے اور تحمل والے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خواب

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ جب یہ بچہ دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا یعنی

کام ہی نہیں کر رہی تھی۔ اُدھر سے آواز آئی وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ اللہ نے فرمایا ابراہیم نے آواز دی اے ابراہیم قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچانا منظور تھی، لہذا اس نے آپ کو اس کا بیٹا صحیح سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ یہ ایک صریح آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورا اترے۔ اور پھر اللہ نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دیدیا۔ فرمایا وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ اور ہم نے اسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔ یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کی چھری اسماعیل علیہ السلام کی بجائے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، وہ ذبح ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں اگرچہ وہ بہشت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا۔ بلکہ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو تا قیامت جاری رہے گا اور اصل بنیاد ایمان و اطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موجزن تھا مگر اللہ نے جان کے بدلہ کے طور پر اسے جانور میں منتقل کر دیا۔ لہذا اسی بنیاد کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہوگا۔ یہ دستور قیامت تک زندہ رہے گا اور اہل ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

لہ قرطبی ص ۱۵۲ ج ۱۵ (فیاض)

ہے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اس سال یہ خواب پورا ہوگا۔ اور آپ عمرہ کی سعادت حاصل کر لیں گے مگر اس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ سے واپس آگئے اور اگلے سال جا کر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح - ۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا

اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آ رہا تھا۔ کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلا کر ان کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے باپ! جس کام کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر گزریئے اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں حکم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا بلکہ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ آپ میری گردن پر چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کرنا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی تھی۔ بہر حال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا پھر جب دونوں باپ بیٹا مطیع ہو گئے یعنی ان میں حکم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ حد درجہ بیدار ہو گیا۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ تو ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تاکہ آپ کی گردن پر چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبہ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکم الٰہی کی تعمیل میں فرق نہ آ جائے۔ بہر حال جب باپ نے بیٹے کو لٹا کر پھر گردن پر تیز چھری بھی چلا دی، مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری اپنا

کچھ خوفزدہ ہوئے تو فرشتوں نے تسلی دی کہ خوف نہ کھائیں، ہم تو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ جو پاس کھڑی ہنس پڑیں فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (آیت ۷۱) پھر ہم نے اُس کو اسحاقؑ اور اُن کے پیچھے (اُن کے بیٹے) یعقوبؑ کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی، ہائے میرے کیسے بچہ ہوگا کہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تمہارے خاندان پر۔ اللہ تعالیٰ علم والا بیٹا عطا کرے گا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے چنانچہ یہ بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔

قربانی اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام

یہودیوں نے اس مسئلہ کو الجھایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی دی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے تھے اور اسحٰق علیہ السلام سے سولہ سال بڑے تھے امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں اسّی سال کی عمر میں پیدا ہوئے جب کہ اسحاق علیہ السلام بغیر دعا کے پیدا ہوئے جن کی بشارت قوم لوط پر عذاب لانے والے فرشتوں نے حضرت سارہؓ کو دی جس نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت میاں بیوی دونوں بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا واقعہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا تھا

البتہ بائبل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پیش کیا گیا تھا۔ دراصل یہ یہودیوں کے جھوٹ اور تورات

لہ

اس ذریعے بعض نئے مسائل بھی مستخرج ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے گا تو وہ حرام ہوگی کیونکہ جہاد کے علاوہ انسانی جان کو قربان کرنا کسی کے لیے پیش کرنا جائز نہیں۔ اللہ نے از خود کسی انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام ابوحنیفہؒ سے یہی منقول ہے کہ بیٹے کی قربانی کی نذر ماننے والے کو بکرے کی قربانی کرنی چاہیے کہ اس کی نذر یا قسم کا یہی کفارہ ہوگا۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے کَفَّارَةُ نَذْرٍ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ یعنی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ نذر مان کر بچوں کو ذبح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو کہ قطعی حرام ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں چھوڑا ہے۔ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام پر كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ بے شک وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیٹے کی قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ اور ہم نے بشارت دی (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق علیہ السلام کی جو اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا۔ اس بشارت کا ذکر سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے قوم لوط پر عذاب لیکر آنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکلوں میں آئے۔ انہوں نے مہمان سمجھ کر بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے رکھا مگر ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام

لے احکام القرآن للجصاص ص۳۶۰ ج ۳

لے احکام القرآن للجصاص ص۳۶۰ ج ۳ (قیاس)

تمام عرب پیدا ہوئے اور پھر انہی میں سے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں نیکوکار بھی ہیں اور گنہگار بھی ان میں موحد بھی ہیں اور مشرک بھی جن کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں جابجا کیا ہے۔

میں تحریف کا نتیجہ ہے۔ یہودی بہتان طراز قسم کے لوگ تھے اور جھوٹ بولنے میں ذرا بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ اسرائیلیوں کی قرآن کے ساتھ دشمنی تھی۔ یہودیوں نے اپنی قبائل کو عرب ثابت کرنے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام پر الزام باندھا کہ انہوں نے نعوذ باللہ شراب پی کر خود اپنی بچیوں سے بدکاری کی جن کی اولاد موآبی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی حالانکہ قربانی کا واقعہ تو اس وقت پیش آیا جب اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کے اکیلے بیٹے تھے۔ اسی مقام پر بھی اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ذبح عظیم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی دی۔ واقعاتی لحاظ سے بھی قربانی کا واقعہ مکہ میں پیش آیا اور یہیں ہر سال حاجی لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کرتے ہیں اس کے برخلاف حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام و فلسطین میں رہے۔ اگر قربانی کا واقعہ ان کے ساتھ پیش آتا تو اس کا مرکز بھی مکہ کی بجائے شام و فلسطین ہوتا۔ بہرحال قرآن پاک کے اسلوب سے واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی اور یہودی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں

خاندان ابراہیم

فرمایا ہم نے بشارت دی اسحاق علیہ السلام کی جو نیکوں میں سے نبی تھے وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ اور ہم نے برکت دی اس پر یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا اور دونوں کی اولاد میں سے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں سے بھی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ دونوں بھائیوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔ خاندان اسحاق میں سے آگے ہزاروں شاخیں نکلیں جو شام و فلسطین میں پھیلیں۔ اور اسی طرح خاندان اسماعیل میں سے

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
وَبِالَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور
ہارون علیہما السلام پر ﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے ان دونوں کو نجات
دی اور ان کی قوم کو بھی بڑی تکلیف سے ﴿۱۱۵﴾ اور ہم
نے ان کی مدد کی، پس تھے وہی غالب ہونے والے ﴿۱۱۶﴾
اور دی ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب ﴿۱۱۷﴾
اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی صراطِ مستقیم کی طرف ﴿۱۱۸﴾
اور چھوڑا ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں ﴿۱۱۹﴾ کہ
سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ﴿۱۲۰﴾ بیشک ہم
اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۱۲۱﴾ بیشک تھے
وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے ﴿۱۲۲﴾ اور بیشک
الیاس علیہ السلام البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے ﴿۱۲۳﴾
جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے، کیا تم ڈرتے نہیں ﴿۱۲۴﴾
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر
خالق کو ﴿۱۲۵﴾ اللہ جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے آباؤ اجداد
کا بھی پروردگار ﴿۱۲۶﴾ پس ان لوگوں نے جھٹلایا اُس
کو، پس بے شک وہ (عذاب میں پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے ﴿۱۲۷﴾ مگر اللہ کے مخلص بندے ﴿۱۲۸﴾
اور چھوڑی ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں (یہ
بات) ﴿۱۲۹﴾ کہ سلام ہو الیاسین پر ﴿۱۳۰﴾ اسی طرح ہم بدلہ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا
وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ
فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ
اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ
لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى
اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا
لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

کو دوسری بیوی حضرت سارہؓ سے بھی بیٹے کی بشارت ملی اور اللہ نے ان کے ہاں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا جن کی اولاد کا سلسلہ دور تک گیا اور جن میں اللہ نے ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ دیکھو اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائیں اور کتنے امتحانات سے گزرے تو پھر اللہ نے ان پر انعامات بھی بے شمار کیے۔ اب اگلی آیات چند دیگر انبیاء اور ان کو پہنچنے والی تکالیف اور پھر ان کی کامیابی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بالآخر کامیابی تمہارے ہی مقدر میں ہوگی۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو قرآن پاک میں چھبیس سے زیادہ مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں تاہم یہاں پر اختصار کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ان پیغمبروں نے اللہ کا دین و ہدایت کو پہنچانے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا۔ مگر بالآخر اللہ نے انہی کو کامیاب بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور ہم نے ان دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور دونوں کی قوم کو بڑی اذیت سے نجات دی۔ وَنَصَرْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی مدد کی فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ اور آخر کار وہی غالب آئے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے۔

پھر فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ اور اللہ کے دونوں پیغمبروں کو ہم نے ایک واضح کتاب بھی دی۔ اس سے مراد تورات ہے۔ جو اصل میں تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم چونکہ دونوں پیغمبر اسی کتاب کی تبلیغ کے پابند تھے، لہٰذا اللہ نے اس کتاب کو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت

جیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۳۱) تحقیق وہ تھے ہمارے بندوں میں سے (۱۳۲) اور بیشک لوط علیہ السلام بھی البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے (۱۳۳) جب کہ بچایا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں سب کو (۱۳۴) مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہنے والوں میں تھی (۱۳۵) پھر ہلاک کیا ہم نے دوسروں کو (۱۳۶) اور بیشک تم (اے اہل مکہ) البتہ گزرتے ہو ان پر صبح کے وقت (۱۳۷) اور رات کو بھی کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ (۱۳۸)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دونوں فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ یہ سب اصحاب کامل درجے کے دیندار اور اعلیٰ پیمانے کی نیکی کرنے والے تھے فَلَمَّآ اَسْلَمَا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹا ہر وقت اطاعت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو شرک توحید سمجھایا تو وہ مخالف ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ چنانچہ تاریخ عالم کی عظیم ترین آگ جلائی گئی جس میں ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانی اور عظیم معجزہ تھا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے مگر اس کے باوجود قوم کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی اور اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر بارگاہ رب العزت میں بیٹے کیلئے دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ پھر جب بچہ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ نے اس کی قربانی کا حکم دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج کر قربانی کی تکمیل کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام

الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دونوں ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پہلے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی اللہ نے کامل ایمانداروں میں شمار کیا ہے۔

الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور نبی حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرمایا وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور بیشک الیاس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے نزولِ وحی کے علاوہ آپ کو مستقل شریعت بھی عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقام پر آیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الانعام ہے جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ اگر وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اُن میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام بھی مذکور ہے۔ اور دوسرا مقام اس سورۃ میں ہے جہاں اللہ نے آپ کی دعوتِ توحید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی نیکی اور ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کا زمانہ اليسع نبی کا فترہی زمانہ ہے آپ شرقِ اردن کے ایک مقام جلعاد میں پیدا ہوئے، اس زمانے میں بَعْلَ بَكَّ بڑا متمدن شہر تھا۔ اللہ نے آپ کو اس شہر کی طرف مبعوث فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنا دور گزار کر اپنے رب کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

بعل بت کی پوجا

بائبل میں بعل بک کے بادشاہ کا نام اخاب اور اس کی مشرکہ بیوی کا نام ازابل

---

[1] تفسیر کبیر ص ۱۲۱ ج ۲۶ و التشریح الفسیر ص ۳۶۹ ج ۳۰

[2] طبری ص ۹۳ ج ۲۳ و معالم التنزیل ص ۲۳۲ تا ۲۳۶ ج ۳۸ (فیاض)

بائبل کے پہلے پانچ باب تورات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کے بعد یہ دوسری تیسری عظیم الشان آسمانی کتاب ہے، اسمیں اللہ تعالیٰ نے عقائد، اخلاق، صدود تعزیرات کے علاوہ معاشرتی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے سورۃ القصص میں قرآن اور تورات کے متعلق مشترکہ طور پر فرمایا قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (آیت - ۴۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کتابوں سے بہتر ہدایت دینے والی کوئی کتاب ہے تو لے آؤ۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں کتابیں یعنی قرآن اور تورات سب سے زیادہ جامعیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی دو آسمانی کتابیں انجیل اور زبور ہیں مگر وہ اتنی جامع نہیں ہیں ان میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم ہے، مسائل اور تعزیرات کم ہیں۔ البتہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید تمام کتب سماوی میں پائی جاتی ہے۔

پھر اللہ نے اپنے دونوں انبیاء یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ہم نے دونوں کو راہ راست کی طرف راہنمائی کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں صراط مستقیم کے راہی تھے۔ اللہ نے ان کے قول و فعل میں استقامت بخشی تھی۔ دیگر انبیاء کی طرح اللہ نے ان کو بھی صغائر و کبائر اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ان میں کمال درجے کی عبادت و بندگی تھی اور وہ صبر و تحمل اور بردباری کا پیکر تھے۔ نیز فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پچھلوں کے لیے بھی ان دونوں کے حق میں یہ بات چھوڑ دی یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی ان کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر اللہ نے ان کو وہ مرتبہ بخشا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

فرمایا وہ بہترین پیدا کرنے والا اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے رَبُّكُمْ وَرَبُّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا
کا بھی، تم اس کی بجائے بعل کی پوجا کرتے ہو جو بے جان مورتی ہے اور تمہارے
کسی کام نہیں آسکتی۔ آج بھی مشرک لوگ ویسا ہی کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ معاملہ بتوں
کے ساتھ کرتے تھے، آج کے مسلمانوں نے یہی معاملہ قبروں کے ساتھ شروع
کر دیا ہے قبروں کو پختہ کیا جاتا ہے، اگر پہ گنبد بنائے جاتے ہیں، پھر چادریں
چڑھتی ہیں۔ اور گل پاشی ہوتی ہے اور پھر نادان لوگ ان کو سجدے کرتے ہیں۔
——— اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ کفر، شرک اور بدعات کی باتیں ہیں
جن میں رسومات باطلہ بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اور شرک کے یہ اڈے بعض لوگوں
کی معیشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر لوگ انہیں کاروباری لحاظ سے ترقی
دیتے ہیں۔ ان کے حق میں الٹا سیدھا پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ عرس اور میلے
منعقد ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا کاروبار چل نکلتا ہے۔
تو الیاس علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم بہترین پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر بعل کی
پوجا کرتے ہو؟
حقیقت یہ ہے کہ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد - ۱۷) ہر چیز کا پیدا
کرنے والا (خالق) تو اللہ ہے مگر احسن الخالقین کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے
کہ کوئی اور بھی خالق ہیں جن میں سے بہترین خالق اللہ ہے۔ تو بہترین خالق
اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مجازی طور پر انسان بھی تو بعض چیزیں تیار کرتے ہیں،
مثلاً کیمسٹری والوں نے بے شمار مرکبات تیار کیے ہیں اور فزکس کے ماہرین نے
بہت سی مشینری ایجاد کی ہے جس سے ضروریات زندگی کی لاتعداد چیزیں بنتی
جا رہی ہیں۔ بندہ اپنے عطا شدہ اختیارات کو بروئے کار لا کر طرح طرح کا کام کرتا ہے
جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مگر حقیقی خالق وہی
ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ انسان کے افعال کا خالق بھی

ذکر کیا گیا ہے۔ بادشاہ اپنی بیوی کے زیر اثر تھا اور یہ سب لوگ بعل بت کی پوجا کرتے تھے۔ بعل کا لغوی معنی کسر شوہر، آقا یا مالک ہوتا ہے مگر بعل نامی ایک نیک کار عورت تھی جس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کا بت بنا کر پوجا شروع کر دی۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے نیک آدمیوں کے بت بنا کر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں لات نامی بت کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ بھی حقیقت میں ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا جب مر گیا تو لوگوں نے اس کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ اساف اور نائلہ نامی مرد و زن کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ یہ بدبخت خانہ کعبہ میں بدکاری کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کو پتھروں میں تبدیل کر دیا۔ پھر لوگوں نے اٹھا کر انہیں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر رکھ دیا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ مگر جب کچھ زمانہ گزر گیا تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ انہیں بزرگ سمجھ کر ان کی پوجا ہونے لگی۔ چنانچہ مشرک لوگ ان کے نام کا احرام باندھتے تھے اور لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی بجائے لَبَّیْکَ اِسَافَ وَنَائِلَۃَ کہنے لگے۔

الیاس علیہ السلام کی دعوت توحید

بہرحال الیاس علیہ السلام کی قوم بعل کی پوجا کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا بعل بت بنا کر لوگوں کو توحید کی دعوت دو۔ آپ نے دل پر قوم کو خطاب فرمایا۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے اَلَا تَتَّقُوْنَ لوگو! کیا تم ڈرتے نہیں؟ دیکھو تم کفر اور شرک میں مبتلا ہو۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو، اس سے اپنی حاجات طلب کرتے ہو، اور اس کے سامنے تذلل و نیاز پیش کرتے ہو وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ اور سب سے بہتر پیدا کرنے والی ذات کو چھوڑ دیتے ہو، اس کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اس سے حاجت براری کرتے ہو، یہ کتنی بڑی نادانی کی بات ہے۔

الیاس علیہ السلام

اللہ نے فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ہم نے ان کا ذکر پیچھے بچھلوں میں چھوڑا یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی کریں گے سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ سلام ہو الیاسین پر۔ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہی ہیں۔ بعض قرأت میں بعض دفعہ ایسے بھی پڑھتے ہیں جیسے طور سینا کو طُورِ سِينِينَ (التین ۲) بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ، وہ ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے، اسی لیے اللہ نے انہیں رسالت و نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس خلوص و لگن کے ساتھ اپنی قوم تک دعوت توحید پہنچائی اور کس طرح مصائب کو برداشت کیا۔ اگرچہ یہاں پہ آپ کی ایذا رسانیوں کی تفصیل نہیں دی گئی تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں کو مشکلات کی گھاٹی عبور کرنا ہی پڑتی ہے اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ تک روپوش رہے کیونکہ قوم آپ کی جان کے درپے تھی۔

لوط علیہ السلام کی دعوت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا تذکرہ فرمایا وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور بیشک لوط علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی وحدانیت کی تبلیغ اور برائیوں سے منع کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کی بعثت شرق اردن میں بارہ لاکھ سے زیادہ آبادی والی قوم کی طرف ہوئی جن کے سدوم اور عامورہ وغیرہ چھ بڑے بڑے شہر تھے اور جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی اور باقی چھوٹی بستیاں اور دیہات تھے آپ عرصہ تک ان کو تبلیغ حق کرتے رہے، ان میں ہم جنسی کی نہایت ہی قبیح بیماری پیدا ہو چکی تھی جس سے آپ منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ الٹا آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ آپ کی بیٹیوں کے سوا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا حتیٰ کہ آپ کی بیوی

ہے۔ غرضیکہ تمام انسانی ناقصوں کی بنائی ہوئی مصنوعات کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سب سے بہتر خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ سب سے پہلی بات ہے کہ کوئی انسان مادے کے بغیر کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا اور مادہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین اور آسمان کو بغیر آلے اور مادے کے تخلیق کر سکتا ہے، اور بغیر باپ کے بیٹا عطا کر سکتا ہے، مگر کوئی انسان یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بہترین خالق ہے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بہترین خالق وہ اللہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی۔ وہی تمہیں بتدریج حد کمال تک پہنچاتا ہے اور تمہیں تمام ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔

اس دعوت توحید کے جواب میں فَكَذَّبُوهُ قوم کے لوگوں نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ انہوں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ الٹا آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے حتیٰ کہ بادشاہ اپنی بیوی کے کہنے پر آپ کے قتل کے درپے ہوا اور تفسیری روایات کے مطابق آپ کافی عرصہ تک روپوش بھی رہے۔ فرمایا ان کی اس گستاخی، نافرمانی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلے گا فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ کہ قیامت والے دن وہ گرفتار کر کے اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ مگر اس کے مخلص بندے اس گرفت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے، ظلم و زیادتی سے باز آجائیں گے، عدل و انصاف کا دامن تھام لیں گے، وہ اللہ کے مخلص بندے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بچ جائیں گے۔

لہ لبری ص۹۳ ج۲۳ و خازن ص۲۳۴ ج۵ (فی ض)

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ حرکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ یٰسین میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

کفر اور ایمان کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً برا ہوگا۔ کفر کا معنیٰ دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔ دوسرے

بھی گذرہ ہوتا رہتا۔ یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ یمن سے شام و فلسطین اور حجاز تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھے۔ یہاں سے قافلے ہر وقت گذرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خاصے آسودہ حال تھے۔

ارشاد ہوا کہ لوط علیہ السلام بھی جانے رسولوں میں سے تھے۔ اللہ نے آپ کو مستقل شریعت عطا فرمائی تھی۔ آپ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور قوم نے آپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا بالآخر قوم کی تباہی کا وقت آگیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات رات بستی سے نکل جائیں کیونکہ ان پر عذاب آنے والا ہے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بچیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے کے بچ گئے اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ہم نے نجات دی آپ کو اور آپ کے گھر والوں سب کو اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ سوائے بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ یہ آپ کی بیوی تھی جو آپ کے ساتھ رات کو نہیں نکلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نکلی تو تھی مگر راستے سے واپس پلٹ گئی تھی۔ فرمان کی ہدایت کے مطابق حکم یہ تھا کہ بستی سے نکل جائیں مگر پلٹ کر نہ دیکھیں مگر بیوی تھوڑی دور چلی پھر پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تو اللہ نے اس کو وہیں سنگ کر دیا اور وہ پتھر بن گئی۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ وہ گھر میں ہی ٹھہری رہی اور باقی قوم کے ساتھ عذاب کا شکار ہو گئی۔ اللہ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی جس سے ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں یعنی بچیوں کو ہم نے بچا لیا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ پھر دوسروں کو تہس نہس کر دیا۔ تدمیر کا معنی تہ و بالا کر دینا ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی فرد و لعد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

---

[1] طبری ص۳۲۳ ج۱۲ [2] طبری ص۳۲۴ ج۱۲ (ایاض)

آگے اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور عبرت دلائی جا رہی ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ اور بلاشبہ تم ان پر سے گزرتے ہو صبح کے وقت وَّبِالَّيْلِ اور ان تباہ شدہ بستیوں پر تمہارا گزر رات کے وقت بھی ہوتا ہے۔ تم تجارتی سفر پر مصر، شام اور فلسطین کی طرف جاتے ہو۔ تو ان بستیوں کے کھنڈرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہو جو حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ان بستیوں کے کھنڈرات موجود تھے جنہیں مشرکین مکہ دیکھتے تھے مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ بحرمیت کو تو اللہ تعالیٰ نے اس قدر برباد کر دیا کہ اس میں اب بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ نے عبرت دلاتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ کر بھی تم راہ راست پر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کو ایذائیں پہنچائیں، حق کو تسلیم نہ کیا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ اگر تم بھی انہی کے راستے پر چلتے ہوئے نبی آخر الزمان کی مخالفت کرو گے ان کو تکالیف پہنچاؤ گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی قوم لوط سے مختلف نہیں ہوگا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ کافروں، مشرکوں اور بدکردار لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ان کو دیکھ کر ہی نصیحت پکڑو تو بچ جاؤ گے ورنہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہو گے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾
وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: اور بیشک یونس علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف ﴿۱۴۰﴾ پس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں ﴿۱۴۱﴾ پس نگل لیا اُن کو ایک مچھلی نے اور وہ ملامت زدہ تھے ﴿۱۴۲﴾ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے والوں میں ہوتے ﴿۱۴۳﴾ تو البتہ ٹھہرتے وہ اس (مچھلی) کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن

تک (۱۴۴) پھر ہم نے ڈال دیا اُن کو ایک چٹیل میدان میں
اور وہ بیمار تھے (۱۴۵) اور اگایا ہم نے ان کے اُوپر
ایک بیل دار درخت (۱۴۶) اور بھیجا ہم نے اُن کو ایک
لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (۱۴۷) پس وہ
ایمان لائے۔ پھر ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک (۱۴۸)

ربطِ آیات

پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا، پھر الیاس علیہ السلام کا اور پھر لوط علیہ السلام کا۔ یہ سب اللہ کے نبی اور رسول تھے جنہوں نے ایمان اور توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی، مگر لوگوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ شدید مخالفت کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ نوح علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اللہ نے اُن کی قوم کو غرق کیا، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخالفین بھی بحرِ قلزم میں ڈوبے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے قوم کو بعل کی پوجا سے منع کیا۔ وہ بھی باز نہ آئے تو اللہ نے اُن پر بھی عذاب بھیجا۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو بستی سے نکال کر باقی لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر کیے ہیں، اور یاد دلایا ہے کہ اگر تم بھی نافرمانی سے باز نہ آئے اور دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

یونس علیہ السلام کا تذکرہ

اب اسی سلسلۂ رسالت کی کڑی کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور یونس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ وہ صاحبِ وحی تھے اور اللہ نے ان پر صحیفہ بھی نازل فرمایا جو کہ بائبل میں صحیفہ یوناہ یا یونان کے نام پر شامل ہے موجودہ بائبل میں پہلے پانچ باب تورات کے ہیں اور کل انتالیس صحائف

دوسرے نبیوں کے ہیں جن میں یونس نبی کا صحیفہ بھی ہے۔ آگے زبور ہے اور آخر میں چار انجیلیں ہیں۔ جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بگاڑ دیا ہے اسی طرح مقدس کتاب کہلانے والی تورات بھی انسانی ہاتھوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی۔

یونس علیہ السلام کا اصل وطن تو شام و فلسطین تھا۔ مگر اللہ نے ان کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشہور شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال قبل کا ہے۔ آپ بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جن میں اللہ نے کم و بیش چار ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ نینوا کا شہر ایک متمدن علاقہ تھا جہاں مستقل بادشاہت تھی۔ آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ آخر آپ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو وعید سنائی۔ کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

یونس کی خطائے اجتہادی

یونس علیہ السلام لوگوں کو عذاب کی وعید سنا کر اس بستی سے از خود نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (آیت ۸۷) انہوں نے گمان کیا کہ بلا اجازت بستی چھوڑ دینے سے ان پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی۔ یہ آپ کی خطائے اجتہادی تھی، ورنہ انہیں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے تھا جب حکم ہوتا اس وقت بستی سے نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جلد بازی کو بے صبری سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (آیت ۴۸) آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کریں اور مچھلی والے یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ بن جائیں۔ بہرحال اس واقعہ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ صرف اجتہادی غلطی تھی جس کی بناء پر آپ پر اللہ کی عنایت

سے گرفت آگئی۔ کسی عام مومن پر تو ایسی معمولی خطا پر پکڑ نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی تہذیب و تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی اجتہادی خطا پر بھی آزمائش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

عصمت انبیاء

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش تو ہو سکتی ہے جیسے یونس علیہ السلام سے ہوئی مگر اُن کو یہ گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالقصد والاختیار گناہ کا مرتکب ہو تو دائرۂ نبوت سے ہی خارج ہو جائے گا۔ عصمت انبیاء کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف۔ ۲۴) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے دامِ فریب سے بچا کر فرمایا کہ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو برائی اور بے حیائی سے دور رکھتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ اللہ نے عام نبیوں کے متعلق بھی فرمایا ہے اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ (سورۃ ص) ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی خصوصیت سے ممتاز کیا ہے۔ اور وہ ہمارے برگزیدہ اور منتخب بندے ہوتے ہیں[1] وہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ انبیاء چونکہ حقیقی گناہ سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے معمولی لغزش پر اُن کی سزا بھی حقیقی نہیں ہوتی بلکہ اُن کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت

---

[1] بیان القرآن ص ۱۳۲/۹ (فیاض)

سے پاک ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

"ملت اسلام اور اتباع امر الٰہی میں کوئی تقصیر نہ کرو اور اللہ کے نبی اللہ کے کسی طرح بھی گستاخی نہیں کرتے۔ چونکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ - ۶۷) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے، آپ اسے بلاکم و کاست پہنچا دیں اور اگر آپ نے ذرہ بھر بھی کوتاہی کی تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کی کسی لغزش کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہئے جس سے ان کی کمزوری مترشح ہوتی ہو۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔ لَا يَجُوْزُ ذِكْرُ زَلَّةِ الْاَنْبِيَآءِ فَاِنَّ ذِكْرَهُمْ يُوْجِبُ كَمَالَ الْاِنْتِبَاهِ اِلَى اللّٰهِ وَرَفْعَ دَرَجَاتِهِمْ وَمَنِ اعْتَرَضَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ فَقَدْ كَفَرَ انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی لغزشیں کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں، اور جس شخص نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ - ۲۸۵) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آیا ہے مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنِّيْ خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۔

مولانا مودودی کی غلطی

مسئلہ عصمت انبیاء کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے پیغمبر تک کی نسبت

ے مکتوبات شاہ ولی اللہ مکتوب ۱۴۳ بنام مظہری صفحہ ۱۳۵ (فیاض)

انبیاء کی طرف کی ہے، تاہم ہمارے زمانے کے مفسر قرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے علماء نے اُن کا تعاقب کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم بڑے ذہین آدمی تھے انہوں نے اپنی زندگی صحافت سے شروع کی اور وہ بہترین صحافی ثابت ہوئے۔ آپ نے انگریزی عربی اور فارسی سے شناسائی پیدا کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھیں، مگر اُن کی کمزوری یہ تھی کہ اُن کا سارا علم مطالعہ کے زور پر تھا۔ باقاعدہ استادوں کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھ کر عالم بنا ہو وہ غلطیاں بھی کرے گا۔ تو مودودی صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ انہوں نے بہت بڑی تفسیر لکھی ہے مگر اس میں غلطیاں بھی کی ہیں۔ اس معاملہ میں علامہ اقبال کی حیثیت مختلف ہے۔ وہ عالمِ دین تو نہیں تھے بلکہ فلسفہ میں ڈاکٹریٹ (P.H.D) کیا تھا، لہٰذا جہاں دینی مسائل درپیش ہوتے تو وہ علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبال نے راہنمائی کے لیے سید سلیمان ندوی اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی طرف خطوط لکھے، مولانا معین الدین اجمیریؒ کو مشکوک مسائل کے متعلق خطوط لکھے، کہا کرتے تھے کہ میں دینی مسائل میں علماء کا محتاج ہوں اور اُن کی تحقیق کو سند کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ جمعیۃ علمائے ہند کی بات کو بھی سند مانتے تھے، باقی سیاسی اور دیگر معاملات میں اپنی صوابدید پر عمل کرتے تھے۔

بہرحال مولانا مودودی کی یونس علیہ السلام کے متعلق غلطی یہ ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے اُن پہ ابتلا آئی۔ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کیونکہ اگر نبی فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو وہ تو منصبِ نبوت کا اہل ہی نہیں رہتا۔ بلا اجازت بستی سے نکل جانا حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی نہ کہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی۔

بعض لوگوں کو بعض انبیاء کی دعاؤں کے الفاظ سے بھی غلط فہمی ہوئی ہے

حضرت یونس علیہ السلام نے مذکورہ لغزش سرزد ہو جانے پر دعا کی تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء - ۸۷) اے مولا کریم تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو گیا۔ تو انہوں نے بھی بارگاہ رب العزت میں یوں دعا کی تھی۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ (القصص - ۱۶) پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس مجھے معاف کر دے تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ آیا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف - ۲۳) اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا، اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

یہ کوئی بالقصد ارادہ گناہ نہیں تھے مگر بعض لغزشیں تھیں انبیاء نے اپنے منصب کے پیش نظر ان کو بھی ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا مجازی معنی میں ہے نبیوں کی شان چونکہ بلند اور رفیع ہوتی ہے۔ اس لیے معمولی سی غلطی بھی بڑی نظر آتی ہے۔

کشتی میں سواری

بہر حال یونس علیہ السلام قوم کو وعید سنا کر بستی سے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور پھر بزعم خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدم گرفت پر محمول کیا۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ جب کہ وہ بھاگے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ ابق کا معنی ہے غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ یونس نے نکل کر بستی کے کنارے پہنچے اس وقت ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ جو رافد سے ترسیس کی طرف

جارہی تھی۔ آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ قدرت خدا کی ایسی ہوئی کہ دریائے دجلہ میں پہنچ کر یہ کشتی رک گئی حالانکہ دوسری کشتیاں بخوبی آجا رہی تھیں۔ ملاحوں نے خطرے کا اعلان کیا کہ کشتی پر بوجھ زیادہ ہے اور یہ اس حالت میں دریا کو عبور نہیں کر سکتی، لہٰذا اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اگر بوجھ ہلکا کرنا مقصود تھا تو پہلے آدمی کی بجائے سامان کو پھینکا جاتا مگر انہوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق یہ گمان کیا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہو گیا ہے جس کی نحوست کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جان بچ جائے۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کون سا کشتی سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے۔

قرعہ اندازی

آخر کار اہل کشتی نے باہم مشورت سے طے کیا کہ تمام مسافروں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام پر قرعہ نکلے اسے ضائع کر دیا جائے فَسَاهَمَهُمْ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے۔ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ پس وہی تیسے مغلوب ہونے والوں میں یعنی قرعہ انہی کے نام نکلا تاکہ انہیں دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام کی شرکت کے متعلق بعض مفسرین[1] کہتے ہیں کہ آپ کی اچھی شکل و صورت دیکھ کر اہل کشتی نے آپ سے کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں۔ بہرحال آپ نے بذات خود قرعہ اندازی کی یا دوسروں نے کی بار بار ایسا کرنے پر نام آپ ہی کا نکلا مگر لوگوں کو غلط نہیں آرہا تھا کہ اس شکل و صورت کا نیک آدمی بھاگا ہوا غلام ہو سکتا ہے۔

---

[1] ابن کثیر ص۔ ج ۳ (فیاض)

البتہ یونس علیہ السلام خود سمجھ گئے کہ اپنے آقا سے بھاگے ہوئے وہی ہیں لہٰذا وہی مجرم ہیں اور نہیں باقی لوگوں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دینی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے خود پانی میں چھلانگ لگا دی یا لوگوں نے کشتی سے لیے پھینک دیا۔ آپ دریا میں پہنچ گئے۔

مچھلی کے پیٹ میں

خدا کی قدرت کہ جہاں آپ پانی میں کودے آگے مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ پس اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا یعنی سالم نگل گئی وَهُوَ مُلِيمٌ اور آپ اس وقت ملامت زدہ تھے۔ ملیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کارگزاری کی بنا پر ملامت زدہ ٹھہرے یا یہ کہ وہ اپنی لغزش پر خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے۔ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بائبل کی روایت میں سات دن کا ذکر ہے اور بعض تفاسیر میں ایک دن، تین دن اور چالیس دن کا ذکر بھی آتا ہے اللہ نے فرمایا فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ پس اگر آپ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ تو دوبارہ اٹھائے جانے تک یعنی قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مجازی معنی مراد ہے کہ اگر آپ تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت سے پہلے دوبارہ اس جہان میں نہ آتے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مچھلی کو قیامت تک زندہ رکھتا اور آپ اس کے پیٹ میں ہی محبوس رہتے۔ تسبیح جو آپ نے پڑھی تھی وہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

لہ مدارک ص۳۶ ج۴

کہ ابن کثیر ص۳۱ ج۴ و قرطبی ص۱۲۳ ج۱۵ کہ معالم التنزیل ص۲۱۸ ج۴

(قیاض)

الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں یعنی میں ہی قصوروار ہوں۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح بیان کی تو اسے عرش کے اردگرد والے فرشتوں نے سنا اور عرض کیا اللہ کریم یہ کمزور اور ضعیف سی آواز کس کی آرہی ہے؟ اللہ نے فرمایا: یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی تسبیح ہے جو اس وقت سمندر کی تہوں میں مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا وہی یونس علیہ السلام جس کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش ہوتے تھے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں سفارش کی کہ مولا کریم اپنے بندے کو اس مصیبت سے نجات دے۔

ترمذی شریف کی روایت[1] میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دعا یہی یونس علیہ السلام والی دعا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت یہ دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ ضرور اس کو قبول کرے گا اور مصیبت سے رہائی عطا کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی مصیبت اس دعا کی برکت سے دور کرے گا۔

پیٹ سے باہر آنا

یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا وَهُوَ سَقِيْمٌ اور آپ بیمار تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی منشا تھی کہ مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی ہڈیاں اور گوشت صحیح سلامت رہے البتہ اوپر کی کھال متاثر ہو کر نہایت نرم ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح نومولود بچے کی کھال بالکل نرم و نازک ہوتی ہے۔ آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی یونس علیہ السلام کی خاص مدد کی اور اپنی قدرت تامہ اور

---

[1] ترمذی ص ۵۰۴ (فیاض)

اور حکمت بالغہ سے وَاَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ، اُن پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی، جو آپ پر سایہ فگن ہو گئی۔ عام طور پر یہ بیل زمین پر پڑی پڑی پھیلتی رہتی ہے۔ یا اگر قریب کوئی درخت وغیرہ ہو تو اس پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں مچھلی نے آپ کو اگلا وہاں کوئی خشک درخت یا جھاڑی وغیرہ ہو جس پر بیل چڑھ گئی ہو اور آپ کے نرم و نازک جسم پر سایہ کر دیا ہو۔

ماہرین طب کہتے ہیں کہ تمام مرطوب سبزیوں اور پھلوں کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ مرطوب ہونے کے باوجود ذہن عمل اور دماغ کو تازگی بخشتی ہے۔ حضور علیہ السلام کدو کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے اس بیل کے پتے، پھل اور نازک ٹہنیاں ہیں مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ چنانچہ کدو کی یہ بیل یونس علیہ السلام کی نازک کھال کے لیے مزید آرام و آسائش کا ذریعہ بنی۔ پھر آپ کی خوراک کے لیے اللہ نے ایک ہرنی کو بھیج دیا جس کا دودھ آپ پی لیتے تھے۔ پھر جب آپ تندرست ہو گئے تو اللہ نے واپس اپنی بستی کی طرف جانے کا حکم دیا اور آپ نے تعمیل حکم کی۔

بستی میں واپسی

جب یونس علیہ السلام اہل بستی کو عذاب کی وعید سنا کر چلے گئے تو پیچھے انہیں کے آثار نظر آنے لگے جس سے اہل بستی سخت خوفزدہ ہوئے، وہ سب کے سب گھروں سے باہر میدان میں آ کر توبہ استغفار اور عجز و زاری کرنے لگے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کی تلاش بھی شروع کر دی تاکہ ان کو ساتھ لے کر اللہ سے معافی مانگیں بہرحال جب قوم تائب ہو گئی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان سے آنے والا عذاب ٹال دیا۔ پھر جب یونس علیہ السلام تندرست ہو کر اللہ کے حکم سے قوم میں واپس آئے تو لوگوں نے ——— خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سورۃ یونس میں مرقوم ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (آیت ۹۸) یہ انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ

ہے کہ کسی قوم پر عذاب نمودار ہونے کے بعد اس کو نجات مل گئی ہو صرف قوم یونس علیہ السلام ہے۔

یونس علیہ السلام کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔ اس سے وہی آپ کی بستی مراد ہے جس کی آبادی اتنی تھی۔ ترمذی شریف[1] میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بالغ مرد و زن تو ایک لاکھ تھے اور باقی بیس ہزار بچے بھی تھے۔ فرمایا فَاٰمَنُوْا وہ لوگ ایمان لے آئے، کفر و شرک اور برائی سے باز آگئے فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ تو ہم نے ان کو ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچایا۔ جب تک وہ لوگ ایماندار رہے اللہ کی طرف سے انھیں آرام و راحت بھی ملتا رہا۔ پھر جب زمانہ بدل گیا اور وہ پھر اپنی پرانی روش پر آگئے تو اللہ نے ان پر انعام و اکرام کا دروازہ پھر بند کر دیا۔

---

[1] ترمذی ص۔ و نظری ج۲ ص۱۴۶ ۲ھ (فواضل)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا
بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ
الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾
فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾
وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا
لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ: پس آپ ان سے پوچھیں کیا تیرے پروردگار
کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ﴿۱۴۹﴾ یا پیدا

کیا ہے ہم نے فرشتوں کو عورتیں، اور یہ دیکھتے تھے (۱۵۰) آگاہ رہو، بیشک یہ لوگ جھوٹ بنانے کی وجہ سے (یہ بات) کہتے ہیں (۱۵۱) کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۱۵۲) کیا چن لیا ہے اس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں؟ (۱۵۳) کیا ہو گیا ہے تمھیں، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو (۱۵۴) کیا تم غور نہیں کرتے؟ (۱۵۵) یا تمھارے لیے کوئی کھلی سند ہے (۱۵۶) پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو (۱۵۷) اور ٹھہرایا (مشرکوں نے) اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ، اور البتہ تحقیق جانتے ہیں جن کہ وہ (پکڑے ہوئے) حاضر کیے جائیں گے (۱۵۸) پس پاک ہے اللہ کی ذات ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۵۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (وہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے) (۱۶۰) پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (۱۶۱) نہیں ہو تم اللہ کے سامنے کسی کو بہکانے والے (۱۶۲) مگر وہ جو کہ داخل ہونے والا ہے جہنم میں (۱۶۳) اور (فرشتے کہتے ہیں) نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ایسا مگر اس کے لیے ایک ٹھکانا ہے مقرر (۱۶۴) اور بیشک ہم البتہ صف باندھنے والے ہیں (۱۶۵) اور بیشک ہم البتہ تسبیح پڑھنے والے ہیں (پروردگار کی) (۱۶۶)

ربط آیات

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا۔ آپ نے طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دی۔ مگر قوم نہ مانی۔ بالآخر یونس علیہ السلام قوم کو

عذاب کی وعید سُنا کر بستی سے نکل گئے عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو قوم تائب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ٹال دیا۔ اِس سے پہلے تاریخ انبیاء کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ سب نے اپنی اپنی قوموں کو کفر اور شرک سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی مگر اس سلسلہ میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

خدا کی اولاد کا عقیدہ

عرب کے بعض کافر اور مشرک قبائل بنو خزاعہ اور بنو اسلم وغیرہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی عبادت بھی کرتے اور اُن سے حاجات بھی طلب کرتے تھے۔ اس باطل عقیدے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاسْتَفْتِهِمْ اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ کیا تیرے پروردگار کیلیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا وَهُمْ شٰهِدُوْنَ اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صنف میں پیدا کیا ہے۔ کفار و مشرکین تو بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتے اور فرشتوں کے صنف نازک ہونے کا کوئی ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس مسئلہ کی وضاحت فرما دی۔ اَلَآ سنو! اور آگاہ رہو اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جھوٹی بنائی ہوئی بات کہتے ہیں وَلَدَ اللّٰهُ کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ بے شک یہ البتہ جھوٹے ہیں۔ ان کے اس عقیدے میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

کہنے فرمایا، دیکھو! یہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں کہ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

الْبَنِيْنَ انہوں نے خدا کے لیے بیٹوں کی بھلا بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے۔
حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ یہ خود بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں فرمایا
مَا لَكُمْ تعیں کیا ہو گیا ہے جو ایسی بیہودہ باتیں کرتے ہو کَيْفَ تَحْكُمُوْنَ
تم کیسے فضول اور نامعقول فیصلہ کرتے ہو کہ اللہ کی اولاد ہے اور فرشتے اس
کی بیٹیاں ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم ذرا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ کیا کہہ رہے ہو
اور کس قسم کا عقیدہ بنا رکھا ہے! سورۃ النجم میں اللہ نے مشرکوں
کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ
اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں یعنی تم تو اپنے لیے
بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو، یہ تو بڑی بے انصافی
کی تقسیم ہے جو تم کرتے ہو، تمہاری یہ تقسیم تو عقل و نقل اور فہم و فراست کے ہی
خلاف ہے اور بالکل بعید از انصاف ہے۔

اللہ نے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ تمہاری ان بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو
بڑی قدرت اور عظمتوں کا مالک ہے۔ فرشتے خدا کی مقرب اور پاکیزہ مخلوق
ہیں۔ اللہ نے ان کو تذکیر و تانیث سے پاک رکھا ہے، وہ مجرد ہیں، اور ان
کی تخلیق بھی لطیف مادے سے ہوئی ہے۔ اگر تم نے خدا کے لیے اولاد ہی
تجویز کرنا تھی تو پھر اس قدر گستاخی اور بے ادبی کا اور کلام تو نہ کرتے کہ اپنی
دانست میں کمزور مخلوق کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ فرمایا کسی پر عیب لگانے
کے لیے بھی کچھ تو عقل و شعور سے کام لیتے۔ خدا تعالیٰ تو بیوی اور اولاد سے
پاک ہے۔ سورۃ جن میں اس کا واضح ارشاد موجود ہے وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (آیت ۳) اور بیشک ہمارے
پروردگار کی شان تو بہت ہی رفیع اور بلند ہے، وہ نہ بیوی رکھتا ہے اور نہ اولاد
دراصل انسان کے دل میں اولاد کی خواہش دو وجوہ سے ہوتی ہے ایک
یہ کہ اس کی بدولت اس کا سلسلہ نسب قائم رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اس کی

عبادت کرے گی جبکہ حقیقت یہ ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص ۲) اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے بالکل بے نیاز ہے اس کو نہ تو اولاد سے نسل کی ضرورت ہے اور نہ اس پر کبھی بڑھاپا طاری ہوگا کہ وہ کسی کی مدد کی ضرورت پڑے۔ پھر بھلا خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ خاص طور پر اللہ کی طرف ضعف اور کمزوری کی نسبت کرنا تو مزید بیوقوفی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں اس بات کا ذکر کیا ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (آیت ۵۸) عرب کا کوئی مشرک کسی مجلس میں بیٹھا ہوتا اور وہاں اگر اُسے کوئی خبر دیتا کہ تمہارے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو غم کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا لڑکی کی پیدائش سے اس قدر نفرت ہوتی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ آیا ذلت برداشت کرنے کے لیے اس لڑکی کو زندہ رہنے دے اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ (آیت ۵۹) یا اسے زندہ زمین میں گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا نظریہ یہود و نصاریٰ میں بھی پایا جاتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ ۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں فرمایا یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی پہلے کافروں کی طرح اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دیوی دیوتا کا عقیدہ اسی نوع کا ہے ان کی دیویاں بھی خدا کی یہ مقدس مخلوق فرشتے ہیں جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں مگر عیسائی تو ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں وہ تو اقانیم ثلاثہ کے قائل ہو گئے یعنی ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق کہا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اس سارے باطل عقیدہ کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

مُبِیْنٌ کیا اس باطل عقیدے کی تمہارے پاس کوئی کھلی سند ہے؟ فَاْتُوْا بِکِتٰبِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ اور دکھاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ کافر مشرکوں کے پاس کون سی دلیل ہے جو وہ پیش کرتے۔ لہٰذا آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ آئندہ کبھی دے سکیں گے

جنات سے رشتہ داری کا عقیدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور باطل عقیدے کا ذکر فرمایا ہے۔ وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا اور ٹھہرا لیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ۔ جب مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کر لیا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں کی مائیں کون ہیں جن کے بطن سے یہ بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں؟ پھر عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جنات کے ساتھ جوڑا اور کہنے لگے کہ یہ بڑی بڑی جنیاں فرشتوں کی مائیں ہیں گویا جنات کو خدا تعالیٰ کا سسرال بنا دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ کتنی غلط بات ہے جو جنوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ جنات تو اللہ کی عاجز مخلوق ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ فرمایا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ اور البتہ جنات جانتے ہیں کہ وہ تو گرفتار شدہ اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر وہ ایسا کوئی کام کریں گے تو اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں مگر ان ظالموں نے ان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری قائم کر دی۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام[1] فرماتے ہیں کہ بعض زندیق قسم کے

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲۶ ص ۱۰۲ [2] ابن کثیر ج ۴ ص ۲۳ و طبری ج ۲۳ ص ۱۰۷ (فیاض)

لوگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی ہیں (نعوذ باللہ) اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق۔ مجوسیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ وہ بھی خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی اور بدی کے دو مختلف خدا مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا یزدان ہے۔ اور برائی کا اہرمن ہے۔ یہ عقیدہ پرانے ایران کے ایک شخص مانی کا وضع کردہ ہے۔ بعض بادشاہوں نے اس مذہب کے پیروکاروں کو سزا بھی دی مگر پھر بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرکت پیدا کرتا ہے اور یہ اسی طرح باطل ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرانا۔

ثنوی عقیدہ کی تردید

چوتھی صدی میں متنبی ایک مشہور عربی شاعر گزرا ہے اس نے اس دو خداؤں والے عقیدے کی اپنے انداز میں نفی کی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وکم لظلمِ اللیل عندک من یدٍ
تحدث ان المانویة تکذب

مجھے تو رات کے اندھیرے میں بھی بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مگر مانوی کہتا ہے کہ ظلمت کا خدا ہی اور ہے، حقیقت یہ کہ اس معاملہ میں مانوی جھوٹا ہے اس کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظلمت محض شر پر مشتمل ہے اور اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں مجھے تو شب و روز بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، دو خداؤں کا عقیدہ خدا کی ذات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیک و بد مخلوق خواہ انسان ہوں، جنات یا فرشتے سب کا خالق ایک ہی وحدہٗ لاشریک ہے، کوئی دوسرا خالق نہیں سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ان غلط باتوں سے جو یہ کافر اور مشرک لوگ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے، نہ بھائی اور نہ ہی کوئی اولاد ہے۔ یہ سب نقص اور عیب پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اللہ کی ذات ہر

نقص اور عیب سے مبرا اور منزہ ہے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگ لازماً مجرم نہیں گے اور خدا کی عدالت میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔

مخلصین کی حالت

فرمایا البتہ ایک جماعت اس گرفت خداوندی سے بچ جائے گی اور وہ ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ اللہ کے مخلص منتخب اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے، وہ باعزت اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر انہیں نہایت تکریم کے ساتھ اللہ کے عزت کے مقام جنت تک رسائی ہوگی۔ پھر اللہ نے مشرکوں سے فرمایا فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ پھر بے شک تم اور جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سامنے اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ تم خدا تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لاکھ اپنے عقیدے کا پراپیگنڈا اور میرے بندوں کو پھسلانے کی کوشش کرو مگر میرے مخلص بندے تمہارے دام فریب میں نہیں آئیں گے۔ تمہارے بہکاوے میں وہی آئے گا اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ جو جہنم میں داخل ہونے والا ہے۔ تمہارا وار انہی لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ جو عقل و شعور کو بروئے کار نہیں لاتے اور ضد و عناد پر اڑے رہتے ہیں۔ تم انہی کو گمراہ کر کے جہنم تک لے جا سکتے ہو۔ میرے مخلص بندے تو ہر وقت مناجات اور دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ میرے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھ سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، لہٰذا وہ شیطانی وار بچ سے محفوظ رہتے ہیں۔

فرشتوں کی صفت

مشرکین کی بات ختم کر کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے بات کروائی ہے۔ فرشتے نہ تو خدا کی بیٹیاں ہیں اور نہ ہی وہ معبود ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے مطیع اور عاجز بندے ہیں۔ وہ کسی کی جبری سفارش بھی اللہ کے پاس نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔ اسی بات کو فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اللہ نے ہم میں ہر ایک کے لیے

ایک مقام اور مرتبہ مقرر کیا اور ہم اس مقام سے آگے نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری جو ڈیوٹی لگائی ہے ہم اسی کو ادا کرتے رہتے ہیں اور حکم خداوندی سے سرمو انحراف کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ہم تو اس کے حکم کی تعمیل میں وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ہمیشہ صف بستہ رہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی صف بندی کو معیاری قرار دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ تم نماز اور جہاد کے لیے فرشتوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا گیا کہ فرشتے کس طرح صفیں بناتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ اگلی صفیں پہلے بناتے ہیں اور درمیان میں کوئی خلا نہیں چھوڑتے پہلے اگلی صفوں کی تکمیل کرتے ہیں پھر پچھلی صفیں بناتے ہیں صف بندی سے جماعت تنظیم کا استدلال بھی ہوتا ہے۔ بدنظمی ہرگز پسندیدہ چیز نہیں۔ اگر صف خراب ہوگی، غیر منظم اور ٹیڑھی ہوگی تو دل اور عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے درست صف بندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لوگو! جو بات میں سنتا ہوں، وہ اگر تم بھی سنتے اور جو بات میں جانتا ہوں، وہ اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ فرمایا ایسی صورت میں تم دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور بستروں پر عورتوں کے پاس لیٹنا چھوڑ کر خدا کے حضور جا بجا دامن کی طرف بھاگ جاتے اور چیختے چلاتے پھرتے۔ فرمایا آسمان پر ایک بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت و ریاضت رکوع، سجود اور تسبیح میں مصروف نہ ہو۔ ایک دوسری روایت[3] میں آتا ہے کہ فرشتوں کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے آسمان اس طرح چرچراتا ہے جس طرح نیا کجاوہ یا جوڑے کا نیا جوتا چرچراتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے

۱؎ ابن کثیر ج۲ ص۱۰۲ و خازن ج۱ ص۱۰۲ و بحر ج۵ ص۸۰

۲؎ قرطبی ج۱۰ ص۱۲۷ ۳؎ خازن ج۴ ص۳۹ ۴؎ خازن ج۴ ص۳۹

۵؎ ابن کثیر ج۴ ص۲۳ (ضیاء)

کہ ہماری صفیں بھی اللہ نے فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی ہیں۔ یہ آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ اگر ان کی صفیں درست ہوں گی تو یہ بھی فرشتوں کی صفوں کی طرح شمار ہوں گی۔ اس آخری امت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہر پاک خطے پر عبادت کر سکتے ہیں، ہماری عبادت محض عبادت خانوں تک محدود نہیں ہے۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک صاف قرار دیا ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

بہر حال فرشتوں نے کہا کہ ایک تو ہم صفت بتہ رہتے ہیں۔ اور دوسرا وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ اور بے شک ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا لوگوں کی طرف سے منسوب کی گئی کمزوری سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے پاک اور منزہ ہے۔ جو شخص اس کی ذات یا صفات میں شریک بنائے گا وہ خود بحیثیت مجرم خدا کی بارگاہ میں گرفتار شدہ پیش کیا جائیگا۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا
بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ
الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾
فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

ع ۵ ۴۲ ۹

ترجمہ:- اور بے شک یہ لوگ البتہ کہتے تھے (۱۶۷) اگر
ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی (۱۶۸) البتہ ہوتے
ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے (۱۶۹) پس کفر کیا
انہوں نے اس کے ساتھ، پس عنقریب جان لیں گے (۱۷۰)

اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے بھیجے
ہوئے بندوں کے لیے (۱۷۱) کہ بیشک البتہ وہی مدد
کیے جائیں گے (۱۷۲) اور بے شک ہمارا لشکر البتہ
وہی غالب ہو گا (۱۷۳) پس آپ رخ پھیر لیں تھوڑی
طرف سے ایک وقت تک (۱۷۴) اور آپ دیکھتے
رہیں ان کو، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۵) کیا یہ ہمارے
عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں (۱۷۶) پس جب وہ اترا
ان کے صحن میں، پس بری ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں
کی (۱۷۷) اور آپ رخ پھیر لیں ان کی طرف سے ایک
وقت تک (۱۷۸) اور آپ دیکھتے رہیں، عنقریب
یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۹) پاک ہے تیرا پروردگار جو عزت
کا مالک ہے ان چیزوں سے جو کہ یہ بیان کرتے
ہیں (۱۸۰) سلامتی ہے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں
پر (۱۸۱) اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے
جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۸۲)

ربط آیات

گذشتہ درس کی آخری تین آیات میں فرشتوں کا کلام ذکر کیا گیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ٹھکانا اور حد مقرر ہے جس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم صف بستہ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کو معبود مان کر ان سے حاجت روائی کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق میرے پروردگار کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہے، اس کی تسبیح و تنزیہ بیان کرتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا ایک ٹھکانا اور حد

مقرر ہے، وہ دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیسے کریگی۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کی ذات وصفات میں کوئی بھی شریک نہیں، مشرک لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور لایعنی باتیں کرتے ہیں۔

ہدایت انبیاء سے ہے مشرکین کا طعنہ تک

اب اللہ نے مشرکین کے ایک جھوٹے بہانے کا ذکر کرکے ان کی غلط بیانی کا پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ اور بیشک مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ہدایت سے مستفید نہیں ہوتے بلکہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ تو ہم اللہ کے مخلص بندوں میں ہوتے اور اہل کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے پہلی آیت میں مذکور اِنْ نَافِيَہ ہے اور اِنْ شرط کے لیے نہیں بلکہ یہ دراصل اِنَّ ہے لام تاکید یہ بتا رہا ہے کہ بیشک شان یہ ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت یعنی کتاب صحیفہ نوشتہ یا ہدایت ہوتی تو اس پر عمل کرکے اللہ کے مخلص بندوں میں شمار ہوتے۔ اور اس طرح ہم عبادت و ریاضت، معرفت عمل اور اخلاق میں ترقی کرتے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا۔ برخلاف اس کے اہل کتاب کے پاس کتابیں موجود تھیں، مگر ان کتابوں سے انحراف کو دیکھ کر مشرکین کہتے تھے کہ یہ بدقسمت لوگ ہیں کہ ان کے پاس کتاب، ہدایت اور احکام موجود ہیں مگر ان کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو ہم ضرور اس سے مستفید ہوتے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کا آخری رسول اور اس کی آخری کتاب قرآن حکیم ان لوگوں کے پاس آگئے تو انہوں نے تصدیق کرنے کی بجائے فَكَفَرُوْا بِهٖ اس کتاب سے انکار ہی کر دیا اور

نصیحت کے آنے اور اس پر عمل درآمد کے جو وعدے کرتے تھے ان سے مکر گئے
جب قرآن پیش کیا جاتا تو کہتے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ
(الانعام ۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس میں پہلی اقوام عاد و
ثمود وغیرہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، ہمارے لیے یہ کیسے مفید ہو سکتے ہیں سورۃ الانعام
میں اللہ نے مشرکین کی اس حیلہ سازی کو اس انداز سے بیان کیا ہے ہم نے یہ
مبارک کتاب اتار دی ہے، اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور تاکہ تم یوں نہ
کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں اتری ہیں مگر ہم اُن کی
درس و تدریس سے بے خبر تھے۔ یا پھر تم اس طرح نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب
نازل ہوتی تو ہم اُس پر عمل کر کے لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ (آیت ۱۵۸)
ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی صورت میں تمہارے
پاس دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ (آیت ۱۵۸)، اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات
کی تکذیب کرے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب اُن کے پاس مطلوبہ ہدایت آگئی تو ان ظالموں
نے اُس کا انکار کر دیا، فرمایا سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عنقریب یہ لوگ جان لیں گے
کہ ان کی حیلہ سازی اور تکذیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

انبیاء کی دعوت کا مقصد

دنیا میں جب بھی انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی لوگ مخالف ہو گئے
اور توحید کے پروگرام کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے
لیے انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تکذیب اور توہین کی بلکہ عام لوگوں کو دین کے
قریب آنے سے روکنے کے لیے مال و دولت صرف کیا اور لوگوں کو نہ صرف
دھمکیاں دیں بلکہ عملی طور پر ان کو طرح طرح کی سزائیں بھی دیں۔ ان تمام مشکلات
کے باوجود خدا تعالیٰ کی منشا ہمیشہ یہ رہی کہ وہ اپنے دین کو غالب بنائے گا اور اس
مقصد کے لیے اس نے اپنے انبیاء کی مدد بھی کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ
سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ تحقیق ہمارے رسولوں

کے حق میں ہماری یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ کہ بلکہ وہی مدد پائیں گے اگر اللہ نے کفر و شرک کے خلاف اپنے منتخب بندوں کی مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو ظاہری طور پر کامیابی نہیں ہوئی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا بلکہ ایسی صورت میں اللہ کا یہ وعدہ آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اہل ایمان وہاں پر منصور ہوں گے اور ان کے مخالفین مقہور ہو کر خدا تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ سورۃ المومن میں ارشاد کافرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (آیت ۵۱) بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اسی طرح مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے قیامت کے دن۔

بعض فرماتے ہیں کہ دنیا میں کفر و شرک کا طوفان سیلاب کی مانند ہوتا ہے جو وقتی طور پر تو غلبہ پا لیتا ہے مگر آخر کار ختم ہو جاتا ہے سورۃ الرعد میں اللہ نے حق و باطل کی کشمکش کو سیلاب کے جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح سیلاب کے جھاگ عارضی طور پر جوش و خروش پایا جاتا ہے اسی طرح باطل کو بھی ابال آتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے جس طرح سیلاب کا جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور مفید پانی زمین کو سیرابی کے لیے باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کا طوفان تو چھٹ جاتا ہے اور پائیدار حق باقی رہ جاتا ہے۔ اگر دنیا میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک بندے مغلوب بھی ہو جائیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ حق کو ہی غالب کرتا ہے جیسے فرمایا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۔ ۸۱) اے پیغمبر!

لے روح المعانی ص ۱۹۶ ج ۲۴ و مدارک ص ۳۱ ج ۴

(فیاض)

آپ کے سامنے کر حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بلاشک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے۔ باطل کو کبھی ثبات حاصل نہیں ہوتا اور پھر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ نے ظاہر طور پر بھی اپنے نبیوں کی مدد کی اور باطل مغلوب ہوا۔ اس ضمن میں قوم عاد و ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم صالح علیہم السلام اور قوم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے اس طرح حضور خاتم النبیین کی پوری زندگی بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ آپ نے کن نامساعد حالات میں اپنے مشن کا آغاز کیا اور کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر بالآخر اللہ نے اپنے ایمان کی مدد فرمائی اور ان کو غالب بنایا۔

حزب اللہ کا غلبہ

فرمایا ہمارے منتخب بندوں کے متعلق پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اس لشکر سے اللہ کے نبی اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ سچے مومن ہی حقیقت میں حزب اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں اور انہی کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ استدراج بھی آتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں بالتفصیل کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورا اترتے ہیں تو پھر غلبہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

اس اصول کے پیش نظر اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ پس آپ ایک مقررہ وقت تک ان سے رخ پھیر لیں یعنی ان کو نظر انداز کر دیں۔ وَّاَبْصِرْهُمْ اور ان کی طرف دیکھتے رہیں یعنی انتظار کریں فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ ان کے انکار مخالفت اور ایذا رسانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں بھی فرمایا ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (آیت ۳۰) آپ ان ناہنجاروں سے روگردانی کریں اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں۔ اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ان کو پتہ

چل جائے گا کہ کون غالب آتا ہے اور کون دنیا میں شکست اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستوجب بنتا ہے۔

عذاب کا مطالبہ

فرمایا یہ لوگ اس قدر بے انصاف ہیں اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی توحید اور اس کے رسول کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہو جلدی لے آؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ کفار مکہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (آیت ۹۲) جیسا کہ تم خیال کرتے ہو، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو، کبھی کہتے قیامت برپا کر دو، وہ آتی کیوں نہیں۔ تو فرمایا یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں، جو اپنے منہ سے عذاب طلب کرتے ہیں، اگر یاد رکھو اِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ جب عذاب ان کے صحن میں اترے گا فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت ہی بری ہوگی، جب ہمارا عذاب آجائے گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے اور ان کا انجام بہت برا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل عرب سے بچ کے بعد خیبر پر حملہ کیا جب آپ وہاں پہنچے، وہ لوگ کاشتکاری کے لیے اپنے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے، جب انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر آتے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا خَرِبَتْ خَيْبَرُ یعنی خیبر اجڑ گیا اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ تو زبان پر بھی آپ نے وہی الفاظ استعمال کیے کہ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اتریں گے تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی۔ چنانچہ خیبر پر حملہ کے نتیجہ میں جنگ ہوئی خیبر فتح ہوا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں

لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۰ و فتح الباری ص ۱۴۰ ج ۷ و روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۲۳ (فیاض)

آگیا۔ ویسے بھی اکثر نافرمان قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آیا ہے۔ قوم لوط کا حال دیکھ لیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے اہل کو لے کر راتوں رات نکل جائیں کیونکہ اس نافرمان قوم کی درگت بننے والی ہے اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (ھود ۔۸۱) ان کے لیے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے بہرحال اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ایک وقت تک آپ ان سے رُخ پھیر لیں وَّاَبْصِرْ آپ دیکھتے رہیں کہ کیا ہوتا ہے فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ کہ عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کون مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا آپ کچھ دیر انتظار کریں اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

خلاصہ مضامین

آپ آخر میں اللہ نے سارے مضامین کا خلاصہ دے دیا ہے۔ یہ گویا ساری سورۃ کا نچوڑ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ تیرا پروردگار جو تمام عزتوں کا رب ہے وہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اپنی زبانوں سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی کفر و شرک کی باتیں، خدا کی اولاد تجویز کرنے کی بات فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور اللہ کا رشتہ جنوں کے ساتھ قائم کرنا، ابلیس کو خدائی کا جاں سمجھنا، دو خداؤں پر اعتقاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے علم و قدرت میں کسی کو شریک بنانا یہ سب بیہودہ باتیں ہیں جن سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لغویات سے منزہ ہے۔

پیغام

اللہ کے نبی اور رسول ہمیشہ ایمان اور توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کی جدوجہد کی، کفر و شرک کو چھڑا کر ایمان و توحید کا درس دیا۔ ہدایت کا راستہ واضح کیا۔ اللہ کے پیغمبر اللہ کے نزدیک نہایت ہی برگزیدہ اور پاک ہستیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں دین کے لئے

کرنا کرنے کے لیے لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے لہٰذ
ان پر سلام بھیجنا چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، اور
سلامتی ہو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا
فرمان ہے کہ جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو اللہ کے سارے رسولوں پر سلام
بھیجا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
رسولوں پر سلام بھیجنے کے لیے اس آیت کی تلاوت بھی کافی ہے۔ سورۃ کی یہ
آخری تین آیات فرمائی ہے، رسولوں پر سلامتی کے ذکر کے، تصدیق نبوت و رسالت کا مضمون
بھی بیان ہو گیا۔

حمد باری تعالیٰ

رسولوں پر سلام کے بعد حمد باری تعالیٰ کے طور پر فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام
جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے مراد تمام جہان ہیں خواہ وہ ارضی ہوں یا
سماوی، عالم بالا کے ہوں یا عالم زیریں کے، علوی ہوں یا سفلی، تمام جہانوں
کا پروردگار ہے۔ اسی طرح مختلف انواع و اقسام کے جہان بھی الگ الگ
ہیں جیسے چوپایوں کا جہان، مچھلیوں کا جہان، پرندوں اور درندوں کا جہان،
شجر و حجر کا جہان، برزخ کا جہان، حشر کا جہان اور آخرت کا جہان۔ ان تمام جہانوں
کا پروردگار بھی اللہ رب العزت ہی ہے، لہٰذا ساری حمد و ثنا اسی کے لیے ہے
طبرانی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ جس شخص نے آخری تین آیات نماز
کے بعد تین دفعہ تلاوت کیں، اس نے گویا اپنے لیے پورے پیمانے پر اجر و ثواب
لیا۔ کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور پڑھ لینی چاہئیں۔ کسی مجلس میں بیٹھ کر طرح طرح
کی باتیں ہوتی ہیں اس لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر مجلس کے اختتام

---

[1] قرطبی ص ۱۱۳ ج ۲۳ و ابن کثیر ص ۲۵ ج ۵ و طبری ص ۱۱۱ ج ۲۳

[2] ابن کثیر ص ۲۵ ج ۵ و روح المعانی ص ۱۵۹ ج ۲۳ (فیاض)

پڑھی یہ آیات تلاوت کرنی چاہئیں۔ اگر ان آیات کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا جائے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تو اللہ تعالیٰ اس مجلس کی ساری غلطیاں معاف فرما دیگا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے جس سے عقیدہ درست ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بھی ہے اور رسولوں پر سلامتی کا ذکر بھی ہے اور یہ آیات ردّ بھی ہیں۔ یہ ساری سورۃ کا لب لباب ہے جو آخر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حج پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام حج

مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

تصنیف

محمد فیاض خان سواتی

اس کتاب میں حج کا طریقہ اور اس میں پیش آنے والے تمام مسائل کو درج کیا گیا ہے۔

صفحات ۲۸ قیمت ۲۰ روپے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حَیَّ عَلَی الْفَلَاح

از

حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نماز مسنون کا ن مصنفہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خانصاحب سواتی مدظلہ قرآن کریم، احادیث مبارکہ، فضائل صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، سلف صالحینؒ اور اہل السنت والجماعت احناف کے مسلک کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزین کتاب ہے۔ اہل حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت سے خائف ہو کر اسکی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نماز مسنون کے بعض مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیئے جو کہ "حی علی الصلوٰۃ" نامی کتاب کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلل جوابات آپکو اس کتاب "حیّ علی الفلاح" میں ملیں گے۔ اور غیر مقلدین کی کذب بیانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات

قیمت : ۱۸/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

نمازِ مسنون کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نماز مسنون فورد کے بعد نماز مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقاتِ نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی کچھ حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، ساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا اندازِ بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، قیمت ۱۷۵/- روپے

ناشر

مکتبہ دروسِ قرآن

فاروق گنج گوجرانوالہ

تسہیل و توضیح
مقدمہ صحیح مسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرنِ سوم سے آج تک متداول و معمول بہ ہے۔ اس میں "کتاب الایمان" کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلمؒ نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم و دقیع اور مشرحی ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر و صیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و اشکالات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلمؒ نے علم اصولِ حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فنِ حدیث میں بہت کار آمد ہیں خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح نہایت طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علمِ حدیث کے طلب گاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ مصنف: حضرۃ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت ۳۵/- روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

اجوبۂ اربعین (رد روافض)

(از حجۃ الاسلام مجددین وعلوم بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہے کہ کتاب علوم ومعارف حقائق ودقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبۂ اربعین میں حضرت نانوتویؒ کے علوم وفیوض مناظرانہ ومتقدانہ مضامین کا وقیع سرمایہ ہے۔ یہ کتاب اہل رفض وتشیع کے رد میں ہے' اس کتاب میں اہل رفض وتشیع کیطرف سے اہل السنت والجماعت پر کئے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی طور پر دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصہ اول میں انتالیس اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت نانوتویؒ نے ایک رات میں مکمل کئے۔ اس حصہ میں حضرت کے ساتھ حضرت کے داماد مولانا عبداللہ انصاریؒ سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ یونیورسٹی بھی شریک تھے۔ ہر سوال کا ایک ایک جواب ان کا بھی ساتھ شامل ہے۔

حصہ دوم : بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے' اس میں دقت نظر' زیرکی' عمیق حقائق' ومعارف لطائف وظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں منعہ کا مسئلہ' فدک وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق اور مشکل اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

الحمد للہ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے اس کتاب کو نہایت محنت کے ساتھ کتاب میں سرخیاں' حوالہ جات کے مآخذ' پیرے اور متعدد جگہ حواشی' عمدہ کتابت اعلی طباعت ومعیاری جلد بندی کیساتھ طبع کرایا ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست مضامین اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید فاضل دارالعلوم دیوبند وبانی مدرسہ نصرۃ العلوم کا ۲۰ صفحات پر مشتمل مفید مقدمہ لگادیا گیا ہے۔ طبع دوم قیمت -- ۹۰ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

زیر نگرانی

بلال احمد ناگی صاحب

ترتیب

الحاج فضل دین صاحب (ایم اے علوم اسلامیہ)

زیر اہتمام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

ناظم سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph: 221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ